



۷۸۶  
۹۲-۱۱۰  
یا صاحب الزماں اور کئی

DVD  
VERSION

# لبیک یا حسینؑ

نذر عباس  
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABEEL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad

Sindh, Pakistan.

[www.sabeelesakina.co.cc](http://www.sabeelesakina.co.cc)

[sabeelesakina@gmail.com](mailto:sabeelesakina@gmail.com)

[www.ziaraat.com](http://www.ziaraat.com)

NOT FOR COMMERCIAL USE

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں  
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# کرکلا شناسی

مجموعہ

مجاہدین

علامہ سید فیضان حمید جوادی

ناشر

تنظیم المکاتب

گولہ گنج، لکھنؤ، یو۔ پی۔ (انڈیا)

فیس ۲۳۳۵۶۳      فون: ۲۱۵۱۱۵

## جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب :	کر بلا شاسی
مصنف :	علامہ السید ذیشان حیدر جواد
کتابت :	شارپ کمپیوٹر لکھنؤ
سنہ طباعت :	نومبر ۱۹۹۵ء
تعداد :	ایک ہزار
ناشر :	تنظیم المکاتب لکھنؤ (انڈیا)
قیمت :	

ASSOCIATION KHOJ/  
SHIA ITHNA ASHERI  
JAMATE  
MAYOTTE

## مراکز حصول

دفتر تنظیم المکاتب گولہ گنج لکھنؤ ۱۸ - انڈیا  
جامعہ انوار العلوم مرزا غالب روڈ الہ آباد  
جامعہ جواد یہ پرہاد گھاٹ بنارس  
مولانا سید انیس حسن صاحب قبلہ A۱، نیوشوکت سوسائٹی  
نوروجی ہل روڈ - ڈونگری - ممبئی ۹  
مولانا محمد علی آصف صاحب قبلہ غازی پور ڈاکخانہ گوگواں ضلع مظفرنگر  
جناب غلام علی گلزار صاحب رعناواری حسن آباد سرینگر کشمیر

ASSOCIATION KHOJ/  
SHIA ITHNA ASHERI  
JAMATE  
MAYOTTE

## فہرست

صفحہ	
۵	۱ - عرض تنظیم
۷	۲ - پہلی مجلس
۴۳	۳ - دوسری مجلس
۷۰	۴ - تیسری مجلس
۹۹	۵ - چوتھی مجلس
۱۳۱	۶ - پانچویں مجلس
۱۴۲	۷ - چھٹی مجلس
۱۹۱	۸ - ساتویں مجلس
۲۱۹	۹ - آٹھویں مجلس
۲۴۷	۱۰ - نویں مجلس
۲۷۸	۱۱ - دسویں مجلس

### waqaf

Ce livre est offert par un bande khouda  
pour les alims de Mayotte .  
Veuillez réciter un soureh fateha  
pour issale sawab de nos marhoumines.

### ۷۳۶

آ کیتاوب ہدیہ خدایا ترقیاتی جماعت  
نا آلامیہ ماتے ۷۳۶ کرناما آوےل ہے  
لاہل خینار کول مرکومیہ ماتے  
اےک سورہ فاتحہ پڑھا گواریش ہے

۱)



## عرض تنظیم

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ادارہ تنظیم المکاتب نے تحریک دینداری کو آگے بڑھانے میں مکاتب کے قیام کے ساتھ کتابوں کے نشر و اشاعت کا جو سلسلہ شروع کیا ہے۔ وہ روز بروز ترقی کی راہوں پر گامزن ہے اور ادھر چند برس سے ہم برابر ایک نہ ایک وقیع اور مستند کتاب کی اشاعت کا شرف حاصل کر رہے ہیں اور یہ سب صدر محترم علامہ جوادی دام ظلہ کے سر بیچ اسیر قلم کا نتیجہ ہے ورنہ اس دور میں جبکہ قلم کو حرکت دینا ایک عیب سا ہو گیا ہے اور قلم کا مصرف صرف جیب کی زینت یا میز کی آرائش رہ گیا ہے۔ مضامین کا جتیا کرنا مسئلہ بن جاتا ہے۔ چہ جائیکہ کتابوں کی تالیف و تصنیف کا کام۔

اکثر علماء کرام اور خطباء عظام کو سفر کی کثرت اور بیانات کی مقبولیت سے فرصت نہیں ہے اور بعض کے پاس یہ "عذر غیر مقبول" بھی موجود ہے کہ مستند ترین مضامین کی توفیق نہ ہونے سے نہ لکھنا ہی بہتر ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص نے قسم دیدی ہے کہ یا غیر معتبر مضامین لکھیں یا نہ لکھیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر دوسرے ہر صاحب قلم کا قلم غیر معتبر ہے اور ہر صاحب علم کا علم ناقص ہے اور آپ ہی دور حاضر کے اکیلے محقق ہیں تو ناواقف مومنین کو باخبر بنانا اور مذہب پر ہونے والے قلمی حملوں کا دفاع کرنا آپکے لئے واجب عینی ہو گیا ہے۔ اب اس کے بعد کسی بے ربط عذر کی روز قیامت کیا گنجائش ہے۔

## خطبہ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ  
الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝  
وَالصَّلَاةِ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِينَ  
خَاتَمِ النَّبِيِّينَ مَوْلَانَا أَبِي الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَعَلَى أَهْلِ  
بَيْتِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ الْمُعْصُومِينَ وَلَعْنَةُ  
اللَّهِ عَلَى أَعْدَائِهِمْ أَجْمَعِينَ ۝ أَمَا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ  
اللَّهُ الْحَكِيمُ فِي كِتَابِهِ الْكَرِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ  
الرَّحِيمِ ۝ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْبَطِينَةُ ۝ ارْجِعِي  
إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي  
۝ وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝



اکثر مومنین کرام کے مطالیہ کی بنا پر ادارہ نے کتابوں کی اشاعت کے ساتھ علامہ موصوف دام ظلہ کی مجالس کی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا ہے پہلی کتاب ”عقیدہ و جہاد“ کے نام سے منظر عام پر آچکی ہے۔ اب یہ دوسری کتاب ”کربلا شناسی“ کے عنوان سے منظر عام پر آرہی ہے۔ اس اشاعت پر دو حضرات کے عظیم احسانات ہیں جن کا شکریہ ادا نہ کرنا احسان فراموشی کے مترادف ہے۔

پہلا احسان حجۃ الاسلام سید شبلیہ الحسن رضوی (الذکر) کا ہے جنہوں نے مجالس کو کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کیا ہے اور اس راہ میں بے پناہ زحمت برداشت کی ہے اور دوسرا احسان جناب محترم ڈاکٹر اسد صادق رضوی (نیو جرسی) کا ہے۔ جنہوں نے اپنی والدہ گرامی کے ایصال ثواب کے لئے کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری لی ہے۔ رب کریم دونوں حضرات کو اجر عظیم عنایت کرے اور ڈاکٹر صاحب کی والدہ مرحومہ کو جو ارمعصومہ عالم میں جگہ عنایت فرمائے۔

والسلام  
سکرٹیری

## مجلس ۱

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیمہ بسم اللہ الرحمن الرحیم  
الحمد لله رب العالمین ۰ والصلوة والسلام علی اشرف الانبیاء  
والمرسلین خاتم النبیین مولانا ابوالقاسم محمد وعلی اہل بیتہ الطیبین  
الطاہرین المعصومین ولعنة الله علی اعدائهم اجمعین ۰  
اما بعد

اے نفس مطمئن اپنے ہروردگار کی بارگاہ میں پلٹ آ تو ہم سے راضی ہے ہم تجھ سے راضی ہیں اور میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔  
۱۴۱۰ ہجری کے آغاز کے ساتھ مرکز حسینی کا جو سلسلہ مجالس شروع ہو رہا ہے اس میں عشرہ اول کی مجالس کیلئے جو عنوان بیان طے کیا گیا ہے وہ ہے مسند کربلا شناسی۔

دور قدم کے حالات دور حاضر کے حالات سے یقیناً مختلف ہیں اگر آپ پچھلے ادوار میں اُمت اسلامیہ کے حالات کا جائزہ لیں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس دور میں مسائل کربلا اس قدر مبہم نہیں بنائے گئے تھے جس قدر مبہم اور مشکوک دور حاضر میں بنائے جا رہے ہیں۔

زیادہ زمانہ نہیں گذرا آج سے نصف صدی پہلے شاعر نہایت ہی آزادی اور بے باکی کے ساتھ یہ کہتا تھا کہ ”لفظ یزید داخل دشمنام ہو گیا“ لیکن آج نام نہاد مسلمانوں کے درمیان ایسے افراد بہر حال پیدا ہو گئے ہیں جو یزید نواز، یزید پرست اور اپنے کو یزید کہنے میں بھی کوئی شرم و حیا محسوس نہیں کرتے ہیں بلکہ اگر آپ مزید مطالعہ کریں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہوا کا رخ اتنا بدل گیا ہے کہ ایسے بے غیرت مسلمان بھی پیدا ہو گئے ہیں جو واقعہ کربلا کی ذمہ داری تمام تر خود



امام حسینؑ پر ڈالنا چاہتے ہیں۔

کل صرف ایک شخص پیدا ہوا تھا جس نے واقعہ کربلا کا انکار کر دینے کی جرات کی تھی۔ آج نہ جانے کتنے بے ہوش اور بدحواس مسلمان پیدا ہو رہے ہیں یا پیدا کئے جا رہے ہیں جن کا تمام تر منشا یہ ہے کہ اگر اصل واقعہ کربلا کا انکار نہ کر سکیں تو اسکی حیثیت کو یکسر تبدیل کر دیں۔

میں ان تفصیل کو ان مجالس میں آپ کے سامنے گزارش کروں گا لیکن گذشتہ برسوں کی طرح پھر آپ کو یاد دہانی کرانا چاہتا ہوں کی یہ مجالس جو عشرہ اول میں اس عزاغانے میں منعقد ہوتی ہیں ان کی حیثیت ان تمام مجالس سے مختلف ہے جو تمام سال اس عزاغانے میں منعقد ہوا کرتی ہیں۔ اس اعتبار سے بھی کہ اس کے شرکاء سال بھر کے شرکاء سے مختلف ہوتے ہیں ان مجالس میں حصہ لیے والے مختلف نظریات، مختلف خیالات اور مختلف عقائد کے لوگ ہوتے ہیں اس کے علاوہ جیسا کہ آگے چل کر دیکھیں گے کہ ان مجالس کا محل وقوع بھی عام مجالس سے مختلف ہوتا ہے اسلئے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ گفتگو کو اتنا سنجیدہ اور علمی رکھا جائے کہ اگر کسی انسان میں ادنیٰ سنجیدگی ٹکڑ پائی جاتی ہے اور کوئی انسان واقعا مسائل کو سمجھنا چاہتا ہے تو وہ سنجیدگی کے ساتھ سن بھی سکے اور سمجھ بھی سکے۔ اگرچہ بعض افراد کے مخصوص جذبات کی تسکین نہیں ہو سکتی ہے اور میں

اس کے لیے ہمیشہ معذرت خواہ رہتا ہوں اور پھر معذرت خواہ ہوں۔ کہ اگر آپ کو ایسے مسائل کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا ہیں تو یہ سلسلہ عزا تمام سال قائم رہتا ہے آپ تشریف لائیں اور انشاء اللہ وہ سارے مسائل جو آپ کے ذہن میں ہیں یا جن کے بارے میں آپ سننا چاہتے ہیں وہ تمام سال بیان ہوتے رہتے ہیں اور بیان ہوتے رہیں گے۔ ان مسائل سے دلچسپی لینے والے حضرات کو

چاہئے کہ عشرہ محرم کے بعد بھی عزاغانہ کا رخ کرنے کی زحمت گوارا کیا کریں۔ یہ آیات کریمہ جنگی آپ کے سامنے تلاوت کی گئی ہے یہ سورہ مبارکہ فجر کی آخری آیتیں ہیں اور سورہ مبارکہ فجر وہ سورہ ہے جس میں پروردگار عالم نے ان تمام اقوام کے انجام کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے روئے زمین پر فساد برپا کیا۔ اپنی بلندی اور برتری کا اعلان کر کے مخلوقات خدا کو ذلیل کیا۔ زمین خدا کو تباہ و برباد کیا۔ "فاکثروا فیھا الفساد" دنیا میں جتنا فساد ان کے امکان میں تھا اتنا فساد پھیلایا اور یہی خیال کرتے رہے کہ ہم اتنی طاقت والے ہیں، اتنی قوت و ہمت والے ہیں کہ ہمیں دنیا کی کوئی طاقت مانا نہیں سکتی ہے۔

لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ ہم نے جب ان قوموں کو فنا کرنا چاہا تو آج ان قوموں کے نام باقی رہ گئے ہیں مگر نشان باقی نہیں رہ گئے ہیں۔ ان تمام تذکروں کے بعد پروردگار عالم نے اپنے مخصوص بندوں کو مخاطب بنایا ہے "یا تھا النفس المطمئنہ" اے نفس مطمئن اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پلٹ آ تو ہم سے راضی ہے ہم تجھ سے راضی ہیں آمیرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

میں حسب روایات سلسلہ بیان کو شروع کرنے سے پہلے یہ کریمہ کے الفاظ کی مختصر وضاحت کرنا چاہتا ہوں تاکہ روز اول سے یہ باتیں آپ کے ذہن میں محفوظ رہیں اور آئندہ فضائل اور مسائل کو سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے اگر میرے تمام سننے والوں نے یہ کریمہ کے اس لہجہ پر توجہ دی ہے اور اس مضمون کو نگاہ میں رکھا ہے تو آپ کو محسوس ہوا ہوگا کہ اس میں ایک بات ہے جو اول سے آخر تک بیان کی گئی ہے "اے نفس مطمئن اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پلٹ آ تو ہم سے راضی ہے ہم تجھ سے راضی ہیں ہمارے بندوں میں شامل ہو جا ہماری جنت میں داخل ہو جا۔"



مکمل مضمون ایک مضمون ہے جس میں پروردگار عالم نے نفس مطمئن کو مخاطب قرار دیا ہے اگر قرآن مجید میں سورہ فجر کو آپ دیکھیں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ مضمون ایک ہے مگر آیتیں چار ہیں یعنی پروردگار عالم نے ایک مضمون کو چار آیات میں بیان کیا "یا تمہا النفس المطمئنة" یہ ایک آیت ہے "ارجعی الی ربک راضیة مرضیة" یہ دوسری آیت ہے "فادخلی فی عبادی" یہ تیسری آیت ہے "وادخلی جنتی" یہ چوتھی آیت ہے۔ ۲۷-۲۸-۲۹-۳۰ یہ چار آیتیں ہیں سورہ مبارکہ فجر کی آخری آیات جن کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اور جن کا مضمون مسلسل ایک مضمون ہے جسکو پروردگار عالم نے چار آیات میں بیان کیا ہے۔

یہ ایک مسند ہے جو صاحبان نظر ہیں یا جنھیں حقائق قرآن کے پہچاننے سے دلچسپی ہے او مزید معلومات کیلئے مطالعہ کرنا چاہتے ہیں یہ بات میں ان کے لیے گزارش کر رہا ہوں میں نے خود تفسیر قرآن میں جو شاید دو چار مہینہ کے بعد منظر عام پر آئے۔ ان مسائل کی نشاندہی کی ہے کہ جن کے تفصیلات کو مفسرین نے عام طور سے اور خصوصیت کے ساتھ ہماری زبان میں تفسیر لکھنے والوں نے یا نظر انداز کر دیا ہے یا بالکل ضمنی حیثیت دی ہے جبکہ یہ خود اپنے مقام پر مستقل موضوعات ہیں جن پر بحث ہونی چاہئے تھی اور مفسرین کو ان کے بارے میں تفصیلات امت اسلامیہ کے سامنے پیش کرنا چاہئے۔

ان میں سے سب سے بڑا مسند یہ ہے کہ قرآن مجید میں بابجا جو آیتیں پائی جاتی ہیں ان آیتوں کا مقصد کیا ہے۔

یہ تفصیلات آپ کو کتابوں میں نہیں ملیں گی اور اس انداز سے عام طور پر بحث نہیں کی گئی ہے۔ میں تو غالی اشارہ کر رہا ہوں اپنے موضوع تک جانے کے واسطے تاکہ آپ اس حقیقت کو محسوس کر سکیں جسکی طرف آپ کے اذہان عالیہ کو

متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

قرآن مجید میں مثلاً یہ سورہ سانحہ آیتوں کا ہے، وہ سورہ دو سو چھیاسی آیتوں کا ہے۔ یہ سورہ گیارہ آیتوں کا ہے، وہ سورہ تیرہ آیتوں کا ہے۔ وہ سترہ آیتوں کا ہے۔ وہ سو آیتوں کا ہے۔ تو یہ آیتیں جن کے نشانات الگ الگ گول آپ کے سامنے قرآن مجید میں موجود ہیں ان آیات کا مقصد کیا ہوتا ہے۔ کیوں پروردگار عالم اپنے بیان کو ایک مقام پر روک کے جب سلسلہ کو آگے بڑھاتا ہے تو جہاں بیان رک جاتا ہے اسے آیت کہا جاتا ہے جب بیان دوبارہ آگے بڑھ جاتا ہے تو جہاں دوبارہ روکا جاتا ہے یہ دوسری آیت ہوتی ہے جبکہ اکثر مقامات پر لہذا ہوتا ہے کہ بیان اتنا مسلسل ہے کہ جب تک ساری باتیں بیان نہ کر لی جائیں بیان مکمل ہونے والا نہیں ہے۔

میں دور آپ کو نہیں بے جاؤں گا قرآن مجید کا وہ سورہ جو صبح و شام آپ پڑھتے ہیں اور جسکی تلاوت ہر مسلمان ہر نماز میں کرتا ہے "بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین" ساری حمد اللہ کیلئے ہے وہی اللہ جو عالمین کا پالنے والا ہے وہی اللہ رحمان ہے وہی رحیم ہے وہی روز قیامت کا مالک ہے۔ یہ ساری باتیں ایک ہی اللہ کے بارے میں ہیں اللہ ہی رب العالمین ہے اللہ ہی رحمان و رحیم ہے اللہ ہی مالک یوم الدین ہے۔ یعنی یہ ساری باتیں اللہ ہی سے متعلق ہیں تو بظاہر جب یہ ساری صفیں ختم ہو جائیں تو ایک اللہ کا ذکر ختم ہوتا ہے جب یہ سارے کمالات بیان ہو جائیں تو بات مکمل ہوتی ہے مگر "الحمد للہ رب العالمین" یہ ایک آیت ہے "الرحمان الرحیم" یہ دوسری آیت ہے "مالک یوم الدین" یہ تیسری آیت ہے۔

یہی سلسلہ آخر میں ہے۔ پروردگار عالم کہتا ہے مجھ سے دعا کرو کہ



"پروردگار ہمیں صراطِ مستقیم کی ہدایت دے صراطِ مستقیم کن کا راستہ ہے جو نعمت والے ہیں جو گمراہ نہیں ہیں ان پر غضب نازل نہیں ہوا ہے۔ تو یہ ساری بات مکمل ہو کے ایک بات تمام ہوتی ہے مگر اس کو بھی دو حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے تو جب بات مکمل ہوتی ہے دو آیتوں میں، تین آیتوں میں، چار آیتوں میں تو درمیان درمیان آیتیں رکھ کے وقف کیوں پیدا کیا گیا ہے۔ ایک بات کو دوسری بات سے کیوں الگ کیا گیا ہے۔ یہ ایک مستقل مسئلہ ہے جس پر مفسرین نے بحث نہیں کی ہے تو میں آپ کے ذہن کے حوالے کیسے کروں یا اپنے بچوں اور نوجوانوں پر کیسے اعتبار کروں کہ وہ سمجھ جائیں گے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔

لیکن میں ایک اشارہ کر رہا ہوں تاکہ آئندہ آپ پڑھیں اور علمائے کرام سے دریافت کریں کہ پروردگار عالم جو بیچ بیچ میں اپنے بیانات کو آیت کے ذریعہ روک دیتا ہے تو اس روک دینے کا مقصد کیا ہوتا ہے جب کہ بات کبھی دو آیتوں میں مکمل ہوتی ہے کبھی تین میں مکمل ہوتی ہے کبھی چار میں مکمل ہوتی ہے بلکہ اس سے زیادہ واضح "والعصر ان الانسان لفي خسر الا انذبن آمنوا" قسم ہے عصر کی۔ کہ انسان گھانے میں ہے علاوہ ان کے جو ایمان لائے نیک عمل کئے اور حق و صبر کی وصیت کرتے رہے۔ یہ قسم کے بعد ساری بات جب مکمل ہوتی جب ان کا ذکر بھی ہو جائے جو گھانے میں ہیں اور ان کا ذکر بھی ہو جائے جو خسارے میں نہیں ہیں۔

مگر قرآن مجید میں "والعصر" ایک آیت ہے ان الانسان لفي خسر" دوسری آیت ہے "الا انذبن آمنوا" تیسرا تذکرہ شروع ہو گیا ہے جبکہ ساری باتیں ملا کے ایک بات پروردگار نے کسی ہے کہ قسم ہے عصر کی کہ انسان گھانے میں ہے علاوہ ان انسانوں کے جو ایمان و کردار والے ہیں تو بات تو مکمل ہوتی ہے ان سارے

مضامین کو ملا دینے کے بعد مگر قرآن مجید میں اسی ایک مضمون کو مختلف آیتوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔

میری بات پر آپ غور کر رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ بات آپ کے ذہن نشین ہو جائے اس کے بعد جسکو شوق ہو گا وہ تلاش کرے گا۔

لیکن جس بات کو مجھے گزارش کرنا ہے اجمالاً تاکہ آپ بات کی بنیاد کو محسوس کر سکیں اور آئندہ تحقیق کرنے کیلئے پھر راستہ کھل سکے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ کی مصلحتوں میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ پروردگار عالم جب کسی ایک طویل مضمون کو بیان کرنا چاہتا ہے تو اس مضمون میں جتنے اہم مراحل ہوتے ہیں۔ جتنی اہم منزلیں ہوتی ہیں یا یوں کہا جائے کہ جن اہم نکات پر پروردگار اپنے بندوں کے ذہن کو روکنا چاہتا ہے وہیں ہر آیت کا نشان لگا دیا جاتا ہے تاکہ انسان یہاں ٹھہرے پہلے اس بات کو سمجھ لے کہ میں نے کیا کہا ہے اس کے بعد آگے بڑھے۔ اگرچہ بات ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے مگر یہ جگہ وہ ہے کہ جہاں خوب غور کرنا چاہئے۔ دوسرا مرحلہ وہ ہے جہاں پھر غور کرنا چاہئے۔ تیسرا مرحلہ وہ ہے کہ جہاں پھر غور کرنا چاہئے۔ آخری مرحلہ وہ ہے کہ جہاں بات جا کر مکمل ہو جائے گی مگر ایک بات کے کہنے میں یہ چار مقامات ہیں جہاں انسان کو سوچنا چاہئے اور غور کرنا چاہئے۔

اسکی ایک واضح سی مثال جسکو میں آپ کے سامنے گزارش کر رہا ہوں تاکہ میرے بچے بھی محسوس کر سکیں۔

میں جو آپ کے سامنے اس روانی کے ساتھ تقریر کر رہا ہوں۔ جب میں نے ابتدا سے آپ کے سامنے بیان شروع کیا تھا تو یہ روانی نہیں تھی اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ مجھے بولنا نہیں آتا تھا اور دو چار منٹ کے بعد آپ کے سامنے



آگیا۔ مجھے یہ اعلان کرنا ہے کہ حضرات کل پہلی محرم ہے، مثلاً جمعرات کا دن ہے، اگست کی تین تاریخ ہے مجلس ساڑھے آٹھ بجے شروع ہوگی۔ بیان نو بجے شروع ہوگا۔ یہ تو میں ایک سانس میں بھی کہہ سکتا تھا مگر یہ اعلان جو میں شروع کیا۔ میں نے کہا کل تین اگست، پہلی محرم، جمعرات کا دن، رات کا وقت، ساڑھے آٹھ بجے سوز و سلام کا سلسلہ، اور ۹ بجے بیان کا سلسلہ شروع ہوگا، آپ حضرات شرکت فرمائیں۔ یہ بار بار میرے بیان میں وقفہ کیوں ہو رہا ہے۔ یہ بار بار میں لفظوں کو توڑ توڑ کے کیوں بیان کر رہا ہوں۔ اسلئے کہ میرا منشا یہ ہے کہ آپ کے ذہن میں تین اگست بھی رہے۔ آپ کے ذہن میں جمعرات بھی رہے۔ آپ کے ذہن میں پہلی محرم بھی رہے۔ آپ کے ذہن میں وقت بھی رہے۔ آپ کے ذہن میں بیان بھی رہے۔ ایسا نہ ہو کہ میں ایک سانس میں بیان کر دوں اور لوگ یہی سمجھیں کہ شاید سب ایک ہی بات ہے یا سب الگ الگ باتیں ہیں اور سمجھ نہ پائیں۔ جب مخاطب کو کوئی بات سنجیدگی سے سمجھانا ہوتی ہے تو بیان کو روکا جاتا ہے تاکہ بات ذہن نشین ہو جائے۔

اور اس کے بعد خدا نکر وہ اگر آپس میں اختلاف ہو جائے تو میں اسکا مجرم نہیں ہوں۔ انسان جو ٹھہر ٹھہر کے گفتگو کرتا ہے۔ یہ اسلئے نہیں کہ زبان میں لکنت پائی جاتی ہے یا اسے بات کرنے کا سلیقہ نہیں آتا ہے بلکہ چاہتا ہے کہ ہر لفظ پر توجہ دی جائے تو لفظوں کو الگ الگ بیان کیا جاتا ہے اور جب یہ چاہتا ہے کہ پورا مضمون سمجھا جائے اور الفاظ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہے تو ساری باتوں کو سمیٹ کے ایک جملہ میں کہہ دیا جاتا ہے۔

اب آپ پہچانیں کہ پروردگار عالم نے ایک مضمون کو چار حصوں میں کیوں بانٹا ہے "اے نفس مطمئن رک گیا۔ بیان ٹھہرا ہوا ہے۔" "ارجعی الی ربک رضیۃ

مرضیۃ" اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پلٹ آ تو ہم سے راضی ہے ہم تجھ سے راضی ہیں۔ بیان روک دیا گیا "فادخلی فی عبادی" میرے بندوں میں شامل ہو جا۔ بیان پھر رک گیا "وادخلی جنتی" میری جنت میں داخل ہو جا اب بیان مکمل کیا گیا۔ کیوں؟

اسلئے کہ انسان کی زندگی کے چار مرحلے ہیں یا اس کے چار پہلو ہیں۔ پہلا پہلو یہ ہے کہ اسکا ساتھ نفس کیسا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کے اپنے پروردگار سے تعلقات کیسے ہیں۔ تیسرا رخ یہ ہے کہ پروردگار سے تعلقات یکطرفہ ہیں یا دو طرفہ ہیں۔ چوتھا رخ یہ ہے کہ اس کے روابط اور تعلقات کس کس سے ہیں۔ پانچواں رخ یہ ہے کہ اسکا انجام کیا ہے اللہ نے ان چار آیتوں میں یہ پانچوں باتیں بیان کر دی ہیں۔ بات میں ان سے کر رہا ہوں جن کا نفس مطمئن ہے جن کا نفس غیر مطمئن ہے انھیں نہیں پکار رہا ہوں اور بات ان سے کر رہا ہوں جن سے میرا تعلق ہے "ارجعی الی ربک" اپنے پروردگار کی طرف پلٹ آ اور یہ تعلقات یکطرفہ نہیں ہیں کہ یا ہم اس سے راضی ہوں یا وہ ہم سے راضی ہو۔ نہیں ہم اس سے راضی ہیں اور وہ ہم سے راضی ہے۔ اور اگر تعلقات دیکھنا ہیں تو تعلقات ہمارے ان بندوں سے ہیں جن میں ہم شامل کرنا چاہتے ہیں اور انجام ہماری جنت ہے جسمیں ہم داخل کرنا چاہتے ہیں۔

کہ جو ہمارے بندوں میں شامل ہو جائے گا اسکا آخری انجام جنت ہے۔ یہ چار پانچ مقامات ہیں جہاں انسان کو بیٹھ کے غور کرنا چاہئے تاکہ یہ محسوس کر سکے کہ پروردگار عالم نے جس انسان کو یا جن انسانوں کو مخاطب بنایا ہے ان کا نفس کیسا ہے ان کا کردار کیسا ہے پروردگار سے ان کے روابط اور تعلقات کیسے ہیں وہ کن لوگوں کے درمیان رہتے ہیں اور ان کا آخری انجام کیا ہونے والا ہے۔



یہ ساری باتیں اگر تمہید کے طور پر آپ کے ذہن عالی میں محفوظ ہو گئی ہیں تو اب میں اپنے سلسلہ بیان کو آگے بڑھانا چاہتا ہوں کہ بلا کو پہچانتے کیلئے ان موضوعات پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ میں اپنا حاصل مطالعہ جو آپ کے سامنے آئندہ مجالس میں گزارش کروں گا۔ میں چاہوں گا کہ آپ اسکو ذہن میں محفوظ کریں اور اگر نہ محفوظ ہو سکے تو اب الحمد للہ ایسے وسائل موجود ہیں کہ جن میں ان باتوں کو محفوظ کیا جاسکتا ہے اور آئندہ اس سے خود بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور دوسروں تک یہ پیغام پہنچایا جاسکتا ہے۔

واقعہ کربلا کا پہلا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ واقعہ کربلا میں جن شخصیتوں کا نام آتا ہے وہ خود کون ہیں اور ان کی اپنی حیثیت کیا ہے۔ یوں تو شخصیتیں بہت ہیں جن کا کربلا کے ذیل میں ذکر آتا ہے۔ ادھر والے بھی اور ادھر والے بھی۔

لیکن جو دو نمایاں کردار ہیں انہیں ایک کردار ہے فرزند رسول حسین بن علیؑ کا اور ایک کردار ہے ابن ابی سفیان کے بیٹے زید کا۔

میں آپ کے سامنے ابتدائی مراحل میں چاہوں گا کہ ان دونوں کرداروں کو آپ عالم اسلام کی نگاہ میں پہچانیں اور روایات اور آیات کی روشنی میں دیکھیں کہ روایات اور آیات کی روشنی میں شخصیت امام حسینؑ کیا ہے اور روایات اور تاریخ کی روشنی میں کردار زید بن معاویہ کیا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ کچھ دن پہلے ان کے تذکرہ کی ضرورت نہیں تھی۔ ہر آدمی پہچانتا تھا کہ امام حسینؑ کا کردار کیا ہے اور زید کی زندگی کیا ہے۔ مگر دور حاضر میں حالت کو اتنا انا جا رہا ہے اور تاریخ کو اتنا مسخ کیا جا رہا ہے کہ اسکی وضاحت بھی ضروری ہے تاکہ یہ باتیں انسان کے ذہن میں رہیں کہ اگر واقعہ کربلا کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ہے تو فقط یہی دیکھ لے کہ جس معرکہ میں

ایسے دو کردار نکرائیں گے وہ معرکہ کیا ہوگا۔

تو پہلی منزل ہے شخصیت امام حسینؑ۔

امام حسینؑ کی شخصیت کو پہچانتے کیلئے تین راستے ہیں یا امام حسینؑ کو آیات قرآن سے پہچانا جائے یا امام حسینؑ کو سیرت و کردار پیغمبرؐ سے پہچانا جائے یا امام حسینؑ کو خود ان کی سیرت و کردار سے پہچانا جائے۔

پہلو تو بہت ہیں لیکن ظاہر ہے کہ میں ایک گھنٹہ میں یا دو گھنٹہ میں ساری باتیں نہیں گزارش کر سکتا ہوں لہذا میں صرف خاکے آپ کے سامنے رکھوں گا تاکہ مطالعہ کیلئے دوسرے راستے کھل جائیں۔

امام حسینؑ کی شخصیت باعتبار قرآن۔ امام حسینؑ کی شخصیت باعتبار سیرت پیغمبرؐ اور امام حسینؑ کی شخصیت خود اپنی سیرت اور اپنے کردار کے اعتبار سے تاکہ تاریخ کے اعترافات بھی آپ کے سامنے آجائیں۔

اگر آیات قرآنی کے اعتبار سے کردار امام حسینؑ کو دیکھا جائے تو اس حقیقت سے کوئی انکار کرنے والا پیدا نہیں ہوا ہے اور جسکی نگاہ قرآن مجید اور تفاسیر قرآن پر ہے وہ جانتا ہے کہ جس وقت قرآن مجید کی آیہ کریمہ "انما یرید اللہ لیزہب عنکم الرجز اھل البیت ویطہرکم تطہیراً" نازل ہوئی تو اس آیہ کریمہ کے نزول کے وقت جن لوگوں کو پیغمبرؐ نے چادر میں لیا تھا اور جنکو اہلبیت کہہ کر متعارف کرایا تھا اور جنکو پروردگار عالم نے اہل بیت کہہ کر مخاطب بنایا تھا۔ ان افراد میں ایک شخصیت تھی امام حسینؑ کی۔ اور یہ وہ بات ہے کہ جس کے روایت کرنے والے مردوں اور عورتوں میں سب ایک سے ایک معتبر افراد ہیں جو عالم اسلام کی بڑی شخصیات ہیں۔ صحابہ کرام میں بھی اور ازواج میں بھی دونوں جگہ۔ خود جناب ام سلمہؓ راوی ہیں۔ ام المومنین عائشہؓ راوی ہیں۔ صحابہ کرام میں کتنے بڑے



بڑے اصحاب ہیں جنہوں نے اس بات کو بیان کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے زیر کساء جن افراد کو لیا تھا، علیؑ، فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ تھے اور اس کے بعد نبیؐ نے دعا کی تھی "اللهم ہولاء اہلبیتتی" اے پروردگار یہ میرے اہل بیت ہیں۔ ان سے ہر برائی کو دور رکھنا ان کو طیب و طاہر رکھنا۔ پیغمبرؐ کی اس دعا کے بعد پروردگار عالم نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا اس کے معنی یہ ہیں کہ نگاہ قرآن میں اہلبیتؑ کا مصداق ہیں حسینؑ، نگاہ قرآن میں طہارت و عصمت کا مرکز ہیں حسینؑ بن علیؑ تو جسکو پروردگار عالم نے جس سے دور رکھا ہے اور جسکو اللہ نے طیب و طاہر بنایا ہے اگر اس کے کردار میں ادنیٰ کمزوری پیدا ہو جائے یا اسکی زندگی میں ادنیٰ عیب پیدا ہو جائے یا اس کے نفس میں ادنیٰ گندگی پیدا ہو جائے تو یہ اس کے نفس کا عیب نہیں ہے یہ اس کے نفس کی کمزوری نہیں ہے۔ یہ اس پاک کرنے والے کی کمزوری ہے کہ جس کے پاک بنانے کے بعد بھی پاک نہ ہو سکا اسی لیے اللہ نے طہارت اہلبیتؑ کا اعلان ان کی طہارت کے نام سے نہیں کیا ہے بلکہ اپنے ارادہ کے نام سے کیا ہے کہ جتنا میرے ارادے میں زور ہوگا اتنا ہی آل محمدؑ کی طہارت میں زور ہوگا۔

یہ میرا موضوع تو نہیں ہے لیکن اب بات آگئی ہے تو ایک نازخ ہے میں چاہتا ہوں آپ کے حوالے کر دوں اور آپ اسے ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ ابو سعید خدریؓ پیغمبرؐ کے معتبر صحابی ہیں اور عالم اسلام میں سب ان کے اعتبار کے قائل ہیں اور خود امام حسینؑ نے ان کے اعتبار کا حوالہ دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم سے پوچھا گیا۔ یا رسول اللہؐ یہ آیت تطہیر کس کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

آپ برابر سنتے رہتے ہیں اور حدیث کساء میں برابر پڑھتے رہتے ہیں مگر یہ

پیغمبرؐ کے معتبر صحابی اور جلیل القدر صحابی ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے پیغمبرؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ یہ بتائیے یہ اہلبیت کون ہیں۔ یہ آیت کریمہ آیت تطہیر کس کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ یہ اہلبیت کون ہیں تو پیغمبرؐ نے فرمایا "نزت فی و فی علیؑ و فاطمہؑ و الحسنؑ و حسینؑ" پیغمبرؐ نے فرمایا کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے اور علیؑ کے بارے میں اور حسنؑ کے بارے میں اور حسینؑ کے بارے میں اور فاطمہؑ کے بارے میں۔ یعنی پیغمبرؐ نے یہ کہہ کر واضح کر دیا کہ اس سے مراد میرے گھر والے نہیں ہیں اسلئے کہ اگر نبیؐ کے گھر والے ہوتے تو نبیؐ کے گھر والے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ ہوتے پیغمبرؐ نے کہا یہ خود میرے بارے میں نازل ہوئی ہے اسی لیے حدیث کساء میں اہلبیتؑ نبیؐ کا ذکر نہیں ہے اہلبیتؑ نبوۃ کا ذکر ہے کہ نبیؐ کے گھر والوں میں نبیؐ کے علاوہ افراد ہوں گے اور نبوت کے گھر والوں میں خود نبیؐ بھی ہیں علیؑ بھی ہیں فاطمہؑ بھی ہیں اور حسنؑ و حسینؑ بھی ہیں۔

بہر حال یہ جو رخ میں آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں یہ پروردگار عالم کی تائید ہے جو یہ بات میرے ذہن میں آئی ہے اور انشاء اللہ... یہ بات اگر آپ کے ذہن نشین ہو گئی اس روایت کی روشنی میں تو کبھی یہ سوال پیدا ہی نہیں ہو سکتا کہ اہلبیتؑ کون ہیں۔

حضورؐ نے کیا فرمایا یہ آیت میرے بارے میں، علیؑ کے بارے میں، فاطمہؑ کے بارے میں، حسنؑ و حسینؑ کے بارے میں تو اب پیغمبرؐ اسلام کا یہ بیان ایک مسند کا مستقل حل ہے اور وہ مسند کیا ہے کہ پاک کرے یا پاک رکھے ہمارے یہاں یہ کہا جاتا ہے کہ اے اہلبیت اللہ کا ارادہ ہے کہ تم کو طیب و طاہر رکھے۔ ہر برائی سے الگ رکھے لیکن عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ



کرے اور یہ کہہ کر سب خوش ہوتے ہیں کہ جب اللہ نے کہا ہے کہ ہم تم کو پاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہے کہ اللہ اہلبیت کو پاک کرنا چاہتا ہے اور جب پاک کرنا چاہتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پہلے معاذ اللہ کوئی کمزوری تھی۔ پاک نہیں تھے تو پاک کرنا چاہتا ہے لیکن میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ ٹھیک ہے اللہ پاک کرنا چاہتا ہے اللہ اہلبیت کو پاک بنانا چاہتا ہے۔ اتنی بات سمجھ لیجئے کہ جن کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے ان میں ایک پیغمبر ہیں، ایک علیؑ ہیں، ایک زہرا ہیں، ایک حسنؑ ہیں، ایک حسینؑ ہیں اور آیت اس وقت نازل ہوئی ہے جب امام حسنؑ اور امام حسینؑ پیدا ہو چکے تھے اور پیدا ہونے کے اتنے بڑے ہو چکے تھے کہ اپنے پروں سے یہ بھی آئے اور اپنے پروں سے وہ بھی آئے۔ مباہد میں تو یہ روایت ہے کہ پیغمبرؐ میدان میں حسینؑ کو گودی میں لے گئے مگر چادر تھپیر میں آنے میں کوئی ایسی روایت نہیں ہے کہ حسینؑ کو کوئی گودی میں لے گیا جس کے معنی یہ ہیں کہ امام حسینؑ اپنے پروں سے چل کر آئے۔ امام حسنؑ اپنے پروں سے آئے تو اتنی عمر تو بہر حال ہوگی کہ اپنے پروں سے چلنے کے قابل تھے اور چل کے آئے اور چادر میں داخل ہو گئے۔

تو امام حسینؑ پیدا ہوئے ۳ ہجری میں امام حسینؑ پیدا ہوئے ۴ ہجری میں۔ حضورؐ دنیا سے گئے ۱۱ ہجری کے آغاز میں۔ ۱۱ ہجری ماہ صفر میں یاریح الاول میں۔ توجتنے واقعات یا جتنی آیتیں یا جتنا قرآن نازل ہوا وہ سب ۱۱ ہجری کے آغاز تک اس کے بعد تو کوئی آیت نہیں آئی۔ تو پیغمبرؐ کے زمانہ میں قرآن نازل ہوا تو پیغمبرؐ جب دنیا سے جا رہے تھے تو امام حسنؑ کی عمر کیا تھی تقریباً سات سال۔ امام حسینؑ کی عمر تقریباً چھ سال۔ تقریباً اٹھارہ سال معصومؑ عالم اسلئے کہ معصوم کا انتقال پیغمبرؐ کے فوراً بعد ہو گیا ہے۔ پچھتر دن کے بعد یا تین مہینہ کے بعد اٹھارہ سال کی

عمر میں تو سترہ اور اٹھارہ کے درمیان معصومؑ عالم۔ خود پیغمبرؐ کی عمر کیا ہے تقریباً ترسٹھ سال۔ علیؑ کی عمر تیس سال کم کر دیجئے۔ توجب بھی یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ فرض کیجئے پیغمبرؐ کے دنیا سے جانے سے دو تین سال پہلے یہ آیت نازل ہوئی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نبیؐ کی عمر تھی ساٹھ سال۔ علیؑ کی عمر تیس سال۔ زہراؑ کی عمر پندرہ سال۔ حسنؑ کی عمر مثلاً چار سال حسینؑ کی عمر تھی تین سال۔

میں پھر دو ہراوں تاکہ یہ بات آپ کے ذہن نشین ہو جائے اگر پیغمبرؐ اسلام کے انتقال سے دو تین سال پہلے یہ آیت نازل ہوئی ہے تو اس کا مطلب ہوا کہ سرکارِ دو عالم تھے ساٹھ سال کے۔ مولائے کائنات تھے تیس سال کے۔ شہزادی تھیں مثلاً پندرہ سال کی۔ امام حسنؑ تھے چار برس کے۔ امام حسینؑ تھے تین سال کے اور ان سب کو سامنے رکھ کے خدا کتا ہے اے اہلبیت ہم تم کو پاک کرنا چاہتے ہیں تو اگر خدا پاک کرنا چاہتا ہے اور آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب خدا پاک کرے گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پہلے پاک نہیں تھے تو جوڑیے کون کتنی زندگی تک پاک نہیں تھا۔ نبیؐ جب ساٹھ سال کے ہو گئے تب خدا کو پاک بنانے کا خیال آیا۔ علیؑ تیس سال کے ہو گئے تب یہ بات پیدا ہوئی۔ زہراؑ پندرہ سال کی ہو گئیں تب یہ بات پیدا ہوئی اس اعتبار سے بھی جو شرف حسینؑ کو حاصل ہوا وہ کسی کو حاصل نہ ہو سکا۔

یعنی زول آیت کے بعد ابھی امام حسینؑ کو ۵۴-۵۵ سال دنیا میں رہنا ہے۔ حضورؐ کو تو تین ہی سال رہنا ہے۔ اب اگر پلٹ کے آپ حساب لگائیں گے تو آپ کا کیا آسمان بنے گا پیغمبرؐ کے بارے میں۔ کیا عقیدہ بنے گا سرکارِ دو عالم کے بارے میں اور یہاں تک جو بات میں نے گزارش کی ہے ایک مسئلہ اس سے بھی زیادہ سنگین ہے کہ اگر مسئلہ پاک کرنے ہی کا ہے تو چلنے خیر سے اب تو خدا نے



پاک کر دیا۔ بوجہ۔ اب جو چادر میں آگئے اور خدا نے طہارت کا اعلان کر دیا اب تو سب پاک ہو گئے تو جس کے بارے میں جتنا شبہ ہوگا وہ اس کے پہلے ہوگا۔ آج کے بعد اب کوئی شک و شبہ نہیں ہوگا اسلئے کہ اب تو خدا نے پاک بنا دیا ہے۔

مسلمانو یہ کہنے سے پہلے سوچو کہ جو شبہ ہوگا وہ پہلے ہوگا بعد میں نہیں ہو سکتا ہے تو اتنا تو سوچا ہوتا کہ نبیؐ نے نبوت کا اعلان پہلے کیا ہے اور علیؑ کی ولایت کا اعلان بعد میں ہوا ہے۔ پیغمبرؐ نے اپنی رسالت کا اعلان آیت کے نازل ہونے سے پہلے کیا ہے اور علیؑ کی ولایت کا اعلان آیت کے نازل ہونے کے بعد کیا ہے۔ یعنی "بقول آپ کے" طہارت کے پہلے کا وہ اعلان ہے یا طہارت سے پہلے کا یہ اعلان ہے؟ اگر شک کرنا ہے تو نبوت میں کرو۔ علیؑ کی مولائیت میں شک نہ کرنا۔

میں تو خالی آج کہہ رہا ہوں کہ اگر شک ہو سکتا ہے تو ادھر ہو سکتا ہے ادھر نہیں ہو سکتا ہے لیکن اتفاق سے یہ بات تاریخ کے مطابق ہو گئی کہ شک ہوا بھی تو ادھر ہی ہوا ادھر تو واضح طور پر کہہ دیا کہ آپ میرے مولا ہو گئے اسلئے کہ یہ تو طہارت کے بعد کا اعلان ہے اب اسمیں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور سارا واقعہ بہر حال اس آیت کے نزول کے بعد کا ہے اسلئے حسینؑ کے کردار میں شک نہیں ہو سکتا ہے۔ حسنؑ کے کردار میں شک نہیں ہو سکتا ہے یہ تو سب آیت تطہیر کے بعد کی منزلیں ہیں۔ اگر حسنؑ صلح کریں گے تو اعتراض نہ کرنا خدا انھیں پاک بنا چکا ہے اور اگر آپ کی سمجھ میں حسنؑ کی صلح کا انداز نہ آئے تو کچھ کہنے کا حق نہیں ہے یہ خدا سے کہو کہ دو مختلف کردار ہیں تو دونوں کو کیوں پاک بنا دیا ہے۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آیہ تطہیر میں اہلبیتؑ کا مصداق ہیں حسینؑ بن علیؑ یعنی ان مصداق ہیں۔ جو اس آیت کے ہیں ایک حسینؑ بن علیؑ ہیں تو حسینؑ باعتبار

آیہ تطہیر منزل و مرکز طہارت ہیں۔ اس کے بعد سرکارِ دو عالم عیسائیوں کے مقابلہ میں مباہدہ کے میدان میں آئے تو حسینؑ کو گودی میں لیکر آئے اور خدا اعلان کر رہا تھا پیغمبرؐ کو "ثم نبتمل فجعل لعنتہ اللہ علی الکاذبین" اور مباہدہ کریں اور سب مل کر جھوٹوں پر لعنت کریں تو جو یہ جھوٹوں پر لعنت کرنے کیلئے قافلہ آیا ہے اسمیں بھی حسینؑ بن علیؑ ہیں گویا وہ طہارت حسینؑ کا اعلان تھا اور یہ صداقت حسینؑ کا اعلان ہے یعنی اگر کوئی طہارت کو حسینؑ سے الگ کرے تو ارادہ خدا میں شک ہے اور اگر کوئی حسینؑ کے مقابلہ میں آجائے گا تو وہ مصداق صادقین نہیں ہو سکتا ہے مصداق لعنت تو ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید نے اعلان کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے آکر عرض کی کہ سرکارِ دو عالم آپ نے بڑی زحمتیں برداشت کی ہیں ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی زحمتوں کا جو معاوضہ ہوتا ہے وہ ہم حاضر کر دیں؟ پروردگار نے اعلان کیا "قل لا اسئلكم اجرا الا لمودہ فی القرآنی" پیغمبرؐ آپ کہہ دیں کہ ہم کوئی اجر نہیں چاہتے ہیں فقط یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے اقربا سے محبت کی جائے مودہ رکھی جائے۔

یہ اقربا جن کی مودت کو اجر رسالت قرار دیا گیا ہے ان میں سے ایک حسینؑ بن علیؑ بھی ہیں۔ یہ تو وہ جگہیں ہیں کہ جہاں آیتیں نازل ہو رہی تھیں جب بیمار ہونے کے بعد روزوں کی نذر کی گئی اور وفا کا وقت آیا۔ روزے رکھے گئے یتیم و مسکین اور اسیروں کو کھانا کھلایا گیا اور پروردگار عالم نے سورہ ہل آتی نازل کیا تو سورہ ہل آتی میں جہاں علیؑ ہیں زہراؑ ہیں وہیں حسنؑ بھی ہیں حسینؑ بھی ہیں یعنی حسینؑ آیات قرآنی میں مرکز تطہیر، حسینؑ آیات قرآنی میں منزل صادقین میں حسینؑ آیات قرآنی میں منزل اجر رسالت ہیں، حسینؑ آیات قرآنی میں منزل سورہ بل آتی۔ یہ ہے حسینؑ کی حیثیت آیات قرآنی میں۔



اب آئیے حسینؑ پیغمبرؐ کے اقوال و ارشادات میں سرکارِ دو عالم کے فرمان میں، حضورؐ کی سنت و سیرت میں حسینؑ بن علیؑ کا مرتبہ وہ بھی حساب لگانا ہوگا۔  
 پیغمبرؐ اسلام نے حسینؑ کی منزل کا اعلان چند طریقوں سے کیا ہے۔ کبھی حسینؑ کا اعلان اہلبیتؑ کے ذیل میں کیا ہے یعنی جب اہلبیتؑ کے فضائل بیان کئے ہیں تو اہلبیتؑ میں سے ایک حسینؑ بن علیؑ تھے مثلاً پیغمبرؐ نے فرمایا "انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہلبیتتی"۔ میں تم میں ثقلین چھوڑے جا رہا ہوں کتاب خدا اور عترت جو میرے اہلبیتؑ بھی ہیں۔ انہی اہلبیتؑ میں حسینؑ بن علیؑ بھی ہیں۔  
 پیغمبرؐ نے فرمایا "اہلبیتتی امان لاهل الارض کما ان النجوم امان لاهل السماء" جیسے اللہ نے ستاروں کو اہل آسمان کیلئے امان بنایا ہے ویسے ہی اہلبیتؑ کو زمین والوں کیلئے امان بنایا ہے۔  
 ان ہی اہلبیتؑ میں حسینؑ بن علیؑ بھی ہیں۔

پیغمبرؐ نے اعلان کیا "مثل اہلبیتتی کمثل سفینہ نوح"۔ میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتی نوح کی ہے جو کشتی پر سوار ہو گیا نجات پا گیا جو الگ ہو گیا وہ ڈوب گیا، غرق ہو گیا۔

اہلبیتؑ میں حسینؑ بن علیؑ بھی ہیں۔ لہذا جنکو نبیؐ چھوڑ کے گئے اور جن سے تمسک واجب ہے۔ جنکو پیغمبرؐ نے مثل سفینہ نوح قرار دیا ہے ان میں حسینؑ بن علیؑ بھی ہیں۔ جن کے لیے پیغمبرؐ نے امان ہونے کا اعلان کیا ہے ان میں حسینؑ بن علیؑ بھی ہیں۔ یہ ہے ایک انداز باعتبار اہلبیتؑ۔

دوسرا انداز جہاں پیغمبرؐ نے حسینؑ کے کمالات کا اعلان کیا ہے مگر دونوں شہزادوں کو ملا کے امام حسینؑ کے شرف کا اعلان کیا ہے مثلاً "الحسن والحسین سید اشباب اہل الجنۃ" حسنؑ و حسینؑ دونوں جو انان جنت کے سردار ہیں۔ یہ فضیلت

حسینؑ بھی ہے اور فضیلت حسنؑ بھی ہے۔ پیغمبرؐ نے اعلان کیا "ھذان ابنای امان قاما و قعدا" یہ میرے دونوں بیٹے امام ہیں چاہے کھڑے ہو جائیں چاہے بیٹھ جائیں۔ یہ کمال حسینؑ کا اعلان ہے حسنؑ کے ساتھ اور ایک روایت جو جناب ابو بکر نے بیان کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا "من اھبنی واحب ھذین و ابائھما و اممائھما کان معی فی الجنۃ فی درجتی"۔ "من اھبنی" جو مجھ سے محبت کرے واحب ھذین" اور ان دونوں شہزادوں حسنؑ و حسینؑ سے محبت کرے "وابائھما" اور ان دونوں کے والد بزرگوار سے محبت کرے "واممائھما" اور ان دونوں کی مادر گرامی سے مودت رکھے تو وہ جنت میں میرے ساتھ درجہ میں ہوگا۔ یہ بھی حسینؑ کی فضیلت کا اعلان ہے مگر تنہا حسینؑ کا ذکر نہیں ہے۔ حسینؑ کا ذکر ہے بھائی کے ساتھ، مادر گرامی کے ساتھ، پدر بزرگوار کے ساتھ، پیغمبرؐ اسلام نے یہ اعلان فرمایا ہے اور روایت میں کوئی شک تو ہو نہیں سکتا ہے اسلئے کہ شک ہوتا ہے جب راوی غیر معتبر ہوتا ہے۔ جب راوی معتبر نہیں ہوتا ہے تو روایت ضعیف ہو جاتی ہے لیکن جب راوی ایسا ہو جس کا اعتبار عالم اسلام میں پہچانا ہوا ہے تو اگر اس کے بعد بھی مسلمان اعتبار نہ کرے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نہ رسالت کا اعتبار ہے اور نہ خلافت کا اعتبار ہے۔  
 کہنے والا پیغمبرؐ، روایت کرنے والا ایک ایسا انسان جسکو سب پہچانتے ہیں تو پیغمبرؐ اسلام نے اعلان کیا کان معی فی درجتی فی الجنۃ جو ان سے محبت کرنے والا ہے وہ میرے ساتھ جنت میں میرے درجہ میں ہوگا۔ اب پیغمبرؐ کا درجہ کیا ہے اسکو کون بتا سکتا ہے۔ مگر سرکارِ دو عالم نے اس شرف کا اعلان کیا ہے اپنے شہزادوں کیلئے اور ان کی محبت کیلئے اور اسی کے ساتھ ساتھ زہراؑ اور علیؑ کی محبت کو بھی شامل کر لیا ہے کہ جس کے پاس یہ ساری محبتیں ہیں۔ تنہا حسینؑ کو لگے لگانے سے کام نہیں چلے گا تنہا حسنؑ سے اطہار محبت کرنے سے کام نہیں چلے گا بلکہ ضرورت اس بات



کی ہے کہ شہزادوں سے محبت کی جائے علی بن ابیطالب سے محبت کو دل میں بگدی جائے جب یہ سارے کمالات جمع ہو جائیں گے تو سرکارِ دو عالم نے جس شرف کا اعلان کیا ہے اس کا استحقاق پیدا ہوگا۔

یہ ہیں وہ کمالات جن کا اعلان پیغمبر اسلام نے حسینؑ کے بارے میں کیا ہے مگر اہلبیت کے ساتھ، عزت کے ساتھ، ان افراد کے ساتھ جنکی مدح میں پروردگار عالم نے آیات اور سورے نازل فرمائے ہیں۔

اس کے بعد وہ منزل آتی ہے کہ جہاں پیغمبرؐ نے عظمت حسینؑ کا اعلان کیا ہے۔ حسینؑ کے کمالات کا تنہا اعلان کیا ہے اور جب بات آگئی ہے تو ایک فقہ کہہ کر بات کو آج ہمیں پر تمام کرنا چاہتا ہوں اور انشاء اللہ کل مزید وضاحت کروں گا۔

یہ ایک مرحلہ ہے سب کا سنا ہوا ہے پیغمبر اسلام جارہے ہیں اور دوش پیغمبرؐ پر نواسہ ہے۔ آنے والے کی نظر پڑ گئی اس نے دیکھا پیغمبرؐ اپنے کاندھے پر نواسے کو لیے جارہے ہیں لہذا پیغمبرؐ کے نواسے کو مخاطب کر کے آنے والے نے آواز دی۔ اللہ نے تم کو کتنی اچھی سواری دی ہے۔ "نعم المرکب" تمہارے لیے بہترین سواری کا انتظام پروردگار نے کیا ہے۔ پیغمبرؐ نے جو یہ سنا تو نوک دیا فقط یہی دیکھتے ہو کہ ان کو اللہ نے سواری کیسی دی ہے۔ یہ کیوں نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ نے حج کو سوار کیسے دیئے ہیں۔ اب ہمیں سے اختلاف نظر کا بھی اندازہ ہو گیا کہ کہنے والا مرکب کو دیکھنا چاہتا ہے راکب کو نہیں دیکھنا چاہتا اور نبی نگاہ کو ادھر موڑنا چاہتے ہیں تاکہ یہ اندازہ ہو جائے کہ اسلام میں مرکب کا پہچانا تنہا نہیں ہے راکب کا پہچانا تنہا ہے۔

یہ وہ کمال ہے جسکو پیغمبر اسلام نے اپنی زبان مبارک سے بیان بھی فرمایا

ہے اور اپنے اعمال سے اسکا اظہار بھی کیا ہے۔  
اور یہ حسینؑ بن علیؑ کا مرتبہ ہے پیغمبر اسلام کی سیرت اور پیغمبر اسلام کے کردار کی روشنی۔

میں آخر کلام میں ایک بات گزارش کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ حسینؑ کی اپنی سیرت اور اپنا کردار، یہ داستان بہت طویل ہے اور اس کے لیے بڑا وقت درکار ہے لیکن میں واقعہ کی روشنی میں جسکو علمائے اسلام نے اور علماء اہلسنت نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے ہمارے یہاں یہ واقعہ فطرس کے نام سے مشہور ہے اور عام روایات میں صلھائیل کے نام سے ہے یا دروائل کے نام سے یعنی کوئی ایک فرشتہ تھا جس پر کسی بنا پر پروردگار عالم کا عتاب نازل ہو گیا تھا اور اللہ نے اسکو ایک جزیرہ میں ڈال دیا تھا۔ وہ دن بھی آیا جب نبیؐ کے گھر میں نواسہ پیدا ہوا۔

جبرئیل امین ملائکہ کی فوجوں کو لیے ہوئے آرہے ہیں۔ نبیؐ کی بارگاہ میں مبارکباد پیش کرنے کیلئے۔ جزیرہ سے گذر ہوا۔ اس فرشتہ کو دیکھا جو منزل عتاب میں تھا۔ اسنے گھبرا کے پوچھا جبرئیل کہاں جا رہے ہو۔ اتنے فرشتے آسمان سے زمین کی طرف آرہے ہیں کیا قیامت آگئی ہے۔ کہا نہیں قیامت نہیں آئی ہے آخری پیغمبرؐ کے گھر میں نواسہ پیدا ہوا ہے حکم پروردگار ہے ہم جا رہے ہیں مبارکباد دینے کیلئے۔ کہا کیا یہ ممکن ہے کہ ہم کو بھی لے چلو۔

ظاہر ہے کہ ایک ملک بلکہ سید الملائکہ ہیں جبرئیل لیکن اپنے اختیار سے کسی کو راستہ سے لیکر چلے جائیں یہ ان کے بس کا کام نہیں ہے اور کسی کے بس کا کام نہیں ہے خود اسے جسکو اللہ نے معصوم بنایا ہے وہ بھی اگر اپنی مرضی سے کام کرنا شروع کر دے تو اس پر بھی عتاب نازل ہو جائے وہ بھی عتاب میں آجائے لہذا جبرئیل بھی کوئی کام نہیں کر سکتے جب تک مرضی پروردگار نہ ہو۔ اب اگر جبرئیل



کسی کو پکڑ چل رہے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ منشاءِ الہی ہی ہے مرضی پروردگار ہی ہے کہ اب مدتِ عتاب تمام ہو چکی ہے۔ لہذا جبرئیل لیکر چلے۔ سرکارِ دو عالم کی خدمت میں آئے۔ آکے تبریک کہنے کے بعد اور مبارکباد دینے کے بعد کہا یا رسول اللہ یہ بندہ خدا ہے، فرشتہ ہے جو عتاب میں آ گیا ہے۔ میں ادھر سے آ رہا تھا اس نے گزارش کی پروردگار عالم کی اجازت سے آپ کے پاس نے آیا ہوں اب آپ اس کے لیے دعا کر دیں آپ پروردگار عالم کی بارگاہ میں التماس کر دیں تو یہ عتاب ختم ہو جائے اور اسکو عتاب سے نجات مل جائے۔

اب اہل حدیث یعنی روایات نقل کرنے والے۔ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے کہا ٹھیک ہے اگر لے آئے ہو تو آج لے آئے ہو۔ کہا اسلئے لائے ہیں کہ آج آپ کے گھر میں مسرت کا دن ہے، خوشی کا دن ہے، آپ کی بیٹی کے یہاں پینا پیدا ہوا ہے۔ اللہ نے آپ کو نوازا دیا ہے۔ کہا جب اسکی ورم سے لائے ہو تو میرے پاس کیوں لائے ہو دنیا میں وہ آیا ہے اور اس کے آنے کی بنیاد پر لائے ہو تو یہاں کیوں لائے ہو۔ لے جاؤ اسی کے گوارے کے پاس۔ جبرئیل لائے اور لاکے گوارہ کے پاس ڈال دیا اور روایت کا فقرہ ہے کہ آنے والے نے اپنے بازو کو حسینؑ کے جسم سے نہیں حسینؑ کے گوارہ سے مس کیا اور ایک مرتبہ تازہ بال و پر عطا ہوئے اور جب چلا تو روایات میں ہیں کہ یہ کہہ کر چلا "من مثلی اب میرا جیسا کون ہے" انا عتیق الحسین" میں حسینؑ کا آزاد کیا ہوا ہوں۔ میں حسینؑ کا آزاد کردہ ہوں۔ میں نے علماء اسلام کی روایت میں یہ فقرہ دیکھا ہے کہ یہ فرشتہ جسکو حسینؑ بن علیؑ کے طفیل میں نئے بال و پر ملے اور پرواز کر کے چلا تو ہمارے یہاں روایت میں یہ فقرہ ہے کہ اس نے کہا میرا جیسا کون ہے کہ میں حسینؑ کا آزاد کردہ ہوں مجھے حسینؑ نے آزادی دلائی ہے۔ مگر جو میں نے روایت دیکھی ہے

علمائے اسلام کے یہاں اس میں فقط یہ نہیں ہے کہ فرشتے نے یہ کہا کہ میں حسینؑ کا آزاد کردہ ہوں بلکہ علماء اسلام نے جو فقرہ نقل کیا ہے کہ یہ فرشتہ جب آسمان پر گیا تو اس دن سے اسکا نام ہو گیا "مولا الحسین" حسینؑ کا غلام اب یہ پہچانا جاتا ہے فرشتوں کے درمیان حسینؑ کے غلام کے نام سے یعنی جسکو حسینؑ نے آزادی دلوائی ہے۔ ظاہر ہے کہ جسکو اتنا بڑا شرف کسی در سے مل جائے وہ اسکا بندہ بے دام نہ ہو جائے گا تو کیا ہو گا لہذا پروردگار عالم نے اسکو یہ شرف دیدیا ہے۔

بس ایہ واقعہ تو آپ کا سنا ہوا ہے میں اس کے ذیل میں صرف ایک فقرہ کہہ کر مذکورہ کو تمام کرنا چاہتا ہوں جو آج کی تاریخ کے تذکرے سے مناسبت رکھتا ہے۔

دور حاضر میں یہ مسئلہ بہت واضح ہے اور ہر آدمی جانتا ہے۔ آج دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا صاحب اختیار، کوئی بڑے سے بڑا حاکم، اس کے سامنے جب کوئی مسئلہ، کوئی مقدمہ آتا ہے اور اس سے گزارش کریں کہ آپ اس معاملہ کو ٹھیک کرادیں یا اگر آپ مداخلت کریں تو مسئلہ حل ہو جائے گا تو اس کے پاس ایک ہی جواب ہوتا ہے کہ بیشک میری بھی ایک حیثیت ہے۔ میں صدر مملکت ہوں یا میں وزیر اعظم ہوں یا بہت بڑا سردار اور بادشاہ ہوں۔ مگر مسئلہ دوسرے ملک کا ہے۔ ایک ملک کا حاکم دوسرے ملک کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کر سکتا ہے۔ وہ ان کا داخلی معاملہ ہے وہ ان کے اپنے معاملات ہیں ہم سے کیا تعلق ہے۔ یعنی آج دنیا میں یہ بات مسلمت میں ہے اور ہر آدمی جانتا ہے کہ ایک مملکت کے معاملات میں دوسرے ملک کا آدمی دخالت نہیں کیا کرتا ہے اور سب یہ کہتے ہیں کہ یہ ان کا داخلی معاملہ ہے ہم کیا کر سکتے ہیں۔

اب اگر کسی انسان پر عتاب نازل ہوتا، اگر زمین کا کوئی مسئلہ ہوتا اور



زمین کے کسی آدمی سے گذارش کی جاتی اور وہ اسمیں ہاتھ لگاتا اور مسئلہ کن حل کر دیتا تو کوئی حیرت کی بات نہیں تھی مگر مسئلہ یہاں کا نہیں ہے۔ مسئلہ آسمانوں کا ہے، معاملہ انسانوں کا نہیں ہے۔ معاملہ فرشتوں کا ہے۔ آسمان پر رہنے والے فرشتہ پر عتاب ہے تو مسئلہ کو خود آسمان والا طے کرے۔ مسئلہ میں کوئی فرشتہ ہاتھ ڈالے۔ زمین پر رہنے والا انسان آسمان کے مسائل میں کیسے ہاتھ لگائے گا۔ مگر پیغمبر نے گہوارہ حسین تک بھیج دیا اور حسین نے مسئلہ کو حل کر دیا تاکہ ناواقف افراد پہچانیں کہ حسین کے اقتدار کی حدیں زمین تک محدود نہیں ہیں۔ پروردگار عالم نے حسین کو یہاں بھی بولنے کا حق دیا ہے اور وہاں بھی بولنے کا حق دیا ہے۔

یہ ایک جملہ ہے اور دوسرا جملہ جو اس سے زیادہ قیمتی ہے اور اسے یاد رکھنے کی ضرورت ہے۔

ہم میں اور فرشتوں میں ایک فرق ہے ہم گناہ گار ہیں۔ ہم گناہ کرتے ہیں صغیرہ کبیرہ چھوٹے بڑے ہر طرح کے گناہ۔ فرشتہ گناہ نہیں کر سکتا ہے۔ معصوم ہے۔ اب یہ ترک اولیٰ کیا ہوتا ہے اور اس پر کیسے عتاب ہوتا ہے خدا جانے بہر حال یہ گناہ نہیں ہے۔ نہ صغیرہ ہے نہ کبیرہ۔ تو فرشتوں کے یہاں گناہ نہیں ہے ہمارے یہاں گناہ ہے اور دونوں میں فرق ہے کہ جب گناہ ہوتا ہے تو عذاب آتا ہے اور جب گناہ نہیں ہوتا ہے تو عذاب نہیں آسکتا ہے عتاب آسکتا ہے تو ہم پر آج نہیں تو قیامت میں عذاب ہو سکتا ہے فرشتوں پر کبھی عذاب نہیں ہو سکتا ہے صرف عتاب ہو سکتا ہے اسلئے کہ وہ گناہ نہیں کرتے ہیں۔ تو ہمارے لیے، گناہ گاروں کیلئے ہے عذاب۔ ان کے لیے جو گناہ نہیں کرتے ہیں ان کے لیے ہے عتاب۔ عذاب ہوگا آخرت میں، جہنم میں، جانے کے بعد، وہاں پر اور وہاں پر وہ

کسی کے کام آئے گا یا نہیں آئے گا جو یہاں چھوڑ کے گئے ہیں۔ وہاں محشر میں کون کس کے کام آئے گا۔ یہاں کون طے کرے گا کس کو معلوم ہوگا کہ کیا ہونے والا ہے اسی لیے تو بحثیں ہو رہی ہیں کہ کوئی کسی کے کام آئے گا یا نہیں۔ تو عذاب کا مسئلہ ہے قیامت میں۔ وہاں کا حال کسی کو معلوم بھی نہیں ہے مگر عتاب تو یہاں دنیا میں ہوتا ہے عجب نہیں کہ مصلحت قدرت یہ رہی ہو کہ دنیا پر یہ واضح ہو جائے کہ کوئی انسان اگر عتاب میں یہاں سفارش کر سکتا ہے تو کچھو کچھو عتاب میں یہاں سفارش کرے گا وہی وہاں بھی شفاعت کر سکتا ہے۔

دنیا میں عتاب کی سفارش کو مثال بنایا گیا ہے آخرت میں عذاب کی شفاعت کیلئے اب اس کے بعد بھی اگر کسی کی عقل میں نہ آئے کہ شفاعت کیا ہے اور حق شفاعت کیا ہے اور پروردگار عالم نے یہ حق حسین بن علیؑ کو دیا ہے اس قرآنی کے صلے میں جو حسین نے راہ خدا میں پیش کی ہے۔ وہ قرآنی جس کا تذکرہ سال بھر ہوتا رہتا ہے اور خصوصیت کے ساتھ محرم کے زمانے میں تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ عزیز و ہمسایہ وہ زمانہ ہے جس زمانہ میں حسین بن علیؑ نے راہ خدا میں اتنی عظیم قربانی پیش کی ہے جسکی مثال نہ اس کے پہلے کی تاریخ میں ملتی ہے اور نہ اس کے بعد کی تاریخ میں نظر آتی ہے۔

میں نے جہاں سے بیان کو شروع کیا ہے وہ سلسلہ آپ کے ذہن میں رہے اب میں سلسلہ مصائب میں اسی بات کو مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ سب جانتے ہیں کہ جب وہ تاریخ آئی جب حاکم شام کے مرنے کے بعد یزید کو اقتدار ملا اور یزید نے یزید کے نام خط لکھا کہ حسین بن علیؑ کو، عبداللہ بن زبیر کو، عبداللہ بن عمر کو طلب کیا جائے اور ان کے سامنے میری بیعت کا مسئلہ رکھا جائے اور ان سے بیعت لے لی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ ہدایت بھی کی کہ یہ یاد رکھنا کہ عبداللہ بن



عمر کوئی مسئلہ نہیں ہیں وہ تو بہر حال راستہ پر آجائیں گے اور عبد اللہ بن زبیر بھی کوئی مسئلہ نہیں ہیں مسئلہ اگر ہے تو حسین بن علی کا ہے جن سے بیعت لینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ لہذا حسین بن علی کے معاملہ پر توجہ دی جائے۔

تاریخ کا بیان ہے کہ آدھی رات کا وقت تھا تقریباً نصف شب کا وقت جب امام حسینؑ مسجد بیغمبر میں تھے اور عبد اللہ بن زبیر بھی مسجد میں موجود تھے کہ ایک مرتبہ حاکم مدینہ کا نمائندہ امام حسینؑ کے پاس آیا۔ اب چونکہ میرا موضوع ہے "کردار کو پہچانتا" لہذا میں چاہتا ہوں کہ واقعہ کو قدرے تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے گزارش کروں تاکہ جو پہلو عام طور سے ذکر مصائب کے ذیل میں نہیں بیان ہوتے ہیں وہ بھی سامنے آئیں تاکہ میرے نوجوان اور میرے بچے ان حقائق سے آشنا ہوں مگر یہ کب ہوا۔ پہلے ولید نے مروان کو بلایا۔ مروان کو سب پہچانتے ہیں اسکو بلانے کے بعد کہا کہ حاکم شام یعنی یزید بن معاویہ کی طرف سے یہ پیغام آیا ہے کہ ان افراد کو بلایا جائے اور ان سے بیعت طلب کی جائے آپ کا کیا خیال ہے۔

مروان کے بارے میں تاریخ میں یہ چار باتیں پائی جاتی ہیں۔

ایک تو یہ کہ مروان میں اور ولید میں پہلے سے جھگڑا چل رہا تھا آپس میں کسی مسئلہ پر اختلاف چل رہا تھا۔ مروان نے دیکھا کہ یہ بہترین موقع ہے ولید سے انتقام لینے کا۔

دوسرا مسئلہ جو مروان کے سامنے ہے کہ مروان اگر پر اسی خاندان سے ہے مگر وہ یزید کی خلافت سے ناراض ہے۔ کیوں؟ اسلئے کہ معاویہ کے بعد پورے خاندان میں سب سے بزرگ اور سنیئر تو ہیں ہوں میرے ہوتے ہوئے اس نوجوان کو خلیفہ کیسے بنا دیا گیا لہذا کوئی ایسا کام ہونا چاہئے کہ یزید دنیا میں مزدکھانے

کے لائق نہ رہ جائے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ مروان اگر پر خاندان بنی امیہ کا ہے مگر معاویہ سے بھی راضی نہیں ہے اسلئے کہ اس نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ معاویہ نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے جلسے کر کے اجتماعات کر کے اپنے پیٹے کو اپنا جانشین بنا کے مسلمانوں سے بیعت لے لی ہے اور میری بزرگی کا کوئی خیال نہیں کیا ہے لہذا اس کے ذہن میں یہ بھی ہے کہ معاویہ سے بھی بد لے لیا جائے کہ معاویہ نے جو یہ چاہا ہے کہ خاندان میں اور اس کی نسل میں خلافت چلی جائے وہ نہ چلنے پائے اور اسکا راستہ میں جانشین ہوں۔ مروان دشمن ولید بھی ہے دشمن یزید بھی ہے دشمن معاویہ بھی ہے اور دشمن حسین بن علیؑ تو ہونا ہی چاہئے کہ مروان کا باپ حکم ہے جس کے بارے میں بیغمبر اسلام نے یہ فرمایا تھا کہ اسکو مدینہ سے نکال دیا جائے اور یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ بھی ملعون ہے اور جو بھی اسکی نسل میں آنے والا ہے وہ بھی ملعون ہے یعنی بیغمبر نے اپنی حیات میں باپ اور بیٹے دونوں کے ملعون ہونے کا اعلان کر دیا تھا اور امام حسینؑ نبیؐ ہی کے نواسے کا نام ہے لہذا روح بیغمبر سے انتقام لینے کا بھی یہی وقت ہے۔

اب جو ولید نے اس مسئلہ کو رکھا تو مروان نے کہا کہ بہت آسان سی بات ہے۔ صبح کا انتظار نہ کرو اسلئے کہ اگر رات بھر میں کہیں یہ خبر نشر ہو گئی کہ حاکم نے انتقال کیا ہے تو ملک میں بغاوت ہو سکتی ہے۔ آپ کی حکومت کو کون مانے گا یا یزید کی حکومت کا کون اقرار کرے گا۔ لہذا قبل اس کے کہ خبر مرگ معاویہ عام ہو یزید کی بیعت لے لی جائے اور اگر اتنے بڑے بڑے لوگ بیعت کر لیں گے تو مسئلہ خود ہی ختم ہو جائے گا اسلئے کہ یہی خلافت کے دعویدار ہو سکتے ہیں لہذا ابھی ابھی ان سب کو طلب کیا جائے اور اگر بیعت نہ کریں تو راتوں



رات ان کا گلا کاٹ دیا جائے اسلئے کہ رات کے وقت کوئی ان کے ساتھ بھی نہیں ہوگا۔ خبر بھی عام نہیں ہونے پائے گی اور خبر مرگ معاویہ عام ہونے سے پہلے حسینؑ یا بیعت کریں گے یا قتل ہو جائیں گے اور قتل ہونے کے بعد صبح کو کسی کو معلوم بھی نہ ہوگا کہ کس نے کس کو مارا۔

وید نے کہا کہ مطلب؟ یعنی میں حسینؑ کو بلاؤں قتل کرنے کیلئے؟

کہا اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔ اگر تو یہ چاہتا ہے کہ یزید کی حکومت تسلیم ہو جائے تو اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے کہ حسینؑ کو بلا کے شب کے پردے میں رات کے اندھیرے میں قتل کر دیا جائے۔

وید نے گھبرا کے کہا کیا چاہتا ہے کہ میری عاقبت برباد ہو جائے۔ یہ یاد رکھنا کہ کوئی انسان اس عالم میں خدا کے سامنے جانے گا کہ اس کے ہاتھ خون حسینؑ سے رنگین ہوں تو "خسر الدنیا والآخرہ" نہ دنیا میں کچھ ہاتھ آنے والا ہے اور نہ آخرت میں ہاتھ آنے والا ہے۔ حسینؑ سردار جوانان جنت ہیں۔ حسینؑ سے لڑ کے سوائے جہنم میں جانے کے کیا راستہ ہوگا۔ تو مجھے جہنم میں ڈالنا چاہتا ہے؟

کہا پھر اب سراخام پہچان لو۔ مگر تم کو نیک مشورہ دے رہا ہوں۔ پھر اتنا اصرار کیا کہ اس نے آخر میں اپنا نمائندہ بھیج دیا۔ اب مسجدِ نبویؐ میں آنے والے نے خبر پہنچائی۔ ابن زبیر نے کہا کہ فرزند رسولؐ یہ وقت دربار کا نہیں ہے یہ آدھی رات کے وقت بلانا اس کے معنی ہیں کہ کوئی خطہ ہے۔ مناسب نہیں ہے کہ آپ جائیں اور بہتر یہ ہے کہ آپ مدینہ چھوڑ کر باہر چلے جائیں۔

فرزند رسولؐ نے کہا کہ یہی وقت ہے۔ میں جاؤں گا اور حالات کا مقابلہ کروں گا۔ میں کوئی بزدل نہیں ہوں۔ حیدر کزار کا بیٹا ہوں۔ میں حالات کا مقابلہ کروں گا۔ مجھے اسکی نیت بھی معلوم ہے لہذا ہوری تیاری کے ساتھ جاؤں گا۔

روایت میں یہ فقرہ ہے کہ آئے بیت الشرف میں اور آ کے اعلان فرمایا باشی جو انوا انھو، اسلئے اٹھاؤ تیار ہو جاؤ اور مسلح ہو کر میرے ساتھ چلو۔

تیس باشی جوان مسلح امام حسینؑ کے ساتھ چلے اور آئے دارالارہ کے دروازہ پر آپ نے سبکو روک دیا۔ فرمایا کہ مجھے بلایا گیا ہے میں جاؤں گا۔ تم نھرو اگر نھیں بلاؤں یا میری آواز بلند ہو جائے تو میری آواز کے بلند ہونے کو اجازت سمجھنا اور سب دربار میں داخل ہو جانا۔

حسینؑ بن علیؑ بیت الشرف سے چلے اور دارالارہ میں داخل ہوئے اور باشی جوانوں کو دروازہ پر روک دیا۔

دربار میں داخل ہو کر امام حسینؑ نے جب دیکھا کہ مروان اور وید دونوں بیٹھے ہوئے ہیں تو فرمایا کہ یہ منظر دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ کم از کم دو مسلمان ایک جگہ متحد تو ہو گئے یعنی یہ ایک اشارہ ہے کہ تم دونوں کے آپس کے اختلافات مجھے معلوم ہیں مگر کوئی ایسا مسئلہ درمیان میں آ گیا ہے کہ تم جیسے لوگ لڑنے والے فساد کرنے والے بھی متحد ہو گئے ہیں۔ یہ تو میں آج عجب منظر دیکھ رہا ہوں کہ تم دونوں ایک جگہ بیٹھے ہو خیریت تو ہے۔

وید نے کہا کہ ہاں بڑی عجیب و غریب خبر ہے اور بڑی منجوس خبر ہے اور بڑی سنگین خبر ہے۔

فرمایا کیا ہوا؟

کہا کہ شام کے حاکم نے انتقال کیا ہے اور یقیناً اسکا آپ کو افسوس ہوگا۔

امام حسینؑ نے کہا پھر مجھے کیوں بلایا گیا ہے۔

کہا اسلئے کہ یزید حاکم ہو گیا ہے اور یزید نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ آپ سے

بیعت کا مطالبہ کیا جائے۔



امام حسینؑ نے کہا کہ یہ بیعت کا کون سا وقت ہے اور یہ مسئلہ بیعت کے طے کرنے کا کون سا وقت ہے۔ آدھی رات کے وقت میں جاٹا ہوں کہ حاکم تمہارا میری خفیہ بیعت پر راضی نہیں ہوگا۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ کل دن میں پھر ابلاس بلانا۔ تمام لوگ اکٹھا ہوں گے۔ وہاں گفتگو ہوگی تاکہ یہ طے ہو کہ "اینا اتحق للخطاف" خلافت اور بیعت کا واقعی حقدار کون ہے۔ کسے بیعت کرنی چاہئے اور کس کے ہاتھ پر بیعت ہونی چاہئے؟ یہ کل دن میں طے ہوگا۔ وید نے کہا کہ آپ کی گفتگو بہت معقول ہے۔ آپ تشریف لے جائیں۔

جیسے ہی امام حسینؑ نے انھنے کا ارادہ کیا۔ مروان نے کہا کہ وید رات کے وقت حسینؑ اکیلے مل گئے ہیں اب ان کو بچ کے نکلنے زدے ورنہ خون کی ندیاں بہ جائیں گی مگر حسینؑ ہاتھ نہیں آئیں گے۔ بہترین موقع ہے یا یہ بیعت کریں یا انھیں قتل کر دے۔

بس یہ سننا تھا کہ فرزند حیدر کر توار کو جلال آ گیا "اتھدنی بالقتل یا بن الزرقاء" اوزن نیلگوں چشم کے بچے۔ تو مجھے قتل سے ڈراتا ہے۔ کون مجھے قتل کرے گا۔ اانت تقتلنی ام ہو" تو قتل کرے گا یا یہ۔ کس کی مجال ہے۔

وید نے کہا نہیں فرزند رسولؐ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے میں اپنے ہاتھ کو آپ کے پاک خون سے رنگین نہیں کر سکتا ہوں میں اپنی عاقبت خراب نہیں کر سکتا۔ آپ تشریف لے جائیں۔ امام حسینؑ اٹھ کر چلے گئے۔

یہ واقعہ آپ کا بار بار کا سنا ہے مگر اس واقعہ کو جو تتمہ ہے اسکو سنا کے مصائب کے چند کلمہ گزارش کرنا چاہتا ہوں تاکہ میرا سلسلہ بیان مکمل ہو جائے۔

امام حسینؑ بیت الشرف میں واپس آئے۔ صبح کے وقت جب امام حسینؑ گھر سے باہر نکلے تو مدینہ کی گلی میں مروان سے ملاقات ہو گئی جیسے ہی مروان سے ملاقات ہوئی مروان نے پہلا جملہ کہا حسینؑ ارات آپ نے بہت ناعاقبت اندیشی سے کام لیا اور میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ رات میں آپ نے بڑی نا تجربہ کاری کا فیصلہ کیا۔ بہترین موقع تھا کہ چپکے سے رات کے اندھیرے میں یزید کی بیعت کر لیتے۔ تمام خطرات سے نجات مل جاتی یزید بھی خوش ہو جاتا کہ حسینؑ نے بیعت کر لی ہے اور جتنے انعامات چاہتے آپ کو مل جاتے۔ آپ نے تو ایسی گفتگو کی کہ جیسے آپ کے پاس سارے زمانہ کا تجربہ ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا تو مجھ سے کیا کہہ رہا ہے؟ کس کی بیعت کے بارے میں؟  
کہا یزید کی بیعت کے بارے میں کہتا ہوں بر ملا کہہ رہا ہوں اب بھی غنیمت ہے بیعت کر لیجئے۔

رات کے وقت امام حسینؑ نے کہا تھا کہ تیرا حاکم میری خفیہ بیعت پر راضی نہیں ہوگا لہذا فیصلہ دربار میں ہونا چاہئے اب جو مروان نے مصلحت بتانا شروع کی اور سمجھانا شروع کیا تو فرزند رسولؐ نے کہا "علی الاسلام بعہدہ السلام از قد بلیت الامتہ براع مثل یزید" کون یزید "شارب النخور لاعب القمار" ایسا حاکم جو شراب پینے والا، جو کھیلنے والا، بندر نچانے والا محرم عورتوں سے بدکاری کرنے والا۔ ایسا انسان اسلام کا حاکم ہو جائے تو ایسے سالم پر دور سے سلام۔ اور اے مروان میرا فیصلہ سن لے "مثل لایبایع مثدہ انا اھلبیت النبوہ" ہم اہل بیت نبوۃ ہیں "معدن الرسار" ہم رسالت کا معدن ہیں . . . . . "مثلی لایبایع مثدہ" مجھ جیسا بلند کردار انسان خانوادہ نبوت کی جان پیغمبر کا بیٹا اور ایسے فاسق و فاجر کی بیعت کر لے یہ نہیں ہو سکتا



ہے۔ اب میں اعلان کر رہا ہوں کہ اب دوبارہ کسی جلسہ کی ضرورت نہیں ہے میرا اعلان سن لے۔

میرا بیان شروع سے ذہن میں رکھنے لگائیں کڑیاں ملانا چاہتا ہوں اور میرا بیان مکمل ہو جائے گا۔ ایسا حاکم اگر اُمت کے سرپر مسلط ہو جائے تو ایسے اسلام پر دور سے سلام، اسلام کے باقی رہنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ میں بیعت نہیں کر سکتا۔

مردان نے پھر سمجھا ناچا ہا۔ کہا حسینؑ میں پھر کتا ہوں سمجھ لو انجام بہت بُرا ہوگا۔ زندہ زرہ سکو گے۔ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ فنا ہو جاؤ گے۔ اب بھی غنیمت ہے بیعت کر لو۔

بس یہ سننا تھا کہ فرزند رسولؐ کو جلال آ گیا فرمایا ۰۰۰ دور ہو جا میرے پاس سے، چلا جا، میں تجھ سے بات نہیں کرنا چاہتا ہوں اسلئے کہ تو رجس ہے اور مرکز نجس ہے تو ہمیں نہیں پہچانتا ہے تو اپنے کو پہچان لے تو رجس ہے نجس ہے اور ہم وہ ہیں کہ جن کی شان میں آیت تطہر نازل ہوئی ہے "انما یرید اللہ لیزہب عنکم الرجس اهل البیت" رجس اہلبیتؑ کے قریب نہیں آسکتا۔ تم ہم سے دور ہو جا اسلئے کہ تو رجس ہے اور ہم اہلبیتؑ ہیں۔

اب آپ کو اندازہ ہوا کہ رجس گناہوں کا نام نہیں ہے۔ رجس تنہا برائیوں کا نام نہیں ہے۔ رجس تنہا خباثوں کا نام نہیں ہے۔ رجس تنہا برے اعمال کا نام نہیں ہے ایسے افراد جو مجسمہ رجس بن جائیں یہ بھی کبھی اہلبیتؑ کے قریب نہیں آسکتے ہیں۔

آج جو دنیا اہلبیتؑ سے دور ہٹ رہی ہے۔ یہ الگ ہو جانا اس بات کی علامت ہے کہ یہ سب رجس ہیں اور رجس کبھی اہلبیتؑ کے قریب نہیں آسکتا ہے اگر

رجس سے بچنا ہو تو اہل بیتؑ کے قریب آ جاؤ۔

بس یہی سلسلہ کلام ہے کہ حسینؑ آیات قرآن میں مرکز تطہیر ہیں جسکو خود حسینؑ نے واضح کر دیا ہے۔ الگ ہٹ جا میرے قریب سے چلا جا اسلئے کہ رجس میرے قریب نہیں آسکتا ہے اور اس کے بعد جو نتیجہ سامنے آیا اس کے بعد یہ طے ہو گیا کہ اب یہ مدینہ حسینؑ کے رہنے کے قابل نہیں رہا۔

بس ارباب عزائمیں چاہتا تھا کہ واقعہ کی تفصیل میرے تمام سننے والوں کے سامنے آ جائے تاکہ واقعہ کے خصوصیات اور کردار پہچان لیے جائیں۔ اس کے بعد جب کل میں یزید کے بارے میں گزارش کروں گا تو آپ کن اندازہ ہوگا کہ یہ کیا کردار ہے اور اسکا کیا مقابلہ ہے فرزند رسولؐ انشقلین سے۔

بہر حال امام حسینؑ جب دربار کی طرف چلے تو تیس مسلح جوان آپ کے ساتھ تھے۔ ادھر شہزادی زینب نے آواز دی۔ بھیا عباس آجا جا رہے ہیں۔ علی اکبر مولا جا رہے ہیں۔ عون و محمد، بنی ہاشم کے جوانو جاؤ آقا کے ساتھ جاؤ۔ خردار آقا کو کوئی تکلیف نہ پہونچنے پائے۔ ہاشمی جوان رُکے ہوئے ہیں جیسے ہی امام کی آواز بلند ہوئی ویسے ہی ہاشمی جوان دربار میں داخل ہو گئے۔ آگے آگے تلوار لیے ہوئے عباس علمدار۔ آقا کس نے گستاخی کی۔ مولا کس نے گستاخی کی۔ کس نے کیا کہدیا کہ آپ کو جلال آ گیا۔

کہا بھیا رک جاؤ، عباسؑ یہ تلوار چلانے کا وقت نہیں ہے۔

حسینؑ پلٹ کے آئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب بیت الشرف میں قدم رکھا تو جیسے بہن بھائی کا انتظار کر رہی تھی۔ کہا بھیا خیر تو ہے۔

کہا نہیں اب یہ مدینہ رہنے کے قابل نہیں رہ گیا ہے اب سامان سفر تیار کرو۔ اب وطن چھوڑنا پڑے گا۔



ارباب عزاجی چاہتا ہے کہ دستِ ادب جوڑ کر گزارش کروں۔ شہزادی آج جب بھائی دربار میں جا رہا تھا تو آپ نے اتنے جوانانِ نبی ہاشم کو ساتھ کر دیا تھا اپنے شیروں کو ساتھ کر دیا تھا جو دربار سے سلامتی کے ساتھ مولا کو واپس لانے مگر شہزادی کل کر بلا میں عصر کے ہنگام جب بھائی مقل میں جانے لگا تو کسے ساتھ بھیجیں گی۔

زقاسم سے زعلی اکبر سے زعباسے

بہن سامان سفر تیار کرو۔ زینب سامان سفر کی تیاری میں مصروف ہوئیں، فرزند رسولؐ انثقلین آئے نانا کی قبر کے قریب۔

علمائے اسلام نے اس فقرہ کو نقل کیا ہے کہ نانا کی قبر سے پٹ کے حسینؑ نے رونانا شروع کیا۔ روتے روتے ایک مرتبہ آنکھ بند ہو گئی تو لہسا معلوم ہوا جیسے نبیؐ سامنے آگئے ہیں۔

حسینؑ کہتے ہیں۔ نانا آپ تو دیکھ رہے ہیں کہ امت نے کیا سلوک کیا ہے۔ آپ کو تو معلوم ہے کہ قوم نے کیا سلوک کیا ہے اب یہ مدینہ میں رہنے بھی نہیں دیتے ہیں۔ نانا کیا یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ آپ مجھے اپنے پاس بلا لیں۔

کہا بیٹا اگر میں تمہیں اپنے پاس بلاوں تو کر بلا کون جانے گا۔ قرمانی کون دے گا۔

حسینؑ اگر تم قرمان نہ ہو گے تو میرا دین کیسے بچے گا۔

کہا نانا آپ کا حکم بجالاتا ہوں۔

کہا ہاں میرے لال جاؤ۔ کر بلا جاؤ۔ مگر بیٹا تنہا نہ جانا شہزادیوں کو ساتھ لیکر جانا۔ وہاں سے رخصت ہوئے بھائی کی قبر پر آئے۔ بھائی سے رخصت ہوئے۔ اس کے بعد ماں کی لحد پر آئے آ کے آواز دی اماں! اپنے لال کا آخری سلام لے لو۔

آپ کا حسینؑ آپ سے رخصت ہونے کیلئے آیا ہے۔ یہ ساری منزلیں طے ہوئیں رات تمام ہوئی۔ شہزادی نے سامان سفر تیار کیا۔

عبداللہ بن سنان کو فی کتا ہے کہ میں اسی دن مدینہ وارد ہوا جس دن نواسر رسولؐ وطن سے رخصت ہو رہا تھا میں نے یہ منظر دیکھا کہ درو دیوار پر اُداسی کا عالم ہے۔ جس چہرہ کو دیکھو اُداس۔ جس انسان کو دیکھو پریشان۔ میں نے گھبرا کے پوچھا بھائیو کیا عالم تمہارا ہے۔ کہا تمہیں معلوم نہیں کہ نبیؐ کا نواسر وطن چھوڑ کر جا رہا ہے۔ مدینہ رسولؐ ویران ہو رہا ہے۔ جانِ مدینہ رخصت ہو رہا ہے۔

عبداللہ کتا ہے کہ میں نے کہا ذرا بتاؤ کہ حسینؑ کا در دولت کہاں ہے۔ میں چل کے دیکھوں گا کہ نبیؐ کا لال کیسے رخصت ہوتا ہے۔ مدینہ والے جانِ مدینہ کو کیسے رخصت کرتے ہیں۔

عبداللہ در دولت کے قریب آیا۔ دیکھا کہ ہاشمی جوان تیار یوں میں مصروف ہیں کچھ ناقے لاکے بٹھائے گئے۔ ان پر سامان سفر بار کیا گیا جب یہ ناقے آگے بڑھ گئے تو وہ ناقے آئے۔ جن پر عملیں ہیں، عماریاں ہیں، کجاوے ہیں، پردہ کا اہتمام و انتظام ہے۔

عبداللہ کتا ہے کہ میں نے محسوس کیا کہ جیسے در دولت پہ لاکے ایک ناقہ بنایا گیا۔ ایک معظمہ چادر اوڑھے ہوئے پیت الشرف سے برآمد ہوئیں۔ ناقہ کے قریب آئیں۔ ایک کمسن بچہ آگے بڑھا۔ پردہ حمل کو اٹھایا۔ معظمہ سوار ہوئیں۔ میں نے پوچھا یہ بچہ کون تھا اور یہ سوار ہونے والی بی بی کون ہیں۔ کہا کہ یہ یتیم حسنؑ قاسم ہے۔ وہ قاسم کی ماں ام فرورہ۔

یہ ناقہ آگے بڑھا۔ ایک دوسرا ناقہ لاکے بنھایا گیا۔ ایک معظمہ پیت الشرف سے چلیں۔ ایک کڑیل جوان آگے بڑھا۔ پردہ حمل اٹھایا۔ معظمہ کو سوار کیا میں



نے پوچھا یہ کون؟ کما علی اکبر سوار کرنے والے لیلی سوار ہونے والی۔  
اس کے بعد عجیب منظر میں نے دیکھا کہ اب جو ناقلا کے نبھایا گیا اور ایک معظم  
پیت الشرف سے برآمد ہوئیں تو وہ بچہ بھی آگے بڑھا، وہ جوان بھی آگے بڑھا اور  
ایک جوان اور بھی آگے بڑھا اور بڑے اتمام کے ساتھ معظم کو ناقہ پر نبھایا گیا۔  
میں نے کہا یہ کون؟ کما علی کی چھوٹی بیٹی ام کلثوم۔

عزیزو حسین وطن چھوڑ کے جا رہے ہیں۔ عجب منظر ہے عبداللہ کہتا ہے کہ  
اب تک میں نے دیکھا کہ ہانسی جوان تیار یوں میں مصروف ہیں اور سیدائیاں سوار  
ہو رہی ہیں اور امام حسینؑ ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے انظامات کا جائزہ لے رہے ہیں  
لیکن ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ اب جو ایک ناقلا کے نبھایا گیا تو حسینؑ کرسی  
سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے ایک جوان نے آگے بڑھ کر پردہ حمل نبھایا کڑیل  
جوان نے نعلین سیدھی کی۔ میں نے پوچھا یہ کون؟ کما زہرا کی بڑی بیٹی زینب سوار  
ہو رہی ہیں۔

عزاد روایہ اٹھا نہیں رجب کا مدینہ تھا مگر گیارہویں محرم کو کربلا میں نہ قاسم  
ہیں نہ علی اکبر ہیں نہ عباسؑ اور زینب۔ بیبیاں سوار ہو گئیں یہماڑ بھتیجے کو شہزادی  
نے سوار کر دیا ماں کی کینز فضا کو بھی سوار کر دیا۔ اب ایک زینب رہ گئی۔ کبھی  
پشت ناقہ کی بلندی کو دیکھتی ہے۔ کبھی اپنی بے کسی کو دیکھتی ہے۔ ہائے مجھے  
کون سوار کرانے گا ایک مرتبہ مقتل کا رخ کیا مگر روایت کا قرہ ہے کہ حسینؑ کو  
نہیں بلایا علی اکبر کو نہیں پکارا۔ اپنے عوں و محمد کو آواز نہیں دی بلکہ فرات کا رخ  
کیا آواز دی "اخی ابا الفضل" اے بھیا عباسؑ جب میں مدینہ سے چلی تھی تو تم نے مجھے  
سوار کر لیا تھا اب زینب سوار ہونا چاہتی ہے۔ بھیا او عباسؑ آگے زینب کو سوار  
کراؤ۔ بھیا سہارا دو کہ زینب سوار ہو جائے۔ مگر عزیزو کون آتا۔ بازو تھامنے والا  
شانے کنائے فرات کے کنارے سورا تھا۔ وعباسا، و احسیناہ  
سيعلم الذین ظلموا ای منقلب یتقلبون

## مجلس ۲

اے نفس مطمئن اپنے پروردگار کے بارگاہ میں پلٹ آ تو ہم سے راضی ہے  
ہم تجھ سے راضی ہیں آمیرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔  
سورہ مبارکہ فجر کی ان آخری آیات کے ذیل میں "کربلا شناسی" کے عنوان  
سے جو سلسلہ بیان کل شروع ہوا ہے آج اس کے دوسرے مرحلہ پر تصویر کا دوسرا  
رخ آپ کے سامنے رکھنا ہے۔

کل میں نے یہ عرض کیا تھا کہ واقعہ کربلا کے سلسلہ میں دو نمایاں افراد یا  
دو نمایاں کردار ہیں جن سے اس واقعہ کی حقیقت کو پہچانا جاسکتا ہے۔  
ایک کردار فرزند رسولؐ الثقلین امام حسینؑ کا ہے اور ایک کردار یزید بن  
معاویہ بن ابی سفیان کا ہے۔

امام حسینؑ کے بارے میں کل میں نے کچھ باتیں آپ کے سامنے گزارش کی  
تھیں آج تصویر کا دوسرا رخ یعنی یزید کے کردار کے بارے میں ان نظریات اور  
خیالات کو آپ کے سامنے پیش کرنا ہے جو دور قدم سے عالم اسلام میں پائے جا  
رہے ہیں۔

لیکن سلسلہ بیان کو آگے بڑھانے سے پہلے کل کی گفتگو کو مکمل کرتے  
ہوئے سرکار دو عالم کے ایک ارشاد گرامی کا مزید حوالہ دینا ہے تاکہ امام حسینؑ کی



شخصیت کا یہ پہلو بھی آپ کے سامنے نمایاں ہو جائے۔

امام حسینؑ کا بچپنا ہے سرکارِ دو عالم مسجد میں موعظ فرما رہے ہیں۔ صاحبِ ینا بیح المودہ نقل کرتے ہیں کہ اس درمیان میں پیغمبرؐ کا چھوٹا نواسر مسجد النبی میں داخل ہوا۔ اور اتفاقاً ان کے بیان کے مطابق پیر دامن سے اُلجھ گیا اور حسینؑ خاک پر گرنے لگے پیغمبرؐ نے اپنے کلام کو روک دیا خطر کو قطع کر کے منبر سے نیچے تشریف لائے۔ اپنے شہزادے کو گودی میں اٹھایا اور منبر پر آنے کے بعد فرمایا: "ایہا الناس! ہذا حسینؑ فاعرفوہ" لوگو! یہ حسینؑ ہے اسے پہچانو۔ " وفضلوہ" اور اس کی فضیلت کا اقرار کرو "وانصروہ" اور وقت پڑ جائے تو اسکی مدد کرنا۔

اور اگر پہچانا چاہتے ہو تو میں پہچنونا چاہتا ہوں کہ یہ حسینؑ کون ہے۔ یہ کہ کر سرکارِ دو عالم نے فرمایا۔

اس حسینؑ کو پہچانو یہ حسینؑ وہ ہے کہ جسکا جد افضل ہے جدیوسف بن یعقوب سے "ہذا حسینؑ جدہ فی الجنۃ" یہ حسینؑ وہ ہے جس کا جد جنت میں ہے "و جدتہ فی الجنۃ" یہ حسینؑ وہ ہے جس کا چچا بھی جنتی ہے "و عمتہ فی الجنۃ" اور اسکی پھوپھی بھی جنتی ہے "و غار فی الجنۃ" اسکا ماموں بھی جنتی ہے "و ابوہ فی الجنۃ" اسکا باپ بھی جنتی ہے "و امہ فی الجنۃ" اسکی ماں بھی جنتی ہے "و حمیہ فی الجنۃ" اسکا چاہنے والا بھی جنتی ہے "و عجب حمیہ فی الجنۃ" اور اس کے چاہنے والوں کے چاہنے والے بھی جنتی ہیں۔

سرکارِ دو عالم کا یہ ارشاد گرامی نبی بیح المودہ کے حوالے سے جو میں نے پیش کیا ہے وہ صرف اسلئے تاکہ یہ رُخ بھی آپ کی نگاہ میں رہے کہ اب تک ہم نے امام حسینؑ کو آیات قرآنی کی روشنی میں دیکھا ہے۔ اب تک امام حسینؑ کی عظمت کو سرکارِ دو عالم کے ارشاد گرامی کی روشنی میں دیکھا ہے۔ عظمت حسینؑ کو ان کے

ذاتی سیرت و کردار کی روشنی میں دیکھا ہے۔ اب میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ حسینؑ کے اگر اضافی کمالات کو بھی دیکھیں تو کوئی رشتہ ایسا نہیں ہے جو کمال سے خالی ہو۔ کوئی نسبت ایسی نہیں ہے جو کمال سے خالی ہو۔

میں اپنی زبان میں اس کے بارے میں گزارش کر دوں تاکہ دوسرا رُخ پہچانتے میں آپ کو آسانی ہو جائے۔

حسینؑ کا دادا وہ جو محسنِ اسلام مرنے پیغمبرؐ اسلام۔ جس نے اس وقت پیغمبرؐ کا ساتھ دیا ہے جب کوئی ساتھ دینے والا نہیں تھا۔ ایسے موقع پر جب نبیؐ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا اور کفار کی طرف سے سرکار کو جادو گر کہا جا رہا تھا۔ سرکار کو دیوانہ کہا جا رہا تھا کوئی ایسا نہیں تھا جو نبیؐ کو سہارا دینے والا ہوتا۔ تو وہ تنہا حسینؑ کا دادا ہی تھا جس نے نبیؐ کو مخاطب کر کے کہا تھا "قم یا سیدی" اے میرے سردار اٹھو، اعلان کرو جب تک میں زندہ ہوں کس کی مجال جو نظر اٹھا کے دیکھ سکے یہ کون ہیں یہ ابوطالب ہیں جو حسینؑ بن علیؑ کے دادا ہیں۔ اس کے بعد اگر حسینؑ کی جدہ ماجدہ اور ان کی دادی کو دیکھنا ہے تو وہ جناب فاطمہ بنت اسد ہیں کہ جن کے بارے میں تاریخ اسلام کا مسلم ہے کہ نہ بنت اسد سے پہلے اور نہ بنت اسد کے بعد کوئی خاتون ایسی نہیں پیدا ہوئی ہے جسکی آمد پر خانہ خدا کی دیوار میں در بنا ہو یہ انفرادی کردار ہے جناب فاطمہ بنت اسد کا۔ اور حسینؑ کے نانا کو اگر دیکھنا ہے تو حسینؑ کا نانا وہ کائنات کا سب سے بلند ترین انسان ہے جسکی مثال نہ انبیاء میں ہے نہ مرسلین میں ہے۔ نہ زمین والوں میں ہے نہ آسمان والوں میں ہے۔ اللہ نے اسے سید الانبیاء بنایا افضل مرسلین بنایا۔ اسکی جوتیاں شب معراج عرش اعظم تک پہنچیں۔

اور حسینؑ کی جدہ ماجدہ حسینؑ کی نانی وہ خدیجہ الکبریٰ ہیں جو اسلام میں پہلی



مومنز خاتون ہیں کہ جن سے پہلے کوئی ایمان لانے والا کم از کم عورتوں میں تو نہیں تھا اگرچہ مردوں میں بھی نہیں تھا۔ لیکن جو تفریق عالم اسلام میں قائم ہوئی ہے تو کم از کم اتنی بات تو واضح ہے کہ حسینؑ کی جدہ ماجدہ یعنی ان کی نانی جناب خدیجہؓ سے پہلے ایمان لانے والا سارے عالم میں کوئی نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جناب خدیجہؓ کے بعد جب بزم ازواج میں سرکارِ دو عالمؐ نے خدیجہؓ کا ذکر کیا اور کسی نے یہ گزارش کی کہ حضورؐ اب تو ان کا اشقال ہو چکا ہے وہ دنیا سے جا چکی ہیں اور ہر شوہر کو حق ہے کہ اپنی مرحومہ زوجہ کو یاد کرے مگر اس وقت تک جب تک دوسری زوجہ گھر میں نہ آجائے۔ پروردگار عالم نے آپ کو ایسی ایسی ازواج مطہرات عنایت کر دی ہیں تو ایک مر جانے والی ضعیفہ کو یاد کرنے سے کیا فائدہ؟ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا تمہیں غلط فہمی ہو گئی ہے۔ میں زوجہ کو نہیں یاد کر رہا ہوں۔ میں مرنے والی زوجہ کو نہیں یاد کر رہا ہوں۔ میں خدیجہؓ کو یاد کر رہا ہوں۔ اور خدیجہؓ کا امتیاز یہ ہے کہ "آمنت بی اذکفر الناس" خدیجہؓ اس وقت ایمان لائیں جب سب کافر تھے۔ اب "سب" میں جتنی معنویت پائی جاتی ہو وہ تو پیغمبرؐ اسلام جانتے ہیں یا اس مخاطب کو معلوم ہوگا جس سے پیغمبرؐ نے کہا تھا۔ یہ حسینؑ کی نانی کا کردار ہے۔

حسینؑ کی مادر گرامی جن کے بارے میں پیغمبرؐ نے اعلان کیا ہے "فاطمہ بضعت منی" فاطمہؓ میرا ایک ٹکڑا ہے۔ جس کے بارے میں نبی نے اعلان کیا "ان اللہ یرضی برضا فاطمہ ولغضب فاطمہ" اللہ فاطمہؓ کی رضا سے راضی ہوتا ہے اور فاطمہؓ کے غضبناک ہونے سے غضبناک ہوتا ہے۔ جس کے پدر بزرگوار وہ علیؑ بن ابیطالبؓ، وہ تاریخ کی واحد شخصیت ہے، تاریخ کا اکیلا کردار ہے جس کے واسطے پروردگار نے بیت العبادہ کو بیت الولادہ بنا دیا اور جس کے لیے خانہ خدا پر خانہ

بنایا گیا۔ حسینؑ کا بھائی وہ جس کے بارے میں پیغمبرؐ نے اعلان کیا کہ حسنؑ و حسینؑ دونوں جوانان جنت کے سردار ہیں۔ حسینؑ کی اولاد کو اگر دیکھیں گے تو ایک کے بعد ایک جو آتا ہے وہ امام وقت ہوتا ہے، وہ قائد امت ہوتا ہے، وہ اسلام کا زمر دار ہوتا ہے وہ دین کا محافظ ہوتا ہے، وہ قرآن کا مفسر ہوتا ہے، حسینؑ کی پوری نسل آئمہ طاہرین کی نسل ہے تو حسینؑ کے جس رشتہ کو دیکھا دادی کو دیکھا دادا کو دیکھا نانی کو دیکھا نانا کو دیکھا باپ کو دیکھا ماں کو دیکھا۔ بھائی کو دیکھا بہن کو دیکھا اولاد کو دیکھا۔ ہر رشتہ حسینؑ کا طیب و طاہر، پاک و پاکیزہ، صادق و صدیق۔ ہر رشتہ حسینؑ کا دنیا سے بلند تر رشتہ ہے۔

اس کے مقابلہ میں جب تصویر کا دوسرا رخ آتا ہے تو جو حسینؑ کے مقابلہ میں آیا ہے۔ جو حسینؑ کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ دادا کون؟ ابوسفیان جس کے بارے میں مورخین نے واضح لفظوں میں نقل کیا ہے کہ جب خلافت تیسری منزل پر بنی احیر کے گھر میں پہنچی تو ابوسفیان اپنے چشم و چراغ، اپنے خاندان کی یادگار کو مبارکباد دینے کیلئے آیا اور آنے کے بعد کہتا ہے کہ بیٹا بڑی مشکل سے یہ خلافت گھر میں آئی ہے۔ بڑے دنوں کے بعد یہ خلافت اس خاندان میں آئی ہے۔ یہ ابوسفیان کے الفاظ تاریخ میں ہیں "ادرها کالکرة" اب اس خلافت کو گیند کی طرح نچاؤ مگر جب خلافت ناچنے لگے تو محور کا خیال رکھنا، مرکز کا خیال رکھنا، مرکز بنی احیر کو قرار دینا اور اسکو ایک گیند سمجھ کر نچاتے رہو اور دیکھو اگر حکومت کرنا ہے، اگر خلافت کرنا ہے، اگر خاندانی کردار کو باقی رکھنا ہے تو خبردار یہ نہ دیکھنا کہ انجام کیا ہونے والا ہے، عاقبت کیا ہونے والی ہے، اس خلافت کو گیند کی طرح نچاتے رہو، اپنے خاندان کو مرکز بنائے رہو۔ یہ یاد رکھو "فما ہمک جنت ولا نار" نہ جنت کوئی چیز ہے نہ جہنم کوئی شئی ہے۔ یہ تو پیغمبرؐ اسلام کے کچھ الفاظ ہیں جس کے



ذریعہ قوم پر حکومت کرنا چاہتے تھے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔ یہ جنت کوئی شئی ہے اور نہ جہنم کوئی شئی ہے۔ یہ دادا کا کردار ہے۔ توجہ کریں۔ اب دادی کا کردار۔ تو ساری تاریخیں جانتی ہیں کہ جب میدان اُحد میں پیغمبرؐ کا چچا راہ خدا میں قربان ہوا جسکو سرکارِ دو عالمؐ نے اس دور میں سید الشہداء قرار دیا تھا یہی جناب حمزہؓ اپنے دور میں یقیناً سید الشہداء تھے وہ یزید ہی کی دادی تھی جو میدان جنگ میں آئی اور بنی ہاشم سے اپنی ہرانی عداوت کا انتقام لینے کیلئے جناب حمزہؓ کے سینے کو چاک کر کے جناب حمزہؓ کے جگر کو نکال کر اسے چبانا چاہتی تھی یہ اور بات ہے کہ پروردگار عالم نے اسکو اس مہم میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔

یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں ہندہ کا لقب ہے "آکلۃ الابدان" جگر کو کھانے والی، جگر خوارہ، وہ دادا کا کردار ہے اور یہ دادی کا کردار ہے۔

نانا نانی کے کردار کے بارے میں میں نہیں جانتا اسلئے کہ ماں تھی میسونہ جو خود ہی عیسائی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ عیسائی خاندان میں کون نانا رہا ہو گا کون نانی رہی ہوگی۔ میں تو نہیں جانتا ہوں اس کردار کے بارے میں۔ اتنا جانتا ہوں کہ جسکی گودی میں پلا، جسکی آغوش میں رہا اور جس ماحول میں تربیت ہوئی ہے وہ قطعاً غیر اسلامی تھا اسلئے کہ پیدائش کے بعد اسے حوالے کر دیا گیا تانیہال والوں کے اور تانیہال والوں نے بادیہ میں صحرا میں لے جا کر اپنے قید میں اسکی پرورش کی۔ تو تانیہال چونکہ عیسائی ہے لہذا نانا کتنا ہی باکمال رہا ہو گا پھر عیسائی ہی رہا ہو گا۔ نانی کتنی ہی اونچی رہی ہوگی کوئی عیسائی ہی رہی ہوگی۔ جب ماں ہی کا کردار معلوم ہے تو نانی نانا کے کردار کو کیا تلاش کرنا ہے اور آگے بڑھ کر باپ کے بارے میں دیکھیں۔

تو میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ خود امام حسینؑ کی جو گفتگو کل میں

نے آپ کے سامنے نقل کی ہے کہ دربارِ ولید سے آنے کے بعد صبح کو امام حسینؑ مدینہ الرسولؐ میں اپنے گھر سے باہر نکلے اور راستے میں مروان سے ملاقات ہو گئی اور مروان نے پھر دوبارہ امام حسینؑ کو مشورہ دیا کہ اب بھی میں آپ کو سمجھاتا ہوں۔ صلاح و عافیت اسی میں ہے کہ آپ یزید کی بیعت کر لیں اور یزید کو خلیفہ المسلمین تسلیم کر لیں تو امام حسینؑ نے فرمایا تھا کہ تو کیا کہہ رہا ہے۔ تجھے نہیں معلوم ہے کہ میرے جد بزرگوار نے یہ اعلان کیا تھا کہ "ان الخلفاء حرمۃ علی آل ابی سفیان و علی الطلقاء و ابناء الطلقاء" خلافت آل ابوسفیان کیلئے جائز نہیں ہے۔ یہ آزاد کردہ غلاموں کا حق نہیں ہے۔ آزاد کردہ غلاموں کی اولاد کا بھی حق نہیں ہے۔ یہ پیغمبرؐ نے اعلان کیا تھا اور یہی نہیں پیغمبرؐ نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اس حاکم کو جب کبھی میرے بنبر پر دیکھنا تو اسے قتل کر دینا۔ افسوس یہ ہے کہ مدینہ والوں نے میرے جد بزرگوار کے بنبر پر اسے دیکھا مگر کسی نے میرے جد بزرگوار کے احکام پر عمل نہیں کیا۔ اس عمل نہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ آج یزید حاکم اسلامی ہو گیا ہے۔ پیغمبرؐ اسلام کے ارشاد کو ٹھکرا دینے کا نتیجہ ہے کہ آج عالم اسلام کا مقدر یزید کے ہاتھوں میں آ گیا ہے۔

اسی لیے امام حسینؑ نے اپنا تاریخی اعلان کیا تھا "علی الا سلام از قد بلیت الامت براع مثل یزید" اسلام کو آخری سلام کر اُمت پر یہ بلا نازل ہوئی ہے اور اُمت مبتلا ہو گئی ہے ایک ایسے حاکم میں جو یزید جیسا حاکم ہے ایسا "شارب الخمر" ایسا "لاعب القمار" ایسا بد کردار انسان اگر اُمت کا حاکم ہو جائے تو ایسے اسلام پر سلام۔

یہ امام حسینؑ نے خود یزید کے باپ کے بارے میں اپنے جد بزرگوار کا ارشاد نقل کیا ہے کہ پیغمبرؐ نہیں چاہتے تھے کہ میرے بنبر پر ایسے افراد دکھائی



دیں۔ پیغمبرؐ نہیں چاہتے تھے کہ حکومت اسلامی ایسے گھرانے میں چلی جائے جو آزاد کردہ غلاموں کا گھرانہ ہے۔

آئیے دونوں کے اب رشتے ملائیے۔

ادھر حسینؑ کا دادا جس نے نبی سے وعدہ نصرت کیا تو نبیؐ نے اسلام کا اعلان کیا۔ ادھر یزید کا دادا جو اعلان کرتا ہے کہ خلافت کو گیند کی طرح پھاؤ نہ جنت کوئی شئی ہے نہ جہنم۔

ادھر حسینؑ کی جدہ ماجدہ جن کے لیے دیوار کعبہ میں در بنا ادھر یزید کی دادی جو حمزہ کا جگر چنانا چاہتی تھی۔

ادھر حسینؑ کا نانا جو فاطمہ الزہراءؑ کے بیٹے ہیں اور وہ۔

ادھر حسینؑ کی نانی جو خدیجہ الکبریٰ ہیں اسلام کی پہلی محسن اور سب سے پہلی آسمان لانے والی ہیں ادھر یزید کی نانی ہے جو عیسانی خاندان کی ایک عورت ہے۔

ادھر حسینؑ کی مادر گرامی ہیں جو جگر پارہ پیغمبرؐ ہیں ادھر یزید کی ماں ہے جو عیسوی نصرانیہ ہے۔

ادھر حسینؑ کا گھرانہ ہے ادھر یزید کا گھرانہ ہے۔

حیرت ہے اتنے نمایاں فرق کو دیکھنے کے بعد بھی نااہل مصنفین اور نالائق مورخین یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دو شہزادوں کی لڑائی تھی کیا بادشاہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ یعنی جیسا بادشاہ پیغمبرؐ ویسا ہی بادشاہ کوئی عیسائی۔

جیسا صاحب کردار ابوطالبؑ ویسا ہی صاحب کردار ابوسفیان۔

جیسا گھرانہ یہ ویسا ہی گھرانہ وہ۔ اتنا نمایاں فرق دیکھنے کے بعد تو میں ایک لفظ کہنا چاہتا ہوں کہ حسینؑ کے گھرانے کے مقابلہ میں اگر کوئی گھرانہ لایا گیا تو اسی وقت لایا جائے گا جب اسلام نہ رہ جائے اسلئے کہ حسینؑ کے خاندان کی بنیاد

پیغمبرؐ اسلام ہیں دختر پیغمبرؐ اسلام ہے۔ اب اگر پیغمبرؐ کے مقابلہ میں کوئی آیا تو سب رہ جائیں گے مگر اسلام باقی نہ رہ جائے گا۔

یہ وہ رشتے ہیں جن کے بارے میں خود سرکار دو عالمؐ نے ارشاد فرمایا تھا جس کا حوالہ میں نے آپ کے سامنے عرض کر دیا ہے۔ میں یہ اس لیے گزارش کر رہا ہوں تاکہ یہ اضافی اوصاف جو نسبتوں سے پیدا ہوتے ہیں، جو قرابتوں سے پیدا ہوتے ہیں یہ بھی آپ کی نگاہ کے سامنے رہیں اور آپ کو یہ اندازہ رہے کہ حسینؑ کس بلند کردار اور کس عظیم رشتہ والے انسان کا نام ہے اور یزید کا پناذاتی کردار جو ہے وہ آپ کی نگاہ کے سامنے ہے اس کے بارے میں اب ایک لفظ اور گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ علمائے اسلام کے درمیان جب کردار یزید اور اعمال یزید کی بحث آتی ہے تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ادھر آخری صدیوں میں ایسے افراد پیدا ہو گئے ہیں جو یزید کی حمایت کے ذمہ دار ہو گئے اور انہوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ یزید کو ان سارے معاملات سے پاک دامن بنا دیا جائے اور یزید کے دامن پر کوئی دھبہ نہ رہنے دیا جائے۔

ورنہ عزیزو! آپ یہیں سے بات کی نزاکت اور اہمیت کو محسوس کریں کہ ہر مورخ، محدث، ہر نمک خوار، ہر ضمیر فروش سارا زور اس بات پر لگائے ہوئے ہے کہ یزید کے کردار کو پاکیزہ ثابت کر دیا جائے یعنی یزید کے دامن پر کوئی دھبہ نہ رہ جائے اسلئے کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ بات ہی غلط ہے کہ یزید کا ہاتھ قتل حسینؑ میں تھا۔

کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ بات ہی غلط ہے کہ یزید نے قتل حسینؑ کے بارے میں کوئی حکم دیا تھا۔

کوئی کہتا ہے یہ بات ہی غلط ہے کہ یزید کو قتل حسینؑ کی اطلاع تھی۔



کوئی کہتا ہے یہ بات ہی غلط ہی کہ یزید کو خبر بھی ہو سکی کہ حسینؑ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا۔

یزید نے قتل حسینؑ کا حکم دیا۔ یزید کے دامن پر خون حسینؑ کا کوئی دھبہ ہے۔ یزید نے فرزند رسولؐ کو قتل کیا ہے۔ یزید کو کوئی اطلاع تھی۔ اتنی صفائیاں جو آج ہمیش کی جا رہی ہیں آپ سنتے رہتے ہیں لیکن جو لفظ میں کہنا چاہتا ہوں اسے یاد رکھئے گا۔

اگر کوئی آدمی میرے بارے میں کہے کہ آپ کو معلوم ہے یہ کون ہیں یہ تو نماز شب بھی پڑھتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی کسی سے میرے بارے میں میرے سامنے کہے کہ ان کو آپ نہیں جانتے ہیں یہ تو پانچ وقت کی نماز کے علاوہ نماز شب بھی پڑھتے ہیں۔ اور میں کہوں استغفر اللہ تو اس کا مطلب کیا ہے کہ نماز شب بھی کوئی عیب ہے۔ نہیں تو یہ کہہ رہے ہیں۔ اگر میں کہوں استغفر اللہ تو اس کے معنی کیا ہیں کہ میں نماز شب کو بھی کوئی عیب سمجھتا ہوں۔ جیسی تو چاہتا ہوں کہ میری طرف منسوب نہ ہونے پائے۔ لیکن اگر کسی نے کہا یہ تو نماز شب بھی پڑھتے ہیں اور میں نے کہا الحمد للہ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز شب میری نظر میں ہنر ہے۔ اگر کسی کو اللہ توفیق دیدے پھر اگر کوئی میرے بارے میں یہ کہدے کہ یہ تو چوری بھی کرتے ہیں تو میں کہوں گا استغفر اللہ۔ کوئی کہے یہ تو نالائق بھی ہیں میں کہوں گا استغفر اللہ۔ کوئی کہے انھوں نے یہ بُرا کام کیا ہے۔ میں کہوں گا استغفر اللہ۔ لیکن اگر کوئی کہے کہ یہ تو نماز شب بھی پڑھتے ہیں تو میں کیا کہوں گا الحمد للہ۔ کوئی کہے گا روزہ بھی رکھتے ہیں میں کہوں گا الحمد للہ اس کے معنی کیا ہیں کہ جس کام کو انسان جرم سمجھتا ہے اس سے دامن کو پاک ثابت کرتا ہے اور جس کام کو ہنر سمجھتا ہے اسکو بہر حال اپنی طرف منسوب کرنا چاہتا ہے۔

یہ سارے مورخین، یہ سارے اہل قلم جو زور لگائے ہوئے ہیں کہ قتل حسینؑ کی نسبت یزید کی طرف نہ ہونے پائے۔ یہ درپردہ اقرار کر رہے ہیں کہ قتل حسینؑ کوئی جرم ہے ورنہ اگر جرم نہ ہوتا تو ہنر کو منسوب کرتے۔ دامن کو پاک بنانے کی فکر نہ کرتے۔

اگر یہ انھیں احساس تھا کہ یزید حاکم اسلامی ہے خلیفۃ المسلمین ہے امیر المؤمنین ہے اور نہ جانے کیا کیا ہے تو ظاہر ہے کہ جو ایسا ہوگا تو جو اس کے مقابلہ میں قیام کرے گا اسے قتل ہونا ہی چاہئے تب تو یہ اعلان ہونا چاہئے تھا کہ ہاں ہاں ہم نے قتل کیا ہے اسلئے کہ انھوں نے قانون سے بغاوت کی ہے انھوں نے قانون کے خلاف اقدام کیا ہے مگر یہ صفائی دینا خود اس بات کی علامت ہے کہ سب کو احساس ہے کہ یہ کوئی غلط کام تھا جو ہو گیا۔

اور آج والوں کو نہیں خود یزید کو بھی احساس تھا کہ جب یزید کے سامنے یہ مسئلہ آیا تو اس نے کہا مجھ سے کیا تعلق۔ میں نے تو فقط یہ کہا تھا کہ حسینؑ سے بیعت لی جائے۔ یہ میں نے کہاں کہا تھا کہ اگر بیعت نہ کریں تو قتل کر دیا جائے۔ یہ ابن زیاد کا اپنا ذاتی عمل ہے۔ متوجہ ہے آپ۔ اب یہ نام جو آ گیا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ اسکی تاریخ بھی آپ کے سامنے رہے۔ یہ میرا کام نہیں ہے یہ ابن زیاد کا اپنا ذاتی عمل ہے۔ میں نے بیعت کا مطالبہ کیا تھا اس نے بیعت نہ کرنے پر قتل کر دیا۔ یہ اسکی اپنی نالائقی ہے۔ مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے لہذا قتل حسینؑ کا ذمہ دار میں نہیں ہوں۔

قتل حسینؑ کا ذمہ دار کون ہے؟ اس لفظ کو پہچانیں۔ یزید نے کیا کہا قتل حسینؑ کا ذمہ دار میں نہیں ہوں۔ ذمہ دار کون ہے؟ ابن زیاد بھی نہیں کہتا۔ میں یہی پہچنونا چاہتا ہوں کہ اس نے کہا ابن مرعانہ ذمہ دار ہے یعنی عبید اللہ بن زیاد۔



عبید اللہ کی نسبت یزید نے بھی باپ کی طرف نہیں دی ہے۔ مرزا نے اسکی ماں کا نام ہے۔ یزید کی ماں کا نام یسوزہ اور ابن زیاد کی ماں کا نام مرزا اسلئے اس نے کہا کہ لعن اللہ ابن مرزا خدا ابن مرزا پر لعنت کرے اس نے مجھے اس مصیبت میں ڈال دیا۔ ورنہ میں نے تو بیعت کا مطالبہ کیا تھا۔ میں نے قتل کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ کیا کہا خدا لعنت کرے۔ کس پر؟ ابن مرزا پر یعنی باپ کا بیٹا نہیں ماں کا بیٹا۔ آپ غور نہیں کر رہے ہیں۔ میں کیا گزارش کر رہا ہوں۔ میں جو بات کہنا چاہتا ہوں وہاں تک آپ کے ذہنوں کو لے جانا چاہتا ہوں۔ یعنی باپ کی طرف بات کو منسوب نہیں کیا۔ منسوب کیا ماں کی طرف خدا لعنت کرے ابن مرزا پر کہ اس نے بیعت نہ کرنے پر حسین کو قتل کر دیا اور میرے سر یہ بلا یہ مصیبت آگئی ورنہ میں نے تو قتل کے واسطے نہیں کہا تھا۔ اب آپ نے پہچانا۔ یہ ہے ابن یسوزہ وہ ہے ابن مرزا اور اب دونوں کی تاریخ حیات بھی نوٹ کر لیں۔ شاید میرے بچوں کو یا میرے جوانوں کو یا سننے والوں کو نہ معلوم ہو۔ یزید پیدا ہوا ہے ۲۵ ہجری میں یا ۲۶ ہجری میں باختلاف تاریخ یعنی واقعہ کربلا میں یزید کی عمر ہے ۳۵ سال یا ۳۴ سال اور ابن زیاد، عبید اللہ بن زیاد یہ پیدا ہوا اس کے بہت بعد یعنی ۳۹ یا ۴۰ ہجری میں تو واقعہ کربلا میں ابن زیاد کی عمر کتنی ہے کل بیس اکیس سال۔

میں بلا کسی تبصرے کے آپ کو تاریخی حقائق سے باخبر کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے زیادہ میرا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔ اب یہاں پر ایک رخ آ گیا ہے۔ واقعہ اور لفظ تو آپ نے بار بار سنا ہے مگر جو بات میں گزارش کرنا چاہتا ہوں اسے آپ نوٹ کر لیں۔ یہ کام آنے والی بات ہی جب مسئلہ ہو گیا کہ حسین کے قتل میں کن کن ہاتھ ہے اور یزید نے چاہا کہ اس مصیبت کو اپنے سے الگ رکھا جائے تو کہا کہ ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ خدا ابن مرزا کا برا کرے کہ اس نے مجھے اس مصیبت

میں مبتلا کر دیا ہے ورنہ میں نے قتل کے واسطے نہیں کہا تھا میں نے تو بیعت کیلئے کہا تھا۔ الفاظ کیا ہیں خدا لعنت کرے ابن مرزا پر کہ حسین کے بیعت نہ کرنے کی شکل میں اس نے حسین کو قتل کر دیا یہ کون کہہ رہا ہے؟

ایک بڑے طبقہ کا یا چھوٹے طبقہ کا یا چند مفسرین کا یا چند محدثین کا یا چند مورخین کا یا چند ضمیر فروش اہل قلم کا خلیفہ المسلمین۔ مسلمانوں کے چند افراد کا حاکم یہ کہتا ہے کہ خدا لعنت کرے ابن مرزا پر۔ کیوں لعنت کرے کیا اسے چوری کی ہے۔ کوئی بدکاری کی ہے۔ کسی کے گھر ڈاکہ ڈالا ہے۔ کیا کیا ہے اسے۔ کیوں لعنت کرے؟ کہا میں نے بیعت کیلئے کہا تھا اس نے قتل کیوں کر دیا۔ تو مزید و اتنی بات تو واضح ہو گئی کہ جو بھی حسین کا قاتل ہے وہ ہم حسینوں ہی کی نظر میں نہیں یزید کی نظر میں بھی قابل لعنت ہے۔

اب اس سے زیادہ ہمیں بحث بھی نہیں کرنا ہے اگرچہ علماء نے اس مسئلہ کو حل کر دیا ہے۔ اور جب اس کردار پر بحث کرنے کا وقت آیا تو ڈاکٹر طہ حسین نے فتنہ الکبریٰ میں اس مسئلہ کو بڑی آسانی سے حل کر دیا۔ پہلے طہ حسین نے ان تمام اقوال کو نقل کیا جو یزید کی حمایت کرنے والے ہیں اور ہر ایک زور اسی پر ہے کہ کچھ نہ کہو اسلئے کہ اس نے قتل حسین کا حکم نہیں دیا تھا۔ وہ حسین کا قاتل بھی نہیں ہے۔ اسے تو اطلاع بھی نہیں ہوئی تھی۔ ابن مرزا نے قتل کر دیا تھا اس کے بعد کتنی سچی بات کہی ہے کہ ٹھیک ہے یہ مجھ سے سینٹر علماء ہیں یہ مجھ سے پہلے والے محدثین ہیں۔ یہ مجھ سے پہلے والے مورخین ہیں۔ یہ حالات کو بہتر جانتے ہوں گے تو یزید کا قاتل نہیں ہے۔ میں نے مان لیا۔ یزید نے قتل کا حکم نہیں دیا میں نے مان لیا۔ یزید کو اطلاع بھی نہیں تھی۔ میں نے مان لیا۔ یزید کی مرضی کے خلاف ابن زیاد نے یہ اقدام کیا یہ بھی ہم نے مان لیا۔ لیکن دنیا کا



قاعدہ ہے کہ اگر کسی حکومت کا گورنر سرکار کی مرضی کے خلاف کوئی اتنا بڑا اقدام کر بیٹھے اتنا بڑا جرم کر بیٹھے جو حکومت کیلئے باعث بدنامی ہو تو پہلا رد عمل یہ ہوتا ہے کہ اسے معزول کر دیا جائے۔ مجھے تاریخ میں کہیں دکھا دو۔ ط حسین کہتے ہیں یزید کے طرفدار و تاریخ میں مجھے کہیں دکھا دو۔ لعنت تو کر دی مگر اس کے بعد بھی نہ درخواست ہوتے دیکھا۔ نہ معزول ہوتے دیکھا۔ نہ اسے نکالتے دیکھا۔ نہ اسے نکلتے دیکھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پہلے اطلاع نہیں تھی تو جب اطلاع ہو گئی اس کے بعد بھی عہدہ برقرار رہا۔ کوئی بھی حکومت مجرم کو اسی وقت عہدہ پر برقرار رکھتی ہے جب مجرم کے جرم سے راضی ہوتی ہے۔

ط حسین کہتے ہیں کہ جیسے حسین کا قاتل مجرم ہے ویسے ہی قتل حسین سے خوش ہونے والا بھی مجرم ہی کہا جائے گا۔ یہ تو ط حسین نے بات کہی ہم نے پڑھ لیا اور آپ کو سنا دی۔ لیکن یہاں ہر ایک بات اور واضح ہو گئی کہ جب کسی حکومت کا کوئی نمائندہ کسی بھی انسان کو قتل کر دے اور آپ کو اندازہ کرنا ہو کہ اسمیں حکومت کا ہاتھ ہے یا نہیں تو دیکھئے کہ قاتل کے ساتھ حکومت کا برتاؤ کیا ہوتا ہے۔ اگر فوراً معزول کر دیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ قتل سے حکومت راضی نہیں ہے اور اگر کسی بھی بہانے سے رکھ لیا جائے چاہے حال کے خیال سے، چاہے مستقبل کے خیال سے تو یہ خود اس بات کی علامت ہے کہ جتنا قاتل کا ہاتھ ہے اتنا ہی سرکار کا بھی ہاتھ ہے۔

ط حسین نے یہ فیصلہ کیا اور علامہ تفتازانی نے بھی کہہ دیا کہ کیا بحث کرتے ہو۔ یزید پر لعنت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ یہ تو بعد کے مسائل ہیں یہ کوئی بحث نہیں ہے۔ بحث اس پر کرو کہ مسلمان ہے بھی یا نہیں اسلئے کہ پیغمبر اسلام نے حسین بن علیؑ کے بارے میں اور اپنے اہلبیت کے بارے میں یہ اعلان کر دیا ہے

کہ ان سے جنگ مجھ سے جنگ ہے اور ان سے صلح مجھ سے صلح ہے۔ پھر حسین کے بارے میں صاف فرمایا کہ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ تو جس کے بارے میں پیغمبر کہیں کہ میں اس سے ہوں جو اس کا قاتل ہوگا آپ اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں۔ اچھا کہا جائے یا برا کہا جائے۔ یہ طے کر دو پہلے کہ یہ مسلمان بھی ہے یا نہیں ہے؟ یعنی کبھی رہا ہوگا مگر اتنا بڑا جرم کرنے کے بعد یہ مسلمان کہے جانے کے قابل بھی نہیں ہے اور میں بیسویں صدی میں تو اور واضح کہہ سکتا ہوں کہ آج کے فلسفہ کے مطابق جو نبی سے آکے مل گئے جو نبی کے پاس آکے بیٹھ گئے۔ جنہوں نے نبی کا کلمہ پڑھا یا اگر ان سے اختلاف کرنا اسلام سے باہر نکال دیتا ہے اگر ان کی عصمت و شخصیت کا اقرار نہ کرنا انسان کو کافر بنا دیتا ہے تو جو نبی کے قلب و جگر کا قاتل ہو۔ کم از کم بیسویں صدی کے مسلمان کو تو ایسے کو مسلمان نہیں کہنا چاہئے۔ اسلئے کہ آجکل کفر سازی کا کارخانہ بہت زوروں پر کام کر رہا ہے۔ آجکل تکلیف کی فیکٹری تو بہت زوروں پر پروڈکشن کر رہی ہے۔ بڑے بڑے زوروں پر کام کر رہی ہے۔ جسکو چاہو کافر بنا دو۔ اس سے ہم کو یہ اندازہ ہوا کہ دو بڑے کام ایک ساتھ ہو رہے ہیں۔ جو مسلمان ہیں ان کو کافر بناتے رہو اور جو جگہ خالی ہوتی رہے جو نکل چکے ہیں انھیں دوبارہ واپس لایا جائے۔ اسی لیے ایک سے ایک وہ انسان جن کے بارے میں قرآن مجید نے شجرہ ملعونہ کہا ہے۔ ایسے افراد کہ جن کے بارے میں پیغمبر اسلام نے مذمت کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں ان کو واپس لانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور اچھے خاصے مسلمان جو کلمہ پڑھنے والے، خدا اور رسول کی اطاعت کرنے والے ہیں انھیں دین اسلام سے باہر نکال دیا جائے اسلئے کہ یہ ہماری نگاہ میں مجرم ہیں۔ یاد رکھئے آپ کی نگاہ میں مجرم ہونا اور ہے اور نبی کی نگاہ میں مجرم ہونا اور ہے۔



تو آپ نے اس کردار کو پہچانا۔ اس کے بارے میں ارشادات کا اندازہ کیا۔ مورخین کے بیانات، محققین کے بیانات۔ یہ اور جو سیرت و کردار ہے اس کے بارے میں ایک مورخ کا ایک جملہ جو نہایت ہی آسان اور ہر انسان کے سمجھ لینے کے قابل ہے یہ ہے کہ یزید کو پہچانا چاہتے ہو تو یزید کو تین لفظوں میں پہچانا جا سکتا ہے۔ تین سال یزید کے ہاتھوں میں اقتدار رہا۔ پہلے سال فرزند رسول کو قتل کیا۔ دوسرا سال آیا تو مدینہ رسول کو تاراج کیا۔ تیسرا سال آیا تو خانہ خدا کو مخفی سے سگسار کرادیا۔ یہ تین سارے یا چار سارے دور حیات کی کل تاریخ ہے۔ پہلے سال فرزند رسول کا قتل اس کے بعد مدینہ رسول کی تاراجی اور کیسی تاراجی کہ آج تک مورخین اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں کہ اس طریقہ سے مدینہ پیغمبر کو ظالم و بد کردار فوجیوں نے حوالے کر دیا گیا کہ تین دن تک ہر حرام کو حلال بنا دیا گیا۔ اور جس کے نتیجے میں مدینہ میں نہ جانے کتنے بچے ایسے پیدا ہوئے کہ جن کے باپ کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ یہ سب تاریخ کے حقائق ہیں۔ واقعہ حرہ کو کون نہیں جانتا ہے۔ اس کے بعد ایک سال کا کارنامہ اسمیں خانہ خدا کا جو انجام ہوا ہے وہ بھی آپ کے سامنے ہے تو یزید کا سارے سارے یا چار سارے دور حکومت ان تین کارناموں کا نام ہے۔ پہلا کارنامہ فرزند رسول کا قتل دوسرا کارنامہ مدینہ رسول کی بربادی تیسرا کارنامہ حرم خدا اور خانہ خدا کی بربادی۔

میں نے لفظوں کو مورخ کی زبان سے دوہرایا ہے مگر میں اپنے سننے والوں کو اپنی زبان میں سمجھانا چاہتا ہوں۔ یہ تو مورخ کی زبان ہے جسے آپ نے سن لیا اور کتاب میں مل جائے گا۔ اب ذرا صورت حال کو پہچانیں اقتدار کا پہلا کارنامہ فرزند رسول کا قتل دوسرا کارنامہ حرم پیغمبر کی بربادی تیسرا کارنامہ حرم خدا کی بربادی۔ ترتیب دیکھ رہے ہیں آپ۔ اس ترتیب عمل کو نگاہ میں رکھئے گا۔ پہلے فرزند رسول

اس کے بعد رسول اس کے بعد خدا۔

اب اسی کو انٹ کے سوچیں کہ جو آج فرزند رسول کا نہ ہوگا جب اسکو مزید اقتدار دکھلانے کا موقع ملے گا تو پھر رسول کا بھی نہ ہوگا اور جب کل رسول کا نہ ہوگا تو پھر سون خدا کا بھی نہ ہوگا تو اگر اللہ والا بننا ہے تو پہلے نبی والا بننا پڑے گا اور اگر نبی والا بننا ہے تو پہلے عترت پیغمبر کا احترام کرنا ہوگا۔

بس عزیزان محترم از زیادہ تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا ہوں یہ تو میں نے تاریخ کا ایک نقشہ آپ کے سامنے عرض کیا تاکہ جن لوگوں کو یہ حقائق نہیں معلوم ہیں وہ بھی جان لیں اور کتابوں میں پڑھیں۔ مطالعہ کریں انھیں خود اندازہ ہو جائے گا کہ واقعہ کربلا کون سا واقعہ ہے کیسی بڑی مصیبت عالم اسلام کے سر آئی تھی جس جس مصیبت سے بچانے کیلئے فرزند بانی اسلام فرزند رسول اکرم نے اتنا بڑا قیام کیا اس قیام کے بارے میں میں آئندہ اپنے معروضات آپ کے سامنے گزارش کروں گا آج بات کو اسی آخری مرحلہ پر تمام کرنا چاہتا ہوں۔

آئیے آخر وقت میں اور آخری مرحلہ میں یہ دیکھا جائے کہ جس وقت یزید کے سامنے یہ کارنامہ آیا چاہے پہلے اس نے حکم دیا ہو یا نہ دیا ہو مگر تاریخ کے مسلمت میں ہے کہ ابن زیاد نے مارا ہوا یا ابن سعد نے قتل کیا ہو یا شمر نے قتل کیا ہو مگر سر حسین بن علی اور اہل حرم حسین دربار یزید تک آئے۔ اہل حرم کو بھی لایا گیا اور سر امام حسین کو بھی لایا گیا یعنی اگر پہلے اطلاع نہ تھی اب تو اطلاع ہو گئی کہ نبی کلال قتل ہو گیا۔ اب تو معلوم ہو گیا کہ حسین کے اہل حرم لانے گئے ہیں۔ تو انھیں دربار میں کیوں پیش کیا گیا۔ انھیں قید خانے میں کیوں رکھا گیا۔ انھیں بار بار کیوں ستایا گیا۔ اگر حاکم کی کوئی مرضی شامل نہیں ہے تو ایسا برتاؤ سر حسین کے ساتھ کیوں ہو رہا ہے جس کے لیے احتجاج کرنے والے دس



اسی وقت پیدا ہو گئے۔ میں نے عرض کیا کہ موضوعات بہت تفصیلی ہیں۔ میں تو صرف خاکے رکھنا چاہتا ہوں آپ کے سامنے۔ تاکہ جو میرے سننے والے ہیں وہ ان حقائق کو پہچانیں۔

شہادت حسینؑ کے بعد جب سر امام حسینؑ حاکم وقت یزید کے سامنے پیش ہو اور اہل حرم کالایا گیا تو دوسرے عمل اسی وقت سامنے آئے۔

پہلے رد عمل یہ ہے کہ روم کے بادشاہ کس سفیر دربار یزید میں موجود ہے اس نے دیکھا کہ سر حسینؑ سامنے رکھا ہوا ہے اور حاکم اس سر حسینؑ سے بے ادبی کر رہا ہے تو اسے کہا کہ کیا میں بوچھل سکتا ہوں یہ کس کا سر ہے؟ بتانے والے نے بتایا کہ یہ حسینؑ کا سر ہے۔

کہا کن حسینؑ وہی حسینؑ جسکو حسینؑ بن فاطمہؑ کہا جاتا ہے۔  
کہا ہاں وہی حسینؑ۔

کہا اسی فاطمہؑ کا بیٹا جو نبیؐ کی بیٹی ہے۔

کہا ہاں اسی فاطمہؑ کا بیٹا جو نبیؐ کی بیٹی ہے۔

کہا کس قدر شرم کی بات ہے کہ جناب عیسیٰؑ جس جا نور ہر سوار ہوتے تھے اس جا نور کے ٹم کا ایک حصہ آج تک ہمارے یہاں کی عبادت گاہ میں پایا جاتا ہے اور ہماری ساری قوم اسکی زیارت کیلئے آتی ہے۔ یہ جناب عیسیٰؑ کی کوئی یادگار نہیں ہے خریجیؑ کی یادگار ہی عیسیٰؑ کی یادگار ہے اور ساری قوم اسکی زیارت کرنے کیلئے آتی ہے۔ کہا دور عیسیٰؑ اور کہاں یہ دور۔

کہاں عیسیٰؑ اور کہاں عیسیٰؑ کی سواری۔

اور کہاں اسکا ٹم اور کہاں یہ زیارت اور کہاں تم مسلمانوں کی بے غیرتی کہ حسینؑ اور نبیؐ کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہے نبیؐ ہی کی بیٹی کے پیٹے کا نام

حسینؑ ہے اور تم نے اپنے نبیؐ کی بیٹی کے بیٹے کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے سفیر روم یہی احتجاج کر رہا ہے کہ جو ہوا ہے وہ غلط ہوا ہے اور جو کرنے والا ہے وہ مجرم ہے وہ ظالم ہے۔

دوسرا رد عمل جو سامنے آیا یہ یہودیوں کا نمائندہ ہے کہتا ہے کہ ہم داؤد کی سترھویں پشت میں ہیں اور ہماری قوم ہمارا احترام کرتی ہے۔ کس قدر بے غیرت ہو تم مسلمان کہ یہ تمہارے پیغمبرؐ کی بیٹی کا بیٹا ہے اسکو تم نے قتل کیا ہے اور اس کے بعد خوشیاں منا رہے ہو۔ مسرت کا نظارہ کر رہے ہو۔

تیسرا رد عمل یہ ہے کہ ایک نبیؐ کا صحابہ بھی دربار میں ہے جب اس نے دیکھا کہ حسینؑ کے لب و دندان کو چھڑی لگائی جا رہی ہے اور بے ادبی کی جا رہی ہے تو پکار اٹھا۔ یزید اب مجھ سے یہ بے ادبی برداشت نہیں ہو سکتی ہے۔ اپنی چھڑی کو ہٹا لے۔ میں نے ان لبوں کے بارے میں پیغمبرؐ کو دیکھا ہے کہ انھیں بوسہ دے رہے ہیں۔

یہ احتجاج صحابہ نبیؐ کی طرف سے ہے۔

اس کے بعد ایک احتجاج دربار یزید میں خود دربار کی طرف سے ہے اور اس کے بعد جب دربار برخواست ہو چکا تو قیصر روم نے خط لکھا یزید کو کہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے اپنے سفیر کے ذریعہ کہ تم نے اپنے نبیؐ کے نواسے کو اپنے نبیؐ کی بیٹی کے بیٹے کو قتل کیا ہے۔ کس قدر شرم کی بات ہے کہ تم نے اپنے پیغمبرؐ کو اتنی جلدی بھلا دیا ہے اور پیغمبرؐ کی ذریت کو تہ تیغ کر دیا ہے۔

اس کے بعد جب عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ میں یزید نے ابن عباس سے کمک کا مطالبہ کیا تو ابن عباس نے کہا یزید تجھے حیا نہیں آتی ہے کہ تو نے کل حسینؑ بن علیؑ کو قتل کیا اور آج تو مجھ سے مدد مانگتا ہے کہ میں ایسے ظالموں کی مدد



کروں جو خاندان رسالت کو برباد کر دینا چاہتے ہیں جو غلامانہ نبوت کو تباہ کر دینا چاہتے ہیں جو پیغمبر کی اولاد کو زندہ نہ چھوڑنا چاہیں یہ وہ شخصیتیں ہیں کہ جن کو عالم اسلام نے پہچانا ہے۔

جب دربار یزید میں سر حسین لایا گیا تو روایت کا فقرہ ہے کہ یزید نے نشر حکومت میں چور ہو کر اور کمال مسرت کا اظہار کرنے کیلئے سر حسین کو گھر کے اندر بھیج دیا۔ جیسا کہ بعض مغرور بادشاہوں اور حاکموں کا طریقہ ہوتا ہے کہ گھر والوں کو خوش خبری سنائی جائے تو گھر والے زیادہ خوش ہوں گے اسلئے کہ عورتوں کا مزاج بہر حال مردوں کے مقابلہ میں کسی نہ کسی انداز سے مختلف ہوتا ہے۔ یزید نے سرہام حسین کو اپنے گھر کے اندر اپنے حرم میں بھیج دیا تاکہ گھر والوں کو معلوم ہو جائے کہ مجھے فتح نصیب ہوئی ہے اور جو میرے مقابلہ میں اٹھا تھا اسے ہم نے قتل کر دیا ہے اور یہ اس کا سر آ گیا ہے۔

روایت کا فقرہ ہے کہ یزید کی ایک بیٹی ہے عاتکہ۔ باہر والوں کا ذکر نہیں ہے۔ یہ حسین اور حسین کے چاہنے والوں کا تذکرہ نہیں ہے۔ یزید کی بیٹی نے جیسے ہی سر حسین کو دیکھا۔ اٹھا کر سیز سے لگایا اور کہا "ہذا ابن بنت رسول اللہ" یہ رسول اللہ کی بیٹی کا بیٹا ہے۔ اسے یہ کیا غضب کیا گیا۔ نبی کی بیٹی کے بیٹے کو قتل کر دیا گیا۔

مجھے تو نہیں معلوم تھا۔ کیا دنیا میں اتنا بڑا بھی ستم ہو سکتا ہے کہ فرزند رسول کو قتل کر دیا جائے، یہ برتاؤ سر حسین کے ساتھ کس نے کیا ہے؟  
یہ رد عمل یزید کی بیٹی کا سامنے آیا۔

اور جب اہل حرم کو لا کر دربار میں کھڑا کیا گیا اور یزید نے اہل حرم کی توہین شروع کی تو یزید کی زوجہ ہند چادر پھینک کے دربار میں آ گئی۔ یزید نے

جب یہ منظر دیکھا تو آگے بڑھا اور اپنی ردا اپنے دوش سے اتار کر ہند کے سر پر ڈال دی۔ یہ تو نے کیا غضب کیا بغیر پردہ کے بغیر چادر کے دربار میں نکل آئی۔ ہند نے کہا ظالم تجھے حیا نہیں آتی ہے میرے پردے کا تجھے خیال ہے اور یہ نبی کی بیٹیاں ہیں۔ یہ زہرا کی لڑکیاں ہیں۔ ان کے پردہ کا خیال نہیں ہے۔ ان کی چادریں چھین لی گئیں اور انھیں سرد دربار لاکر یوں کھڑا کیا گیا ہے۔ وہ یزید کی بیٹی کا رد عمل تھا اور یہ یزید کی زوجہ کا رد عمل ہے۔

اور آخری رد عمل یزید کے بعد یزید کے نئے معاویہ بن یزید کا ہے۔

یزید کے باپ کا نام بھی معاویہ ہے اور یزید کے بیٹے کا نام بھی معاویہ ہے۔ یزید کا بیٹا معاویہ بن یزید جب اسے حکومت ملی تو اس نے جو پہلا خطبہ خلافت پڑھا اس میں اعلان کیا کہ "قد نازع فی هذا الامر میرے دادا نے اس مسئلہ میں اس سے اختلاف کیا۔ من کان اولیٰ بہ منہ" جو اس خلافت کا اس سے کہیں زیادہ حقدار تھا۔ میرے دادا نے اس مسئلہ خلافت میں اس سے اختلاف کیا جو اس مسئلہ خلافت میں اس سے کہیں زیادہ حقدار تھا۔ اور میرے باپ نے بھی اس سے حق چھینا ہے کہ جس کا حق تھا۔ اب میں غصبی تحت پر نہیں بیٹھنا چاہتا۔ وہ حکومت کر کے دنیا سے چلے گئے۔ کیا لعنتوں کا حقدار میں ہی بننا چاہتا ہوں۔ میں ایسے تحت کو نہیں چاہتا۔

ملاہو اتحت، ملاہو اتاج، ملاہو اتتار۔ یزید کے بیٹے نے ٹھکرا دیا۔ حضرت پیامِ عظمیٰ نے سچ کہا ہے۔

شہرہ کے خود ہی ہٹ گیا بیٹا۔ یزید کا

اتنا ذلیل تو نے کیا تحت شام کو

کل اتتار کے چچے، تحت و تاج کے چچے لوگ جان دے رہے تھے اور آج



یزید کا بیٹا الگ ہو رہا ہے۔ اب آپ کو اندازہ ہوا۔ صحابہ کو دیکھا یزید کے عمل سے اختلاف کرتے ہوئے۔ غیروں کو دیکھا اختلاف کرتے ہوئے۔ بیٹی کو دیکھا برا کہتے ہوئے۔ زوجہ کو دیکھا اختلاف کرتے ہوئے۔ بیٹے کو دیکھا اختلاف کرتے ہوئے۔ ایک ایسا کردار جس سے نہ اپنے راضی نہ غیر راضی۔ نہ اصحاب راضی نہ تابعین راضی۔ نہ بیٹی راضی نہ زوجہ راضی۔ نہ بیٹا راضی نہ مسلمان راضی۔ نہ عیسائی راضی نہ یہودی راضی، اور ایک ایسا کردار جسکو خدا آواز دے "مہری بارگاہ میں پلٹ آ تو ہم سے راضی ہم تجھ سے راضی۔"

اس کے بعد بھی یہ کہا جائے دو برابر کے کردار نکمرا رہے تھے۔ دو برابر کی شخصیتیں مقابلہ کر رہی تھیں۔ العیاذ باللہ کہاں نبی کلال زہر اکالاڈلا، علی کا تخت جگر اور کہاں یزید۔

دونوں کردار میں نے آپ کے سامنے عرض کر دیئے اب خاتمہ کلام میں امام حسینؑ کا وہ تاریخی فقرہ جس میں آپ نے یہ اعلان کیا کہ "مٹی لایا بیابان مثلہ" مجھ جیسا صاحب کردار ایسے انسان کی بیعت نہیں کر سکتا۔ میں اس راہ میں ہر مصیبت کیلئے تیار ہوں۔ ہر آفت کا سامنا کرنے کیلئے تیار ہوں۔ مگر میں اپنا سر جھکا دوں یزید کے سامنے۔ یہ نہیں ہو سکتا ہے۔ میں اپنے دین کی بربادی اور تباہی کو برداشت کر لوں یہ نہیں ہو سکتا ہے۔ میں ہر قربانی دے سکتا ہوں مگر نانا کے دین کو برباد نہ ہونے دوں گا۔ اسلئے کہ یہی میرے نانا کی تعلیم ہے۔

حسینؑ اسی عزم کے ساتھ، اسی ارادے کے ساتھ مدینہ رسول سے نکلے ۲۸ رجب کو۔ اور چند روز کے بعد امام حسینؑ مکہ مکرمہ میں وارد ہوئے۔ یہ حرم الہی ہے۔ یہاں تو ہر ایک کو پناہ مل جاتی ہے۔ یہ حرم خدا ہے یہاں تو جائے امن ہے۔ ہر ایک کو پناہ مل سکتی ہے۔ اس کے بعد جب اہل کوفہ کے خطوط آئے تو امام

حسینؑ نے جناب مسلم کو بھیج دیا یہاں تک کہ آنحضرتؐ کی تاریخ آئی۔ اور حالات اتنے تبدیل ہو گئے کہ لباس احرام میں خنجر چھپا کے لائے گئے کہ حسینؑ بن علیؑ کو طواف خانہ خدا کرتے ہوئے قتل کر دیا جائے اور کسی کو معلوم بھی نہ ہو سکے کہ کس نے حسینؑ کو مارا ہے اور کس نے حسینؑ کو قتل کیا ہے۔ فرزند رسولؐ نے یہ صورت حال دیکھی تو حج کو عمرہ سے تبدیل کیا اور جب ساری دنیا آرہی تھی خانہ خدا کی طرف تو حسینؑ عمرہ کمر کے جا رہے تھے۔ میں انشاء اللہ اس تفصیل کو آپ کے سامنے گزارش کروں گا آج جو تذکرہ عرض کرنا ہے اسے چند لفظوں میں گزارش کر کے مجلس کو تمام کرنا چاہتا ہوں۔

دینا آرہی ہے اور نبیؐ کا نواسہ جا رہا ہے۔ ہر انسان گھبرا گھبرا کے پوچھ رہا ہے۔ لوگ تو آرہے ہیں ساری دنیا تو آرہی ہے آخر نبیؐ کا نواسہ کیوں جا رہا ہے اور حسینؑ چاہتے ہیں کہ لوگ اس ظلم کی طرف متوجہ ہو جائیں کہ اگر صورت حال اتنی سنگین نہ ہو گئی ہوتی تو نبیؐ کا نواسہ جس نے اپنی زندگی میں پچیس مرتبہ پیدال حج کیا ہے وہ مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر نہیں جاسکتا تھا۔ مگر امام حسینؑ نے کہا کہ میں مکہ کو چھوڑ دینا۔ حج کو عمرہ سے بدل دینا گوارا کر لوں گا مگر حرم خدا کی حرمت برباد ہو جائے، سرزمین حرم میرے خون سے رنگین ہو جائے اسے میں گوارا نہیں کر سکتا لہذا امام حسینؑ اب چلنا چاہتے ہیں۔

ارباب عزا اس مقام پر بھی تین رد عمل دیکھے گئے۔

ایک رد عمل تھا حسینؑ کے بھائی کا کہ جو گزارش کرتے ہیں۔ فرزند رسولؐ آپ کہاں جا رہے ہیں اگر آپ نے عراق کا ارادہ کیا ہی تو عراق والوں کا کردار آپ کو معلوم ہے۔ انھوں نے آپ کے بابا کے ساتھ وفا نہیں کی تو آپ کے ساتھ کیا وفا کریں گے۔ آپ کے بھائی کے ساتھ وفا نہیں کی تو آپ سے کیسے وفا



کریں گے۔ آپ کہاں جا رہے ہیں؟

فرزند رسولؐ نے فرمایا کہ اچھا اگر آپ کا یہ مشورہ ہے تو میں آپ کے مشورہ پر غور کروں گا اور صبح جب محمد حنفیہ کو خبر ملی کہ حسینؑ کا قافلہ تیار ہو رہا ہے اور حسینؑ جانا چاہتے ہیں تو آئے گھبرائے ہوئے اور کہا فرزند رسولؐ رات تو آپ نے کہا تھا کہ میں آپ کے مشورہ پر غور کروں گا اور اس وقت آپ کا قافلہ تیار ہو گیا ہے اور آپ جانا چاہتے ہیں۔

فرمایا ہاں میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا مگر میں کیا غور کرتا جب میری آنکھ لگی تو نانا میرے سامنے آئے۔ میں نے کہا نانا اب آپ بتائیں کہ میری ذمہ داری کیا ہے اب آپ فرمائیں کہ مجھے کیا کرنا ہوگا تو میرے نانا نے فرمایا کہ حسینؑ کو بلا جاؤ "شاء اللہ ان یراک قتیلًا" مشیت پروردگار یہ ہے کہ تم خاک و خون میں ڈوب جاؤ تاکہ میرا دین بچ جائے اسلئے میرا جانا ضروری ہو گیا ہے۔ قافلہ تیار ہے سیدانیاں محملوں میں، عماریوں میں بیٹھ چکی ہیں قافلہ آگے بڑھنا چاہتا ہے کہ ایک مرتبہ علیؑ کا عزیز ترین شاگرد ابن عباس آگے بڑھا۔ عرض کرتے ہیں فرزند رسولؐ کیا طے کیا۔

کہا ابن عباس اب کیا پوچھ رہے ہو قافلہ تیار ہے بیٹیاں عماریوں میں سوار ہو چکی ہیں۔ اب یہ قافلہ جانے والا ہے۔

کہا کیوں اب نمبرنے کا کوئی امکان نہیں ہے؟  
کہا نہیں اب تو مجھے جانا ہے۔

کہاں جا رہے ہیں۔

عراق جا رہا ہوں۔

عراق میں کہاں جائیں گے؟

کہا کر بلا جا رہا ہوں۔

ارے کر بلا کیوں جا رہے ہیں؟

کہا نانا کا حکم ہے جاؤ حسینؑ جان قربان کرو تاکہ میرے دین کو زندگی مل جائے۔ دین باقی رہ جائے یہ سننا تھا کہ ابن عباس نے عجب فقرہ کہا۔

فرزند رسولؐ جب آپ جانتے ہیں کہ آپ قربان ہونے جا رہے ہیں جب آپ جانتے ہیں کہ آپ گلا کٹانے جا رہے ہیں "فما معنی مملک هذه النسوة" تو ان بیبیوں کو کیوں لیے جا رہے ہیں۔ ان عورتوں کو کیوں لیے جا رہے ہیں۔ سنو گے عزیزو! بس یہ سننا تھا کہ حسینؑ تو کہہ کر چپ ہو گئے کہ ابن عباس یہ میرا ساتھ نہ چھوڑیں گی۔ ابن عباس یہ سیدانیاں مجھے تنہا نہ جانے دیں گی۔ مگر ایک مرتبہ پردہ محمل سے آواز آئی۔

ابن عباس خاموش خردار کچھ نہ کہنا۔ کیا چاہتے ہو بہن بھائی سے جدا ہو جائے۔ کیا چاہتے ہو بہن اور بھائی میں جدا ہو جائے یہ ناممکن ہے جب تک زینب زندہ رہے گی اپنے مانجانے کا ساتھ نہ چھوڑے گی۔

اجر کم علی اللہ۔ قافلہ مکہ سے چلا بہن بھائی کے ساتھ رہی۔ قافلہ دوسری محرم کو وارد سرزمین کر بلا ہوا بہن بھائی کے ساتھ ہے۔ وقت گذرنا ہا ہر مصیبت میں زینبؑ حسینؑ کے ساتھ ہے عاشور محرم آیا ہر قدم پر زینبؑ حسینؑ کا ساتھ دے رہی ہیں۔ ہر مرحلہ پر بہن بھائی کا دل سنبھالے ہوئے ہے لیکر۔ اک وقت آیا جب حسینؑ نے آکر آواز دی زینبؑ میرا آخری سلام۔

بس عزا دارو! مجلس تمام ہو رہی ہے۔ اب بہن اور بھائی میں جدا ہوئی کا وقت آ گیا۔ بہن میرا آخری سلام۔ مجھے رخصت کرو۔ بہن نے رخصت تو کر دیا مگر جب بھائی درخیمہ پر آتا تب بہن نے چادر سنبھالی اور درخیمہ تک آئی۔ بھیا گھبرائے



گا نہیں ابھی تو میں زندہ ہوں یہ کہہ کر بازو تھاما۔ مانجانے کو گھوڑے پر سوار کیا۔ کہا بھیا جاؤ خدا کے حوالے کیا۔ حسینؑ مقتل میں آئے مگر زینب کو اپنا وعدہ یاد ہے۔ جب دیکھا کہ مانجایا نظر نہیں آتا تو ایک مرتبہ زینب ایک بلندی پر آئیں۔ وہ منظر دیکھا کہ خدا کسی بہن کو زندہ کھلائے۔ بہن نے دیکھا کہ بھائی کا سر سجدہ میں ہے اور شمر خنجر لیے سرہانے کھڑا ہے۔ ایک مرتبہ آواز دی اوہ سر سعد ارے میرا مانجایا ذبح ہو رہا ہے اور تو کھڑا دیکھ رہا ہے۔

لو عزا دارو! آخری مرحلہ تک بہن نے اپنے آخری وعدہ کو پورا کیا مگر میں جو آخری جملہ کہنا چاہتا ہوں اور جہاں بیان کو تمام کرنا ہے کہ جب حسینؑ وطن کو چھوڑ کر چل رہے تھے تو بہن تو ساتھ چلی مگر وہ نانی جو حسینؑ سے جدا نہیں ہونا چاہتی تھی اسکو حسینؑ نے سمجھایا کہ نانی اماں مصلحت پروردگار ہے کہ آپ وطن میں رہیں۔ میں جاؤں گا۔

ارے بینا جب تم قربان ہونے جا رہے ہو۔

بینا جب تم عراق اور کربلا جا رہے ہو تو نانی کو کیسے معلوم ہوگا کہ تم پر کیا گذر گئی۔ کیسے مجھے معلوم ہوگا کہ تم کس عالم میں ہو۔

حسینؑ نے کہا نانی میں آپ کے حوالے خاک کر بلا کئے جاتا ہوں۔ ہاتھ بڑھایا اور ایک مشت خاک انھا کے جناب ام سلمہ کے حوالے کر دی۔ کہا اس مشت خاک کو اپنے پاس رکھئے اور برابر یہ دیکھئے گا کہ جب تک یہ خاک خاک رہے آپ سمجھیں کہ آپ کا حسینؑ سلامت ہے اور جب یہ خاک خون میں تبدیل ہو جائے تو سمجھئے گا کہ آپ کا حسینؑ دنیا میں نہیں ہے۔

لو اباب عزا! عاشور کا دن آیا ام سلمہ بستر پر ہیں۔ آنکھ لگ گئی۔ پیغمبرؐ کو خواب میں دیکھا۔ سر کے بال بکھرے ہوئے، گریبان چاک، آستین اُٹنے ہوئے۔

گھبرا کے کہا۔ خدا کے حبیب یہ آپ کا کیا عالم ہے۔

کہا ام سلمہ، تم سو رہی ہو میں کٹ گیا۔ میرا گھرا بڑ گیا۔ ارے میں کربلا سے آ رہا ہوں۔ میرا حسینؑ مارا گیا۔

بس عزا دارو! یہ سننا تھا کہ گھبرا کے انھیں اب جو شیشے کو دیکھا تو کیا دیکھا کہ خون تازہ جوش مار رہا ہے۔

فریاد کی "وا حسیناہ" مدینہ کی بیٹیاں جمع ہو گئیں۔

ام المؤمنین یہ نہ کہنے حسینؑ سفر میں ہیں کوئی اس طرح نہیں روتا ہے۔ خدا حسینؑ کو سلامت رکھے۔

کہا اب کیا دعا کر رہی ہو۔ اب میرا حسینؑ کہاں رہ گیا۔

کہا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟

کہا پیغمبرؐ نے مجھے بتایا ہے کہ میرا حسینؑ مارا گیا یہ کہہ کر قبر پیغمبرؐ کے سرہانے آئیں۔

نہ سن سکو گے روایت کا فقرہ۔

قبر پیغمبرؐ کے سرہانے آئیں۔ کہا اے خدا کے حبیب میں آپ کو آپ کے حسینؑ کا پر سر دینے آئی ہوں۔ یہ کہہ کر کہا وا حسیناہ۔ قبر پیغمبرؐ لرزنے لگی۔

اے ام سلمہ میں کھڑا دیکھ رہا تھا جب میرا حسینؑ ذبح ہو رہا تھا۔ انا لله وانا الیہ راجعون



## مجلس ۳

اے نفس مطمئن پلٹ آ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں۔ تو ہم سے راضی ہے تم تجھ سے راضی ہیں۔ آمیرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ سورہ مبارکہ فجر کی ان آخری آیات کریمہ کے ذیل میں "کر بلا شناسی" کے عنوان سے جو سلسلہ کلام تین دن پہلے شروع ہوا تھا اور جسکی تیسری کڑی آج آپ کے سامنے گزارش کرنا ہے وہ مسند ہے "اسباب قیام" حسین بن علی کا تفصیلات کو گزارش کرنے سے پہلے اپنے سامعین کیلئے چند الفاظ کی وضاحت کر دینا ضروری ہے تاکہ وہ کر بلا کی حقیقت سے آشنا ہو سکیں۔

ہماری اصطلاح اور ہماری زبان میں کسی حکومت سے مقابلہ کرنے کیلئے اور اس کے مقابلہ پر اٹھنے کیلئے مختلف قسم کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ اسی مقابلہ کو کبھی لفظ خروج سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ فلاں انسان نے فلاں حکومت سے خروج کیا ہے۔

اسی مقابلہ کو کبھی انقلاب سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ فلاں نے حکومت کے مقابلہ میں انقلاب برپا کیا ہے اور دور حاضر میں اسی مقابلہ کیلئے بہترین لفظ دہشت گردی ہے۔

یعنی جب کسی حاکم کو یہ خیال پیدا ہو جائے کہ ہمارے مقابلہ میں اٹھنے

والے ہماری حقیقت کو بے نقاب کر دیں گے تو ان کے قیام کے کامیاب ہونے سے پہلے انھیں یہ خطاب دے دیا جائے کہ یہ دہشت گرد ہیں۔ یہ دہشت گردی کرنے والے ہیں تاکہ عوام الناس ان کے قیام کی طرف اور ان کے انقلاب کی طرف متوجہ نہ ہو سکیں اور ان کے بیان کو ناقابل سماعت قرار دیدیا جائے اور وہ ہمارے جن عیوب کا پردہ چاک کر رہے ہیں وہ عیوب بس پردہ ہی رہ جائیں اور کوئی ان کی حقیقت سے آشنا نہ ہو سکے۔

یہ وہ مختلف تعبیرات ہیں جو ہمارے سامنے وقتاً فوقتاً آتی رہتی ہیں۔ میں ان تفصیلات میں زیادہ وقت نہیں صرف کر سکتا لیکن بہر حال حقیقت کر بلا کو سمجھانے کیلئے اپنے تمام سامعین کیلئے یہ لفظ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ پہلے آپ یہ پہچانیں کہ فرزند رسول اثنین نے اپنے دور کی حکومت کے مقابلہ میں جو آواز بلند کی ہے اس آواز کو خروج کہا جائے یا اس آواز کو قیام کہا جائے۔ اس آواز کو بغاوت کہا جائے یا اس آواز کو انقلاب کہا جائے؟

جس وقت امام حسینؑ نے یزیدیت کے خلاف آواز بلند کی ہے اس وقت یزید نے امام حسینؑ کے احتجاج کو جو نام دیا ہے وہ آپ سب جانتے ہیں کہ سارے شام میں اس بات کا پروپیگنڈہ ہو رہا تھا کہ ایک خارجی نے حاکم وقت کے خلاف خروج کیا تھا اور ایسے انسان کا جو انجام ہوتا ہے وہی فرزند رسول کا انجام ہوا۔

یعنی کل کی حکومت نے امام حسینؑ کے اقدام کا نام خروج رکھا تھا جسکا مطلب یہ ہے کہ کل بھی اور آج بھی تقریباً ہر انسان جب اس لفظ کو استعمال کرتا ہے تو اس کے ذیل میں یہی سمجھنا چاہتا ہے کہ چونکہ حکومت برحق ہے لہذا اس کے مقابلہ میں جو بھی اقدام ہوگا اسے خروج کا نام دیا جائے گا۔ اور آج بھی یہ لفظ جہاں استعمال ہوتا ہے اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ اگر حاکم حق بجانب ہے



تو اس کے مقابلہ میں انھنے والے کے قیام اور اقدام کو خروج سے تعبیر کیا جائے۔ اسی لیے میں آپ سے یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے یہاں جب جناب مختار کے حالات نقل کئے جاتے ہیں تو عام طور سے یہی لفظ استعمال ہوتا ہے خروج مختار۔ اس لفظ کو کل جن لوگوں نے جن مصلحتوں کے تحت استعمال کیا ہو۔ کل جناب مختار کے اقدام کے بارے میں یہ لفظ خروج جن مصلحتوں کے تحت استعمال کیا گیا ہو وہ میں نہیں جانتا لیکن آج یہ لفظ خروج جس اعتبار سے استعمال کیا جاتا ہے اس اعتبار سے مختار کے قیام کو کسی قیمت پر خروج نہیں کہا جاسکتا ہے۔ اسلئے کہ دنیا خروج اس اقدام کو کہتی ہے جو کسی حق بجانب حکومت کے مقابلہ میں ہوتا ہے لیکن جہاں باطل ہی باطل نظر آتا ہو۔ جہاں ظالم ہی ظالم اور غاصب ہی غاصب دکھائی دیتے ہوں ان کے خلاف اشقام کا نعرہ بلند کرنے والا ایک حق بجانب اقدام کرنے والا ہوگا اور اس کے اقدام کو کسی قیمت پر خروج نہیں کہا جاسکتا ہے۔

کل ایک دور تھا جب امام حسینؑ نے اقدام کیا تو ان کے اقدام کا نام خروج پڑا اور جب خون حسینؑ کے نام پر مختار نے قیام کیا تب ان کے اقدام کو اسی لیے خروج کہا گیا تاکہ دنیا کو یہ سمجھایا جائے کہ نہ وہ اقدام صحیح تھا جو بیزید کے مقابلہ میں امام حسینؑ نے کیا تھا اور نہ یہ اقدام صحیح ہے جو قاتلان حسینؑ کے مقابلہ میں مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کر رہے ہیں۔

اس کے بعد دوسرا مسئلہ ہے جسکو بغاوت اور انقلاب کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی طاقت کسی برسر اقتدار حکومت کے مقابلہ میں قیام کرتی ہے اور کوئی شخص حکومت وقت کے مقابلہ میں آواز بلند کرتا ہے تو اس اقدام کو دو نام بہ یک وقت ملتے ہیں۔

جو اقدام کرنے والے ہیں وہ اپنی آواز کو انقلاب کہتے ہیں اور جو تخت و تاج پر قبضہ کرنے والے ہیں وہ اس آواز کو بغاوت کہتے ہیں۔ یہ الفاظ آپ سنتے رہتے ہیں کبھی آپ نے ایسا نہ دیکھا ہوگا کہ جو مقابلہ میں اقدام کرنے والا ہو وہ اپنے اقدام کو بغاوت کہدے اس کا تو نعرہ ہی ہوتا ہے "انقلاب زندہ باد" جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے اقدام کو انقلاب کہنا چاہتا ہے۔ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ جو اقتدار پر قبضہ کئے ہوئے ہیں وہ اس آواز کو انقلاب کا نام دیدے اسلئے کہ اگر اسکا نام انقلاب ہو گیا تو اپنی حیثیت کیارہ جائے گی، اپنی حقیقت کیارہ جائے گی لہذا یہ اپنے تخت و تاج کو حق بجانب بتانے کیلئے اسے بغاوت کہتا ہے اور جب تک یہ نکر او برقرار رہتا ہے۔ جب تک حکومت میں اور مقابلہ میں یہ نکر او جاری رہتا ہے یہ طے ہی نہیں ہوتا ہے کہ ان کا نام صحیح ہے یا ان کا نام صحیح ہے۔ ایک ہی حرکت کو، ایک ہی عمل کو ادھر سے بغاوت کہا جاتا ہے اور ادھر سے انقلاب کہا جاتا ہے اور طے نہیں ہو پاتا کہ واقعاً اسکا نام انقلاب ہے یا اسکا نام بغاوت ہے۔

فیصلہ کب ہوتا ہے جب معرکہ تمام ہو جاتا ہے کہ اگر اقدام ناکام ہو جاتا ہے تو اسی اقدام کو بغاوت کہدیا جاتا ہے اور اگر اقدام کامیاب ہو جاتا ہے تو اسی اقدام کو انقلاب کہدیا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ملکوں میں بغاوت بار بار ہوتی ہے اور انقلاب ایک ہی دفعہ ہوتا ہے۔

ایک آواز انہی کامیاب نہ ہو سکی اسے بغاوت کہا گیا۔ دوسری آواز انہی کامیاب نہ ہو سکی اسے بغاوت کہا گیا۔ تیسری آواز انہی کامیابی نہ ملی اسے بغاوت کہا گیا مگر جس دن تختہ اٹ گیا اب کوئی بغاوت نہیں کہتا اسلئے کہ کہنے والے پلے



گئے۔ جو اس اقدام کو بغاوت کہنے والے تھے وہ تخت سے اتر گئے۔ ان کا اقتدار ختم ہو گیا۔ اب کون کہنے والا ہے۔ اب تو دوسرے برسر اقتدار آگئے ہیں لہذا وہ اپنے اقدام کو جو نام دیں گے وہی نام ہو جائے گا۔ اب آنے والوں نے اعلان کیا "الحمد للہ" ہمارا انقلاب کامیاب ہو گیا۔ اب کوئی نہیں کہتا کہ ہماری بغاوت کامیاب ہو گئی۔ اسلئے کہ اگر اپنے عمل کو بغاوت سمجھتے ہوتے تو اقدام ہی کیوں کرتے۔ اگر اپنے عمل کو بغاوت کا نام دیا ہوتا تو اٹھتے ہی کیوں۔ اسلئے کہ بغاوت تو عام طور سے حق بجانب برسر اقتدار کے خلاف ہوتی ہے لہذا وہ اپنے کام کو روز اول سے انقلابی تحریک کہہ رہے تھے جب تک کامیاب نہیں ہوتے جو تخت پر بیٹھا ہوا تھا وہ انھیں باغی قرار دے رہا تھا جس دن کامیاب ہو گئے انھوں نے اپنے اقدام کو انقلاب کا نام دیدیا اور اب بغاوت کہنے والا کوئی نہیں ہے۔

یہاں تک آنے کے بعد ایک جملہ کہہ کر سلسلہ بیان کو آگے بڑھانا چاہتا ہوں۔ آخر اس کے معنی کیا ہیں کہ جب اقتدار کے خلاف آواز اٹھتی ہے تو اقتدار والے بغاوت کہتے ہیں، خروج کہتے ہیں اور اٹھنے والے انقلاب کہتے ہیں، احتجاج کہتے ہیں اور جب بات تمام ہو جاتی ہے تو اگر آواز کو دبا دیا گیا تو بغاوت ناکام ہو گئی اور اگر اقتدار تخت چھوڑ کر الگ ہو گیا تو انقلاب کامیاب ہو گیا۔

یزید نے انتہائی ہوشیاری سے چاہا تھا کہ یہ اعلان کر دے کہ ایک باغی نے بغاوت کی تھی، ایک خارجی نے خروج کیا تھا تاکہ دنیا سمجھے کہ حسینؑ کامیاب نہیں ہو سکے۔ ورنہ اگر کامیاب ہو گئے ہوتے تو پھر اسکا نام خروج نہ ہوگا۔ اگر کامیاب ہو گئے ہوتے تو اسکا نام بغاوت نہ ہوتا۔ یہ نام اسی لیے دیا گیا تھا کہ شامیوں کو، کو فیوں کو اور اس وقت کے مسلمانوں کو یہ باور کرادیا جائے کہ اقتدار اپنے مقام پر باقی ہے اور حسینؑ جو اقدام کرنا چاہتے تھے وہ اقدام ناکام ہو گیا ہے اسی لیے

حسینؑ کے اقدام کو خروج کہا گیا اور ان کے اقدام کو بغاوت کا نام دیا گیا۔ مگر فیصلہ یہ کرنا ہے کہ حسینؑ جب انھے تھے تو وہ واقعاً خروج تھا یا انقلاب تھا۔ امام حسینؑ نے پہلے دن جب انکار بیعت یزید کیا تو یہ آواز دی کہ مجھ جیسا انسان یزید کی بیعت نہیں کر سکتا ہے۔ یہ تخت حکومت اسلام پر بیٹھا ہے اور شراب پیتا ہے۔ تخت حکومت اسلام پر بیٹھا ہے اور بدکاری کرتا ہے۔ تخت حکومت اسلام پر بیٹھا ہے اور وحی خدا کا مذاق اڑاتا ہے۔ تخت حکومت اسلام پر بیٹھا ہے اور وحی خدا کو بے بنیاد قرار دے رہا ہے۔ تشریل آہی کا انکار کر رہا ہے۔

یہ جتنی باتیں اور جتنے خصوصیات امام حسینؑ نے یزیدی المذاہ کے بیان کئے اگر اسلام میں یہ خصوصیات باقی رہ گئے تو خارجی کا خروج ناکام ہو گیا یعنی اگر آج بھی اسلام میں جو ہے۔ اگر آج بھی اسلام میں عمرات جائز ہیں۔ تو خارجی کا خروج ناکام ہو گیا اور صاحب اقتدار کا اقتدار باقی رہ گیا۔ لیکن اگر آج مسلمان ہمت نہیں کرتا کہ شراب کو جزو اسلام بنائے۔ بدکاری کو داخل اسلام قرار دے۔ عمرات پیغمبرؐ کو حلال بنائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انقلاب کر بلا کامیاب ہو گیا اور اقتدار یزید بے نقاب ہو گیا۔

اسی لیے میں نے ایک درمیانی راستہ اختیار کیا ہے اور ایک درمیانی لفظ منتخب کیا ہے یعنی قیام حسینؑ بن علیؑ۔

امام حسینؑ نے ایسے حالات میں کیوں قیام کیا؟ اس کے بارے میں ہر فرقہ کے اور ہر جماعت کے علماء نے اور صاحبان نظر نے بحث کی ہے کہ امام حسینؑ نے کیوں قیام کیا۔

اس سوال کے چھپے دو سوالات اور ہیں۔ ان دو سوالات پر بھی آپ نگاہ رکھیں گے۔



یہ سوال کہ امام حسینؑ نے کیوں قیام کیا یہ سوال پہلی دلیل ہے کہ اوروں نے نہیں کیا۔ میری بات ضائع نہ ہونے پائے۔

امام حسینؑ کے بارے میں یہ سوال کہ امام حسینؑ نے کیوں قیام کیا۔ کیوں اقدام کیا یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ امام حسینؑ کے علاوہ اور جتنے ذمہ دار دین و مذہب بنے ہوئے تھے چاہے ذاتی طور پر، چاہے وراثتی اعتبار سے کسی اور نے قیام نہیں کیا ورنہ اگر اور بھی قیام کرنے والے ہوتے تو پھر یہی سوال کیوں ہے کہ امام حسینؑ نے قیام کیا۔ یہ بھی سوال ہوتا کہ عبد اللہ بن زبیر نے کیوں قیام کیا۔ یہ بھی سوال ہوتا کہ فلاں فلاں نے کیوں قیام کیا۔ یہ بھی سوال ہوتا کہ فلاں فلاں نے کیوں قیام کیا۔ یہ سوال نہ ہونے خود اس بات کی علامت ہے کہ اس دور میں یزید کے خلاف بولنے والا ایک ہی انسان تھا دوسرا کوئی انسان نہیں تھا۔

یہ سوال کی پہلی بنیاد ہے اور دوسری بنیاد یہ ہے کہ یہ سوال جو ہوا کہ امام حسینؑ نے کیوں قیام کیا۔ اس سوال کے صحیحہ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ حالات کیا تھے۔ حالت تو سب جانتے ہیں، حالت سب کو معلوم ہیں کہ حالات کیا تھے۔ دین کا عالم کیا تھا، مذہب کا عالم کیا تھا، عوام کا عالم کیا تھا، اسکی تفصیل میں ابھی آپ کے سامنے گزارش کروں گا۔ یہ ساری ہمدردی جو پیدا ہوئی ہے کہ امام حسینؑ نے ایسے بدترین حالات میں اتنی شدید مخالفت کے باوجود کیوں قیام کیا اس ہمدردی کی بنیاد یہ ہے کہ امام حسینؑ کو یہ سوچنا چاہئے تھا کہ ان حالات میں جو انسان بھی قیام کرے گا جو انسان بھی اقدام کرے گا وہ زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔ ساری پریشانی اور ساری ہمدردی عالم اسلام میں اتنی ہی ہے کہ امام حسینؑ جانتے تھے کہ حالت ایسے ہیں کہ یزید کا اقتدار کامیاب ہو گیا ہے۔ لوگ اسے خلیفہ المسلمین مانتے کیلئے

تیار ہو گئے ہیں۔ دین فروشی عام ہو گئی ہے۔ سکوں کے سیلاب میں آسمان چھبے جا رہے ہیں تو ایسے موقع پر کوئی مشکل کام نہیں تھا کہ امام حسینؑ بھی اسی راستے پر چلے جاتے جس راستے پر لوگ جا رہے تھے اور کم از کم اس دور میں نہ ہونے کے اعتبار سے امام حسینؑ یہ منظر تو دیکھ رہے تھے کہ جدھر ساری دنیا جا رہی ہے اگر ہم اس کے ساتھ نہ جائیں گے تو ہمارا انجام کیا ہوگا۔ نہ ہم رہ جائیں گے نہ گھر رہ جائے گا نہ اولاد رہ جائے گی نہ اصحاب رہ جائیں گے۔ نہ انصار رہ جائیں گے۔ سب قربان ہو جائیں گے۔ تو ایسے حالات میں امام حسینؑ کو نہیں اٹھنا چاہئے تھا۔

ہر ایک کو فکر ہے امام حسینؑ کی زندگی کی۔ کاش میری بات آپ پر واضح ہو جائے جتنے ہمدردی کرنے والے ہیں سب کو ایک ہی خیال ہے کہ اگر نہ اٹھے ہوتے تو زندہ رہتے شاید یہ خیال ہے کہ ہزار سال زندہ رہتے، دو ہزار سال زندہ رہتے۔ پتہ نہیں کہ تک زندہ رہتے۔

وہ جو کائنات کا سب سے عظیم ترین انسان تھا جو حسینؑ کے جد بزرگوار تھے وہ تو ۶۳ سال کے آگے زندہ نہ رہے۔ اگر امام حسینؑ نہ بھی اٹھتے تو کتنے سو برس زندہ رہتے۔ کتنے ہزار سال زندہ رہتے ایک نظام قدرت ہے۔ جو دنیا میں آیا ہے اسے دنیا سے جانا ہے۔ مگر ہمدردی کرنے والوں کے ذہن میں ایک ہی خیال ہے کہ اگر امام حسینؑ نہ اٹھتے تو جان بچ جاتی۔ زندگی رہ جاتی۔ اس دنیا میں رہتے۔ آرام رہتا۔ سکون رہتا۔ کوئی پریشانی نہ ہوتی یعنی ہر ہمدردی کرنے والے کو ایک خیال ہے کہ امام حسینؑ کی زندگی رہ جائے۔ کوئی امام حسینؑ سے پوچھے کہ آپ نے کیوں قیام کیا۔ کہا میرے اور ان کے سوچنے کا فرق یہی ہے کہ یہ چاہتے ہیں کہ میں رہ جاؤں اور میں چاہتا ہوں کہ نانا کا دین رہ جائے۔

یہ میری زندگی کی فکر میں ہیں اور میں دین خدا کی زندگی کی فکر میں ہوں۔ یہ



چاہتے ہیں کہ میری جان بچ جائے اور میں چاہتا ہوں کہ اسمان بچ جائے۔ یہ دونوں نگر میں الگ الگ ہیں اور یہ ایک پورا سلسلہ ہے جس کے عرض کرنے کا آج موقع نہیں ہے آج میں اس پوری بحث کو مختصر انداز سے سہی لیکن گزارش کرنا چاہتا ہوں۔

امام حسینؑ کے قیام کے بارے میں یہ سوالات جو اٹھے تو دس طرح کی تاویلیں کی گئیں یعنی دس خیالات سامنے آئے ہیں علاوہ ان مہمل خیالات کے جو وقتی حالات کی پیداوار ہوتے ہیں کہ جب لوگوں نے اشتراکیت اور کمیونزم کو آگے بڑھانا چاہا تو کہا کہ امام حسینؑ نے خود بھی قیام کیا تھا کہ عوام کو روٹی پکڑا نہیں مل رہا تھا۔ یہ تو وہ سطحی نگر ہے جو حالات کی پیداوار ہے جس کے پیچھے نہ کوئی بنیاد ہے، نہ اسکی کوئی واقعیت ہے۔ لیکن وہ باتیں جو صاحبان فکر نے اور اسلام کے پڑھنے والوں نے، تاریخ کے جانتے والوں نے بیان کی ہیں امام حسینؑ کے قیام کے بارے میں وہ دس اسباب ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے وہ اسباب بھی رکھوں اور ان کا تجزیہ بھی تاکہ آپ کے علاوہ بھی جو سننے والے ہیں وہ واقعہ کو بلا کی بنیادوں کو محسوس کر سکیں۔

پہلی بات بعض صاحبان نظر اور بعض اہل قلم نے یہ کہی کہ آپ لوگ اس واقعہ کو اتنی کیوں اہمیت دیتے ہیں کہ دو طاقتیں تھیں باطل اور حق، اسلام اور کفر۔ اسمان اور نفاق اور ان میں ٹکراؤ ہوا۔

یہ کچھ نہیں تھا یہ تو ایک اتفاقی واقعہ تھا۔

دور حاضر میں اس خیال کو مختلف انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ امام حسینؑ اپنے رہتے جا رہے تھے اور اُدھر کالمشکر اپنے راستہ جا رہا تھا۔ راستہ میں اتفاق سے دونوں میں ٹکراؤ ہو گیا۔ کچھ بات آگے بڑھ گئی اور مقابلہ

ہو گیا قصہ ختم ہو گیا۔

راستہ میں اکیڈنٹ کیسے ہوتے ہیں۔ ان کی گاڑی اُدھر سے آرہی ہے ان کی گاڑی اُدھر سے آرہی ہے۔ قاعدہ سے ان کو اُدھر جانا چاہئے ان کو اُدھر جانا چاہئے۔ انھوں نے بھی طے کر لیا کہ اُدھر ہی سے جائیں گے آخر میں دونوں گاڑیوں میں ٹکراؤ ہو گیا۔

یعنی یہ سمجھے کہ کربلا کا واقعہ جیسے دو گاڑیوں کا اکیڈنٹ ہے۔ یہ وہ نادان انسان ہیں یہ وہ جاہل انسان ہیں جنھوں نے کربلا کو دیکھا، کربلا کے سارے پس منظر کو بھلا کے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف کربلا ہے نہ مکہ کوئی شئی ہے نہ مدینہ کوئی شئی ہے نہ کوفہ کوئی چیز ہے نہ شام کوئی چیز ہے۔ دو لشکر زمین سے پیدا ہوئے تھے یا آسمان سے اترے تھے اور وہیں ٹکراؤ ہو گیا۔

یہ تو ایسا جاہل انسان کہہ سکتا ہے جس نے اسلام کی تاریخ میں کچھ پڑھا ہی نہ ہو جو نہ مکہ جاتا ہو نہ مدینہ جاتا ہو، نہ کوفہ و شام کو جاتا ہو اسنے فقط کربلا کا واقعہ ایک دن ایک دوپہر میں دیکھا ہو۔

ایسے جاہل انسان کی گفتگو قابل بحث بھی نہیں ہو سکتی۔

دوسرے مسئلہ جسکو اشتراکی ذہن والوں نے ذرا سنجیدہ بنا کر پیش کیا ہے کہ دنیا میں ہمیشہ جب ٹکراؤ ہوتا ہے تو ہمیشہ اونچے اور نیچے طبقات میں ہوتا ہے جو اشتراکیت کا فلسفہ ہے۔ ایک طبقہ سرمایہ داروں کا اور ایک طبقہ فقیروں کا۔ ظاہر ہے کہ نہ فقیروں کا طبقہ سرمایہ داروں کو برداشت کرتا ہے اور نہ سرمایہ دار یہ چاہتے ہیں کہ فقیروں کو برداشت کریں۔ تو دنیا میں جب بھی کوئی ٹکراؤ ہوتا ہے، کوئی مقابلہ ہوتا ہے تو ہمیشہ اونچے اور نیچے طبقات میں ہوتا ہے۔ ایک طرف سرمایہ دار ایک طرف غریب فقیروں کا طبقہ۔ یہ دونوں ٹکرا جاتا کرتے ہیں۔ اُس دور میں بھی یہی صورت حال پیدا



ہو گئی تھی۔ ایک طرف دو متمذوں کا سرمایہ داروں کا طبقہ تھا اور ایک طرف غریب مفلس عوام تھے جو مزدوروں پر ظلم کرنا شروع کیا اور مزدوروں کی حمایت میں کوئی آواز اٹھانے والا نہ ملا تو امام حسینؑ نے ان کو سہارا دیدیا۔

گویا امام حسینؑ مزدوروں کے نمائندے تھے اور بیزید سرمایہ داروں کا نمائندہ تھا، مزدور اور سرمایہ دار میں ہر جگہ لڑائی ہوتی ہے لہذا وہاں بھی ایک ٹکراؤ ہو گیا اور ظاہر ہے کہ ٹکراؤ کے بعد بالآخر کوئی نہ کوئی تو منظر عام پر آ ہی جائے گا اور کوئی نہ کوئی منظر عام سے ہٹ جائے گا۔

یہ وہ نادان افراد ہیں جنہوں نے واقعہ کربلا کو دو طبقات کے ٹکراؤ کا نام دینا چاہا ہے کہ ایک طرف سرمایہ داروں کا طبقہ ہے، اونچے لوگ، پیسے والے، دولت والے اور ایک طرف غریب مزدور، مفلس عوام لہذا ایسے مقابلے تاریخ میں ہمیشہ ہوتے رہے ہیں اور جب ایسا کوئی مقابلہ ہوگا تو عام طور سے ہوتا یہی ہے کہ مزدور دب جاتے ہیں اور سرمایہ دار اپنے اقتدار کی گرفت کو مضبوط کر لیتے ہیں۔ ہاں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سرمایہ داروں کا تختہ الٹ جاتا ہے اور مزدور برسر اقتدار آجاتے ہیں مگر یہ ٹکراؤ ویسا ہی ہے جیسے دنیا میں ہر ٹکراؤ طبقات کے درمیان ہوتا ہے۔ مگر عزیزو یہ تمام کہنے والے اس حقیقت سے غافل ہو گئے کہ دنیا میں جب مزدور اور سرمایہ دار کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو وہ بھی دو پہلو انوں کی کشتی نہیں ہوتی ہے۔ دو بہادروں کی لڑائی نہیں ہوتی ہے۔ وہ بھی دو نظریات کی جنگ ہوتی ہے۔ وہ بھی دو نظریات کا ٹکراؤ ہوتا ہے۔ سرمایہ دار یہ سمجھتا ہے کہ مزدور کا خون چوس لینا ہمارا حق ہے اور مزدور یہ سوچتا ہے کہ جب ساری پیداوار ہماری محنت کا نتیجہ ہے تو اس ظالم کو قبضہ کرنے کا حق کیا ہے۔

اگر آپ نے ان نظریات کو پڑھا ہے یا جن لوگوں نے پڑھا ہے وہ ان

حقائق کو جانتے ہیں کہ یہ ٹکراؤ طاقتوں کی لڑائی نہیں ہے۔ دو پہلو انوں کی کشتی نہیں ہے۔ یہ بھی دو نظریات ہیں۔ ایک طرف سرمایہ دار ہوتے ہیں جن کا منشا یہ ہوتا ہے کہ کارخانے میں کام کرنے والے، فیکٹری میں محنت کرنے والے جتنی پیداوار بڑھائیں، جتنا پروڈکشن کریں وہ اگرچہ انہی کی محنت کا نتیجہ ہے لیکن جتنا بھی آجائے اس میں سے دو چار پیسے، دیکر انھیں رخصت کر دیا جائے اور باقی پر ہم قبضہ کر لیں تاکہ ہم سرمایہ دار کہیں جائیں اور یہ مزدور کسے جائیں۔ اور مزدور کا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ جب ساری پیداوار اور سارا سرمایہ ہماری محنت کا نتیجہ ہے تو پیداوار ہماری ہے یہ قبضہ کرنے والا کون ہے۔ ہماری محنت سے پیدا ہونے والا سرمایہ ہم مزدوروں پر تقسیم ہونا چاہئے اگر یہ انتظام کرنے والا ہے تو بقدر انتظام دولت اسکو دیدی جائے باقی ہمارا سرمایہ ہمارے ہاتھ میں رہنا چاہئے۔ تو یہ بھی دو نظریات کا ٹکراؤ ہوتا ہے ایک نظریہ سرمایہ داری کے حق میں ہوتا ہے اور ایک نظریہ مزدور کے حق میں ہوتا ہے۔ تو اگر یہ دنیا یہ کہنا چاہتی ہے کہ دو طبقات ٹکرا رہے تھے تو بھی یہ دیکھنا ہوگا کہ اسلام میں جو طبقہ سرمایہ دار بنا وہ کیسے بنا اور اسلام میں جس طبقہ کو مزدور کہا گیا وہ کیسے بنا یعنی اسلام میں سرمایہ دار حق بجانب ہوتا ہے یا مزدور حق بجانب ہوتا ہے۔ اگر اسلام نے سرمایہ داری کو جائز قرار دیا ہے تو اقتدار حق بجانب تھا اور اس آواز کو نہیں اٹھنا چاہئے تھا۔ لیکن اگر اسلام نے روزاول یہ اعلان کر دیا تھا کہ مزدور کا پسینہ خشک نہ ہونے پائے اور اسکی اجرت اسے دیدی جائے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ غیر اسلام کی نمائندگی کر رہا تھا جو سرمایہ دار بنا ہوا تھا اور وہ اسلام کو علمبردار تھا جو ایسے تخت و تاج کو مناد بنا چاہتا تھا۔ عزیزان محترم! اب میں بات کو مجلس کے ذوق سے قریب تر کرنے کیلئے ایک لفظ کہنا چاہتا ہوں آپ پہچان لیں گے کہ اسلام کس کی حمایت کرتا ہے اور



اس کا ذاتی نظریہ کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ اللہ نے اپنے حبیب کو اس کائنات کا اختیار دیا۔ دنیا کا اختیار، آخرت کا اختیار، پیغمبر اسلام کے پاس کیا نہیں تھا۔ وہ انسان جسکو ایک رات میں پروردگار عرش اعظم تک لے جائے اور ساری کائنات اس کے قدموں کے نیچے آجائے۔ اس سے بڑا دولت والا کون ہو سکتا ہے۔ اس سے بڑا سرمایہ کس کے پاس ہوگا۔ اس سے زیادہ مال کس کے پاس ہوگا۔ دنیا کا سارا سرمایہ اس کے قبضہ میں، آخرت اس کے ہاتھوں میں، جبریل امین نے خرائن عرش کی کنجیاں اس کے قدموں میں لا کر ڈال دیں تو دولت کے اعتبار سے نبی سے بڑا دولت والا کوئی نہیں۔ مال کے اعتبار سے نبی سے بڑا مال دار کوئی نہیں۔ اقتدار کے اعتبار سے سرکار سے بڑا اقتدار والا کوئی نہیں ہے۔ مگر یہ تاریخ پڑھنے والے اور قرآن کی تلاوت کرنے والے جانتے ہیں کہ اتنا بڑا اقتدار رکھنے والے پیغمبر ص نے قوم کے سامنے اپنے کو سرمایہ دار بنا کے پیش نہیں کیا بلکہ جب رسالت کی اجرت مانگی تو اپنے کو مزدور بنا کے پیش کیا ہے اسلئے کہ اجرت مزدور مانگتا ہے سرمایہ دار نہیں مانگتا ہے۔

البتہ مزدور اس معنی میں نہیں جس معنی میں ہم لفظ کو استعمال کرتے ہیں بلکہ محنت کرنے والا، زحمت برداشت کرنے والا مشقتوں کا سامنا کرنے والا، اتنی محنت کہ قوم نے خود آ کے کہا حضور آپ نے بڑی زحمت برداشت کی ہی اسکی اجرت لے لیجئے ورنہ قاعدے سے کہنا چاہئے تھا کہ نذرانہ لے لیجئے اسلئے کہ سرمایہ داروں کو نذرانہ دیا جاتا ہے اجرت نہیں دی جاتی ہے۔ دولت مندوں کے سامنے تحفہ پیش کیا جاتا ہے اجرت نہیں دی جاتی ہے۔ یہ اجرت کا لفظ ہی بتا رہا ہے کہ نبی دنیا کے سامنے ایک محنت کش انسان کی شکل میں آنا چاہتے ہیں کہ ہم نے زحمت برداشت کی ہے۔ ہم نے محنت کا سامنا کیا ہے۔ ہم غیروں کے مال پر قبضہ

کر کے کسی انسان کو دولت مند یا سرمایہ دار نہیں بنے دیں گے اور یہی وجہ ہے کہ ہماری تاریخ کا افتخار وہ کردار نہیں ہے جس نے دولت اکٹھا کر کے اپنے کو سرمایہ دار بنالیا تھا۔ ہماری تاریخ کا افتخار وہ کردار ہے کہ جس کے پاس دور قدیم سے اگر بچا ہو سرمایہ ہے۔ بھی تو نبی کے قدموں میں لا کر ڈال دیا۔ اسلام میں دولت مند کی قیمت نہیں ہے اس خدیجہ کی قیمت ہے جس نے دولت کو راہ خدا میں لٹا دیا۔

لہذا اسے دنیا کے عام نظریات کے اعتبار سے طبقاتوں کی جنگ قرار دینا واقعہ کر بلا کی ان اساسوں اور بنیادوں سے ناواقفیت کی دلیل ہے جن بنیادوں پر یہ واقعہ قائم ہوا تھا۔

تیسرا مسئلہ۔ بعض لوگوں نے کہا کہ امام حسینؑ اسلئے اٹھے تھے کہ شہادت میں ثواب بہت ہے یعنی مسئلہ مختصر ہو گیا۔ پیغمبر اسلام کی زبان سے، قرآن مجید کی زبان سے حسینؑ بن علیؑ یہ بات سن چکے تھے کہ شہادت میں اجر بہت ہے۔ شہید زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔ شہید کو مرنے کے بعد بھی روزی ملتی رہتی ہے۔ شہید اللہ کی بارگاہ میں مقرب ہوتا ہے تو چونکہ شہادت میں ثواب زیادہ ہے لہذا امام حسینؑ اٹھ کھڑے ہوئے کہ اگر ہم میں جاٹا ہوں کہ زندہ نہیں رہوں گا مگر شہید تو ہو جاؤں گا ثواب تو مل جائے گا۔

غور کیا آپ نے یعنی نہ اس کے بچے کوئی اسلام ہے نہ کوئی کفر، نہ کوئی مجاہدہ ہے نہ کوئی انقلاب۔ کچھ نہیں۔ ایک ثواب شہادت کے حاصل کرنے کیلئے جسکا ذکر قرآن نے کیا ہے کہ راہ خدا میں شہید ہونے والے مردہ نہیں ہوتے۔ راہ خدا میں مری جانے والوں کو حیات جاودانی ملتی ہے۔ راہ خدا میں قتل ہو جانے والوں کو برزق بے حساب ملتا ہے۔ ان پیغامات کو دیکھ کر امام حسینؑ اٹھ کھڑے ہوئے ثواب



شہادت لینے کیلئے۔ مگر عزیزو! اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک جملہ کہوں۔  
 ٹھیک ہے یونہی سہی اگر مورخ یہی کہہ کر خوش ہو جاتا ہے کہ امام حسینؑ  
 نے آیات میں دیکھا۔ روایات میں دیکھا کہ شہادت میں ثواب بہت ہے۔ لہذا اس  
 ثواب کی خاطر اٹھ کھڑے ہوئے تو کیا یہ قرآن تنہا حسینؑ نے پڑھا تھا۔ کیا یہ آیتیں  
 الگ سے امام حسینؑ پر نازل ہو گئی تھیں۔ ارے اسی قرآن کی آیتیں تو ہیں جو  
 حسینؑ کو چھوڑ کر بھی اُمت کیلئے کافی ہے۔ یہ اسی قرآن کی آیتیں ہیں جو ہر مسلمان  
 پڑھ رہا تھا۔ جسکی تلاوت ہر گھر میں ہو رہی تھی۔ تو ان آیتوں کو پڑھنے کے بعد  
 شوق شہادت حسینؑ میں پیدا ہوا تو باقی مسلمانوں میں کیوں نہیں پیدا ہوا۔ اس کا  
 مطلب یہ ہے کہ قرآن پڑھنا ہر ایک کے بس کا کام ہے۔ سمجھنا ہر ایک کے بس کا  
 کام نہیں ہے۔ اور اگر سمجھ لینا بھی ہر ایک کے بس میں ہو تو عمل کرنا ہر ایک  
 کے بس کا کام نہیں ہے۔

یہ حسین کا امتیاز تھا کہ قرآن پڑھا بھی، قرآن سمجھے بھی، اور قرآن کو اپنے  
 کردار میں مجسم بھی بنا دیا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ثواب شہادت راہ خدا میں مسلمان کو قربانی  
 پر آمادہ کرتا ہے مگر انسان غالی ثواب کیلئے بے مقصد اُٹھ کھڑا ہو تو اسے شہادت  
 بھی نہیں کہتے ہیں۔ شوق شہادت شوق خود کشی نہیں ہے۔ شوق شہادت کسی  
 مقصد کی راہ میں قربانی کا نام ہے۔ اگر مقصد کیلئے قربانی دے گا اور اگر غالی مرنے  
 کیلئے قربان ہو جائے گا تو اسے خود کشی کہا جائیگا شہادت نہیں کہا جائیگا۔ لہذا اگر  
 امام حسینؑ شوق شہادت میں اٹھے ہیں تو شوق شہادت طے کرنے سے پہلے اس  
 مقصد کو دیکھنا ہو گا کہ جس پر قربان ہونے والے کو شہید کہا جاتا ہے لہذا پھر بات  
 ابھی باقی رہ گئی۔

چوتھا مسئلہ۔ بعض لوگوں نے کہا یہ امام حسینؑ کا الگ سے ایک فریضہ تھا کہ  
 راہ خدا میں قربان ہو جائیں یعنی جیسے ہر انسان کے کچھ مخصوص فرائض ہوتے ہیں۔  
 ہر انسان کے کچھ مخصوص وظائف اور ذمہ داریاں ہوتی ہیں اسی طرح امام حسینؑ کا  
 ایک وظیفہ اور ان کی ایک ذمہ داری یہ تھی کہ وہ راہ خدا میں قربان ہو جائیں۔  
 جو حسینؑ جانتے تھے۔ حسینؑ کا خدا جانتا تھا، حسینؑ کا نانا جانتا تھا اور انھیں بتا دیا تھا  
 کہ بیٹا یہ سب کی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ تمھاری ذمہ داری ہے کہ تم راہ خدا میں  
 قربان ہو جاؤ لہذا اس فریضہ کو ادا کرنے کیلئے امام حسینؑ اُٹھ کھڑے ہوئے۔  
 یعنی نانا نے یہ تو بتایا کہ یہ تمھارا فریضہ ہے کہ جان دیدینا لیکن یہ نہ بتانا کہ  
 کب اور کیوں؟

غور کر رہے ہیں آپ۔ یہ تو بتایا کہ یہ تمھاری ذمہ داری ہے کہ تم جان دیدینا  
 مگر کب جان دیدینا کیوں جان دیدینا نہیں۔

ان بنیادوں کو پہلے تلاش کر دو کہ جن کے بارے میں پیغمبرؐ نے کہا تھا کہ  
 بیٹا جب ایسا وقت آجائے، جب ایسا موقع آجائے تو جان قربان کر دینا۔  
 آپ نے مسئلہ شہادت کو سطحی بنا دیا ہے لیکن آپ اس بنیاد کو تلاش کریں  
 جس بنیاد کو حوالہ خدا نے دیا تھا، یا نبی نے دیا تھا۔ کہ ایسا موقع آجائے تو دین خدا  
 کی راہ میں قربان ہونا ہے۔

اس کے بعد ایک نظریہ اور ہے کہ امام حسینؑ جب یزید کو دیکھتے تھے اور  
 اپنے کو دیکھتا تھے تو دیکھتے تھے کہ یزید ایسا فبیٹ انسان۔ ایسا خمیس انسان،  
 ایسا ذلیل انسان۔ صاحب اقتدار ہو گیا اور مجھ جیسا شریف النفس انسان، مجھ جیسا  
 صاحب کمال، صاحب شرف، صاحب عزت انسان اقتدار سے محروم رہ گیا کہ اسے  
 محکوم بنایا جا رہا ہے اور ایسے فبیٹ اور ذلیل انسان حاکم بن گئے ہیں تو حسینؑ کی



شرافت نفس نے گوارا نہیں کیا کہ تختِ اسلامی پر ایسے غیث انسان کو دیکھیں اور انھوں نے قیام کر دیا۔

غور کیا آپ نے یعنی لوگ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ دو نفسوں کی نفسانیت تھی۔ اُس نفس کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے کے اقتدار کو برداشت نہ کرو یعنی بجائے دین و مذہب کے اسے نفسانیت کی جنگ بنا دیا جائے کہ اسکی نفسانیت کا تقاضا وہ تھا اور ان کے نفس کا تقاضا یہ تھا لہذا وہ قبضہ کرنا چاہتا تھا اور یہ اس کے قبضہ کو بنا دینا چاہتے تھے۔

اربابِ نظر یہ وہ انسان ہیں جنھوں نے اپنی ساری زندگی میں کوئی کام نفس سے ہٹ کو نہیں کیا۔ چونکہ اپنی ساری زندگی کو نفس میں ڈوبا ہوا دیکھا ہے لہذا یہ چاہتے ہیں کہ فرزندِ رسولؐ انثقلین کے اقدام کو بھی نفسانیت کا نتیجہ بنا دیا جائے۔ حالانکہ میں ابھی گزارش کروں گا کہ اگر بات نفس ہی تک آجائے، اگر یہی کہا جائے کہ وہ افس کا تقاضا تھا اور یہ اس نفس کا تقاضا ہے۔ تو اتنا ناہٹے گا کہ وہ نفس کچھ اور ہے اور یہ نفس کچھ اور ہے۔ وہ نفس اگر اقتدار چاہتا ہے تو اسکی وجہ کچھ اور ہے۔ یہ نفس اگر اقتدار کو برداشت نہیں کرتا ہے تو بر بنائے نفسانیت نہیں ہے اسکی بنیاد کچھ اور ہے۔ اور اسکو میں نہ کہوں گا ابن سعد سے پوچھو کہ دونوں نفسوں کا فرق کیا ہے۔ آخری گفتگو جب صلح کی امام حسینؑ کی ابن سعد سے تمام ہو گئی اور ابن سعد نے یہ دیکھ لیا کہ حسینؑ بیعت کرنے والے نہیں ہیں تو ابن سعد نے ابن زیاد کو آخری خط لکھا جس کے بعد شمر آیا اور وہ آخری مرحلہ بھی سامنے آ گیا۔ تو ابن سعد نے خط لکھا، کیا لکھا "ان الحسین لا یباح" اسے حاکم ہم بات چیت کر کے، کوشش کر کے تھک چکے ہیں۔ حسینؑ بیعت نہیں کریں گے۔ بعض تاریخوں میں یہ لفظ ہے کہ ابن سعد نے لکھا "ان الحسین لا یباح"

حسینؑ بیعت نہیں کریں گے اور بعض لفظیں بدل کر لکھتے ہیں "ان الحسین لا یتسلم" حسین تسلیم نہیں ہو سکتے۔ حسین اپنے کو حکومت کے حوالے نہیں کر سکتے۔ کیوں؟ نفسانیت کی بنیاد پر؟ کسی ضد کی بنا پر؟ کسی انا کی بنا پر؟ کیوں؟ ابن سعد کہتا ہے "ان بین جنیبہ نفس ایہ" اے حاکم ہوشیار ہو جا اب کوشش پرکھ ہے حسینؑ بیعت نہیں کریں گے۔ اسلئے کہ حسینؑ کے دونوں پہلوؤں کے درمیان ان کے باپ کا نفس ہے۔ حسینؑ کے پہلو میں علی کا دل ہے۔ میں کہوں گا ابن سعد یہ تو کیا لکھ رہا ہے۔ کچھ تو ہوش کی دوا کر۔ اگر پہلو میں علی کا دل ہے تب تو بیعت کر ہی لیں گے۔ یہ تو نے کیا لکھ دیا یہ اسلئے بیعت نہیں کریں گے کہ ان کے پہلو میں علی کا دل ہے۔ اے علیؑ کی تاریخ تو کتابوں میں موجود ہے۔ علیؑ کے بارے میں تو کتابوں میں آج تک موجود ہے اور لکھنے والے لکھ رہے ہیں کہ بالآخر علیؑ نے اقتدار کی بیعت کر لی تو لکھنا چاہئے کہ اب مطمئن ہو جا یہ بیعت کر لیں گے اسلئے کہ ان کے پہلو میں باپ ہی کا دل تو ہے مگر ابن سعد کا یہ کہنا۔ آج اور کل دونوں کا فیصلہ کر رہا ہے یعنی آن پہچان لے کہ حسینؑ بیعت نہ کریں گے اور ماضی کو بھی پہچان لے کہ حسینؑ کے باپ نے کسبی کی بیعت نہیں کی ہے۔

لہذا حسینؑ کا نفس۔ نفس یزید سے مختلف ہے۔ وہ نفس اور ہے اور یہ وہ نفس ہے جسکو ابن سعد نے علیؑ کا نفس قرار دیا ہے اب اس کے بعد مسئلہ آسان ہو جاتا ہے اور آپ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ جب نفس حسینؑ کو پہچان لیا کہ جن کا قاتل، جن کا دشمن یہ کہتا ہے کہ یہ نفس حسینؑ نفس علیؑ ہے تو اب ایک جملہ اور آگے بڑھ جائے۔ نفس علیؑ کو پہچان لیجئے۔ تو یہ کر رہے ہیں یا میں لفظیں بدل دوں کہ اگر نفس حسینؑ کو پہچانتا ہے تو کہ بلا کی رات کو دیکھو اور اگر نفس علیؑ



کو پہچانا ہے تو ہجرت کی رات دیکھو۔ یہ وہ نفس ہے کہ جب رکا تو رضائے لہی لیکر  
رکا۔ تو جس نے اپنے نفس کا سودا رضائے خدا سے کیا ہو اس میں انانیت تلاش کر  
رہے ہو۔ یہ اسی نفس کا نتیجہ تھا کہ خدا نے آواز دی پلٹ آ تو ہم سے راضی ہے ہم  
تجھ سے راضی ہیں۔

بات بہت تفصیلی ہے اور ساری باتوں کے عرض کرنے کا موقع بھی نہیں  
ہے لہذا خاتمہ کلام میں دو لفظیں اور گزارش کر دوں تاکہ بات کسی نہ کسی رخ  
سے مکمل ہو جائے۔

ایک خیال یہ ہے کہ حسین بن علیؑ ہر مسلمان کی طرح امر بالمعروف اور نہی عن  
المعکر کی ذمہ داری رکھتے تھے۔ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جہاں اچھائیوں پر عمل  
نہ ہو رہا ہو اچھائیوں پر عمل کرانے کی کوشش کرے۔ جہاں برائیاں ہو رہی ہوں  
وہاں برائیوں کو روکے۔ ان کا سدباب کرے۔ یہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے اب  
کوئی کرتا ہے کوئی نہیں کرتا ہے۔ جیسے ہمارا معاشرہ ہے کہ مسلمان سب ہیں،  
مومن سب ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المعکر واجب سب پر ہے۔ مگر کرنا چاہئے  
مولانا کو اور وہ بھی محرم کی مجلسوں میں نہیں۔ اسلئے کہ اس میں ہم بھی آتے ہیں۔  
بہت سے مومنین کو یہ پریشانی ہے کہ آپ کو امر بالمعروف اور نہی عن المعکر کرنا  
ہے تو سارا سال پڑا ہوا ہے۔ جب ہم نہ آتے ہوں تب کہئے۔ واجبات کیا ہیں۔ جب  
ہم نہ آتے ہوں تب کہئے محرمات کیا ہیں یعنی ہمکو تارک واجب رہنے دیجئے۔ ہمکو  
حرام کاری کرنے دیجئے۔ آپ کچھ نہ بولے گا۔ جب ہم نہ آئیں تو کہہ لیجئے گا۔

توجہ کی آپ نے واجب سب پر ہے مگر کرنا چاہئے ایک کو۔ وہ بھی ہم سے  
پوچھ کے۔ کب، کب نہیں۔

یہی بات امام حسینؑ کے بارے میں کسی گئی کہ امام حسینؑ ایک مسلمان

تھے اور ہر مسلمان پر واجب تھا مارا بالمعروف اور نہی عن المعکر۔ جب امام حسینؑ  
نے دیکھا کہ یہ کام نہیں ہو رہا ہے۔ تو امام حسینؑ نے طے کیا کہ باقی لوگ اپنے  
فرائض پر عمل کریں یا نہ کریں مگر میں سچا مسلمان ہوں۔ میرا کام ہے لہذا میں  
اُنھ گیا امر بالمعروف اور نہی عن المعکر کیلئے۔ مگر عزیزو یہاں بھی ایک بات یاد  
رکھیں گے۔ بیشک امام حسینؑ نے خود بھی یہ کہا ہے کہ میں امر بالمعروف اور نہی  
عن المعکر کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن یہاں ایک دقیق مسئلہ ہے اور شاید میں آج بات کو  
ہمیں پر تمام کر دوں گا اگر موقع ہوا کل مزید وضاحت کروں گا۔

سب جانتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المعکر اسلامی واجبات میں ہے اور  
ہر مسلمان پر واجب ہے اس کے شرائط ہیں اور شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی  
ہے کہ اگر آپ کیلئے کوئی بڑا خطرہ نہ ہو، وہی خطرہ نہیں۔ ورنہ اگر وہی خطرہ  
جواز بن جائے گا تو ہر مومن اپنے کو خطرہ میں سمجھے گا۔

ارے بھائی اگر بیوی سے پردے کیلئے کہیں گے تو وہی ناراض ہو جائے  
گی۔ اس سے بڑا خطرہ کیا ہے۔ یہ خطرہ تو سوائے مولانا کے کوئی مول نہیں لے سکتا  
کسی شوہر صاحب میں، کسی باپ صاحب میں یہ ہمت نہیں ہے اس مصیبت کیلئے  
اللہ نے عجز ہی کو پیدا کیا ہے۔ تو میں ہر بلا کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہوں۔ خیران  
موضوعات کو نہیں پھینچوں گا ورنہ بہت سے لوگ ناراض ہو جائیں گے۔ "اللہ ہی  
ناراض رہے وہی کافی ہے بعض مومنین کیلئے"۔ خیر

تو میں یہ گزارش کر رہا تھا کہ امر بالمعروف کیلئے شرط ہے کہ اگر ضرر ہے،  
خطر ہے، نقصان ہے تو امر بالمعروف آپ پر واجب نہیں ہے۔ تو اگر امام حسینؑ  
فقط امر بالمعروف اور نہی عن المعکر کیلئے اُنھے تھے توجہ انھوں نے دیکھ یا تھا  
کہ جان کا خطرہ ہے۔ جب انھوں نے دیکھ یا تھا کہ گھر کے آجڑ جانے کا خطرہ ہے۔



اولاد کے نکل ہو جانے کا خطرہ ہے، اصحاب کے مرنے کا خطرہ ہے تو خاموش ہو گئے ہوتے۔ اسلئے کہ اس کے آگے امر و نہی کی حدیں نہیں ہیں۔ لیکن امام حسینؑ تو مدینہ سے یہ کہہ کر چلے تھے کہ میں قربانی کیلئے جا رہا ہوں۔ میں شہادت کیلئے جا رہا ہوں۔ میں جان دیدوں گا اس راہ میں تو اگر مسئلہ خالی امر و نہی کا ہے تو امر و نہی کی راہ میں جان نہیں دی جاتی ہے۔ امر و نہی کی راہ میں زندگی قربان نہیں کی جاتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مسئلہ کچھ اس سے بالاتر ہے۔ مگر اتنی سی بات میں واضح کر دوں تو کافی ہے مسئلہ اس سے بالاتر ہے اور وہ یہ ہے کہ امر و نہی یعنی معروف کا حکم اور منکر سے روکنا، اس کے مقابلہ میں ایک شئی اور بھی ہے اور اس چیز کو پہنچوانے کیلئے میں اپنے تمام سننے والوں کیلئے ایک لفظ کہنا چاہتا ہوں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہمارا عمل خطرہ میں ہے یا ہمارا عمل خطرہ میں نہیں ہے، ہم خطرہ میں ہیں۔ مثلاً اگر ہم نماز نہیں پڑھتے تو لاکھ نماز پڑھنے والے الحمد للہ موجود ہیں۔ ہم جہنم میں چلے جائیں گے نماز تو کہیں نہیں جائے گی۔ مسجد تو آباد رہے گی۔ اگر ہم روزہ نہیں رکھتے تو ہم خطرہ میں ہیں روزہ کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اگر ہم حج بیت اللہ کیلئے نہ جائیں تو ہم کو خطرہ ہوگا حج کو کیا خطرہ ہے۔ اگر ہم زکوٰۃ نہ دیں تو ہماری عاقبت خطرہ میں پڑ جائے گی زکوٰۃ کو کیا خطرہ ہے۔ تو مگر رہے ہیں تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کا ذاتی عمل خطرہ میں ہوتا ہے یا انسان خطرہ میں ہوتا ہے۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اصل قانون خطرہ میں ہوتا ہے۔ یعنی اگر سو مسلمان شراب پینے لگیں تو اسلام کو کیا خطرہ ہے لیکن اگر ایک ایسا مسلمان شراب پینے لگے جو اسلام کا مددگار ہو تو اب مسلمان خطرہ میں نہیں اب اسلام خطرہ میں ہے کہ سب کہیں گے اگر اسلام میں شراب نہ ہوتی تو حاکم اسلام کیسے پیتا۔

اگر مسلمان بد کردار ہو جائے تو مسلمان خطرہ میں ہے اسلام خطرہ میں نہیں ہے لیکن اگر مسلمانوں کا عالم، مسلمانوں کا حاکم بدکار ہو جائے تو لوگوں کو سوچنے کا موقع ملے گا کہ اگر مذہب میں بدکاری نہ ہوتی تو یہ کیسے بدکاری کرتا یعنی اب مذہب خطرہ میں ہے۔

توجہ کر رہے ہیں آپ۔ امر و نہی کی جگہیں وہ ہیں کہ جہاں انسان کا الگ الگ انفرادی عمل، میری نماز، میرا روزہ، میری برائی، ان کا حرام، ان کا واجب، اگر انسان کے الگ الگ اعمال خطرہ میں ہیں تو ہر ایک پر فرض ہے ہدایت کرے، جب تک خطرہ نہ ہو اسلئے کہ وہ جہنم میں جا رہے ہیں تو آپ کہیں مرنے میں سمجھائے نہیں مانتے زمانیں۔ جہنم میں جائیں۔ آپ اپنی جان نہ دیجئے۔ لیکن اگر اصل دین خطرہ میں ہو، اگر اصل نماز خطرہ میں ہو، اگر اصل روزہ خطرہ میں ہو، اگر شریعت خطرہ میں ہو، اگر قرآن خطرہ میں ہو۔ تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جہاں جان خطرہ میں ہو وہاں چپ رہ جاؤ۔

انفرادی اعمال میں امر و نہی اگر خطرہ نہ ہو تو کرو۔ اگر خطرہ ہو تو نہ کرو۔ لیکن اگر دین خطرہ میں پڑ جائے تو کسی کی زندگی دین سے زیادہ عزیز نہیں ہے۔ کسی کی حیات دین سے زیادہ عزیز نہیں ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہوگا کہ جان قربان کر دے مگر دین کو قربان نہ ہونے دے۔ جان دیدے مگر اسلام کو فنا نہ ہونے دے۔

حسینؑ بن علیؑ جس دور میں اُنھے ہیں وہ دور امر و نہی کا دور نہیں تھا۔ اس سے گذر کے وہ منزل آگئی تھی کہ جہاں شراب تحت غلافت تک آگئی تھی۔ جہاں بدکاری حاکم اسلام تک پہنچ گئی تھی حسینؑ جانتے تھے کہ اس کے بعد اب دنیا



کو یہ سوچنے کا حق پیدا ہو جائے گا کہ اسلام میں اب شاید شراب ہی جائز ہو گئی ہے۔ اسلام میں بدکاری بھی جائز ہو گئی ہے۔ چونکہ اب اسلام خطرہ میں پڑ گیا ہے لہذا میرا فرض ہے کہ اُنھوں۔ اگر مسند امر و نہی کا ہوتا تو جان کو خطرہ میں دیکھ کر رُک جاتا مگر مسند بقائے دین کا ہے اب دو ہی راستے ہیں۔ یا میں رہوں گا یاد پین رہے گا اگر جان بچا لوں گا تو اسلام مٹ جائے گا اور اگر اسلام کو بچانا ہے تو اپنے کو منادینا ہے اور دینِ اہلی کو بچا لینا ہے۔

بس عزیزان محترم! یہی وہ بات تھی جسکو امام حسینؑ نے ایک لفظ میں کہا تھا کہ میں اُنھا ہوں کیوں؟ "انما خرجت لطلب الاصلاح فی امتہ جدی" میں اپنے نانا کی اُمت میں اصلاح چاہتا ہوں۔ اصلاح ایک اتنا وسیع لفظ ہے جس میں اخلاقیات، اجتماعیات، اقتصادیات، سیاسیات، حکومت، عوام، سارے مسائل آجاتے ہیں یعنی اتنا نقشہ بگڑ چکا ہے کہ حسینؑ اُنھے ہیں اصلاح کرنے کے واسطے۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی ایسی بات رہ جائے جو دینِ خدا کے خلاف ہو اور اسکو دینِ خدا میں داخل کیا جائے لہذا میں ہر قربانی کا عزم و ارادہ لیکر اُنھا ہوں۔ میں اپنے نانا کی اُمت میں اصلاح چاہتا ہوں۔ اور حسینؑ نے اسی لفظ سے اس مسند کا بھی جواب دیدیا کہ اگر اُمت میں فساد پیدا ہو گیا اور اصلاح کی ضرورت ہے تو آپ ہی کیوں؟ غور کیجئے میں نے کیا کہا۔ اگر اُمت میں فساد پیدا ہو گیا تو سارے مسلمان فساد کو جانتے ہیں ایک آپ ہی کیوں؟ تو حسینؑ نے کہا "خرجت لطلب الاصلاح فی امتہ جدی" میں اپنے نانا کی اُمت کی اصلاح چاہتا ہوں۔ اب تمہیں اندازہ ہو گیا کہ اگر دین اور کسی کے نانا کا ہوتا۔ اگر دین کسی اور کے باپ دادا کا بھی ہوتا تو شاید وہ بھی قیام کرتا۔ مگر جب دین صرف میرے گھر کا ہے تو اب میں نہ بچاؤں گا تو کون بچائے گا۔

اور جب امام حسینؑ اصلاح کیلئے اُنھے تو امام حسینؑ نے چاہا کہ فساد کے جتنے

راستے ہیں انھیں بند کیا جائے۔ فساد کے جتنے امکانات ہیں ان پر بہرے بھائے جائیں۔ فساد کے امکانات بہت ہیں جو اُمت میں پیدا ہو گئے تھے۔ جنکی کچھ تفصیل میں نے آپ کے سامنے گذشتہ مجلس میں گزارش کی تھی جو متوجہ ہیں وہ اس پر غور کریں گے۔ مجملہ اور فسادات کے ایک طبقاتی امتیاز بھی تھا۔ عرب اور عجم اور۔ مجملہ اور امتیازات کے آزاد اور غلام اور۔ مجملہ اور امتیازات کے سیاہ اور سفید اور۔ یہ سب فسادات ہیں کہ وہ اسلام جو اتنا وسیع اور آفاقی پیغام لیکر آیا تھا اس کے ماننے والے گورے اور کالے کافر فرق کرتے ہیں۔ اس کے ماننے والے عرب اور عجم کافر فرق کرتے ہیں۔ اس کے ماننے والے قبیلوں کافر فرق کرتے ہیں اس کے ماننے والے غلام اور آزاد کافر فرق کرتے ہیں۔

اب میں چاہتا ہوں کہ اصلاح کروں یعنی جتنے تفرقے پیدا ہو گئے ہیں سب کو منادوں۔ صرف جان ہی دینا ہوتی تو عالی نبی ہاشم کو لے آتا، قرمان ہی ہونا ہوتا تو اپنے گھر والوں ہی کو لے آتا مگر اب جو میں لے آیا تو بہتر ہی مگر ان میں عرب بھی ہیں، عجم بھی ہیں۔ ان میں گورے بھی ہیں کالے بھی ہیں آزاد بھی ہیں غلام بھی ہیں۔ ان میں مخف قبائل کے ہیں تاکہ اندازہ ہو جائے کہ تفرقے پیدا کر کے فساد تم نے پیدا کیا ہے اور اکٹھا کر کے اصلاح میں کرنا چاہتا ہوں۔

اسی لیے حسینؑ بن علیؑ کا کردار آواز دے رہا تھا کہ میں نے تفرقوں کو منادیا ہے:

اکبر کا جہاں سر ہے وہیں جون کا سر ہے

شیئر کا زانو ہے مساوات کی دنیا

جہاں تھوڑی دیر پہلے جون کا سر رکھا وہیں تھوڑی دیر بعد اپنے کڑیل جوان بیٹے کا سر رکھا ہے تاکہ دنیا پہچان لے کہ اسلام میں ایمان دیکھا جاتا ہے۔ اسلام



میں کردار دیکھا جاتا ہے۔ جہاں بنی ہاشم کے شریف ترین انسان کا سر ہے وہیں ایک غلام کا بھی سر ہے اور اگر گورے کالے کا فرق پہچانا چاہتے ہو کہ دنیا نے گورے کالے کا امتیاز قائم کیا تو میں نے چاہا کہ بلا میں اس امتیاز کو بھی مٹا دیا جائے۔ میرا چاہنے والا یہی تو کہہ رہا تھا کہ مولا کیا مجھے اذن جہاد اسلئے نہیں ملتا کہ میرا رنگ سیاہ ہے۔

مولا کیا مجھے اسلئے اجازت نہیں ملتی کہ میں حبش کا رہنے والا ہوں۔ کیا اسلئے اجازت نہیں ملتی کہ میرے پسینے سے بو آتی ہے۔ جون نے ان تین لفظوں میں سارے تفرقوں کا ذکر کر دیا۔ سارے امتیازات کا ذکر کر دیا۔ مولا اگر میزا جذبہ صادق ہے، مولا اگر میری محبت سچی ہے تو تو سہی کہ اپنا یہ خون آپ کے خون سے ملا دوں۔ اپنا یہ خون آپ کے خون میں شامل کر دوں۔

خدا جانتا ہے کہ جون نے جو کہا تھا اللہ نے اس غلام حبشی کی بات کی اللہ رکھ لی۔ کہ بلا میں جہاں اشراف، جہاں بڑی نسل والے، جہاں اونچے قیدہ والے، جہاں بنی ہاشم قربان ہو رہے تھے وہاں ایک دو نہیں متعدد غلام ہیں جنہوں نے راہ خدا میں قربانی دی ہے اور متعدد کینزیں ہیں جنہوں نے کربلا کے بعد کوفہ و شام تک سیدانیوں کے ساتھ رہ کر عجب عجب قربانیاں پیش کی ہیں اور سیدانیوں کو قدم قدم پر بچایا ہے۔

سارے تڑکروں کا محل نہیں ہے میں فقط چار لفظیں گزارش کروں گا اور پانچ سات منٹ کے اندر بیان تمام کر دوں گا اور انشاء اللہ آپ بہت مشابہوں گے۔

ایک غلام جو غلام ترکی ہے عرب بھی نہیں ہے۔ امام حسینؑ کی خدمت میں آتا ہے فرزند رسولؐ اجازت دیجئے۔ نام کیا ہے واضح۔ مولا اجازت دیجئے۔ فرزند رسولؐ

نے اجازت دی۔ نہ سن سکو گے عزیزو۔ کہاں دنیا نے یہ کردار دیکھا یا سنا ہوگا۔ اجازت دیجئے آپ کی راہ میں اور دین کی راہ میں قربان ہو جاؤں۔

امام حسینؑ نے اجازت دی۔ غلام میدان میں آیا جہاد کرتا رہا۔ زخموں سے چور ہو کر گھوڑے سے گرنے لگا۔ آواز دی "یا مولہ اور کنی" مولا غلام کی خبر لیجئے۔ امام حسینؑ کے کانوں میں آواز آئی۔ ابھی تو سارے بنی ہاشم زندہ ہیں۔

اس غلام نوازی کی کوئی مثال ملے گی۔ ابھی تو سارے بنی ہاشم زندہ ہیں۔ ابھی تو اصحاب باقی ہیں۔ ابھی تو انصار باقی ہیں۔ حسینؑ نے کسی کو سر ہانے بھیج دیا ہوتا۔ کہا نہیں میرا چاہنے والا گھوڑے سے گرا ہے، مجھے پکڑا ہے میں اس کے سر ہانے جاؤں گا۔ آئے امام حسینؑ اور غلام ترکی کے سر ہانے آ کر سینھے۔ روایت کا فقرہ ہے کہ غلام اتنا زخمی ہو گیا تھا کہ خاک کربلا تک پہنچتے پہنچتے بے ہوش ہو گیا تھا اب جو حسینؑ قریب آئے تو دیکھا غلام، چاہنے والا، فداکار۔ غش کے عالم میں پڑا ہوا ہے۔

ایک لفظ کہوں برداشت نہ کر سکو گے عزیزو۔ خدا خواستہ اگر ہمارے سامنے کوئی آدمی بے ہوش ہو جائے تو اسکو ہوش میں لانے کا کیا طریقہ ہوگا۔ اگر کوئی غش کھا جائے تو اسکو ہوش میں لانے کا ایک ہی طریقہ ہوتا ہے کہ پانی چھڑک دیا جائے آنکھیں کھل جائیں گی۔ مگر ہائے حسینؑ کی پیکسی جس کے چھ مہینے کے بچے کو پانی نہ ملے وہ کیسے غلام کو ہوش میں لائے۔ تاریخ کا فقرہ ہے کہ حسینؑ نے اپنا رُخسار غلام کے رُخسار پر رکھا اور آنسو بہانا شروع کیا۔ آنسوؤں کی گرمی کو محسوس کیا اور غلام نے آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا فرزند رسولؐ کا رُخسار اپنے رُخسار پر ہے۔ ٹپ بک کر کہا رے مولا یہ کیا کر رہے ہیں۔ آقا یہ کیا کر رہے ہیں۔ کہاں آپ کا رُخسار اور کہاں یہ غلام۔



کہا نہیں تو نے راہ خدا میں قربانی دی ہے یہ تیرا حق ہے۔

فرزند رسول تیرے غم میں آنسو بہا رہا ہے یہ ایک غلام تھا جو حسینؑ پر

قربان ہوا۔

دوسرا غلام جس کا نام اسلم ہے جو خود امام حسینؑ کا غلام ہے۔ وہ بھی جب آیا قربانی کے واسطے اور اسے جو امام حسینؑ کو بلایا تو حسینؑ اس کے بھی سرہانے آئے اور اسی انداز سے وہ شفقت و محبت کا برتاؤ کیا کہ غلاموں کو یہ احساس نہ ہونے پائے اور تاریخ کو یہ خیال نہ پیدا ہونے پائے کہ حسینؑ نے کسی طرح کا کوئی امتیاز رکھا ہے ان غلاموں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں۔

اور خاتمہ میں دو جملے اور سنو عزیزو۔

ایک غلام، مشہور نام ہے ابوذر کا غلام جسکو جون کہا جاتا ہے جس کے جملے میں نے آپ کے سامنے نقل کئے جب حسینؑ تھوڑی دیر غاموش رہے تو جون نے کہ آقا کیا اسلئے اجازت نہیں ملتی کہ میرا رنگ سیاہ ہے، میرے ہسینہ سے بُو آتی ہے۔ میرا خون اس قابل نہیں ہے کہ اس راہ میں بہ جائے۔

حسینؑ نے کہا جون یہ نہ کہو اسلام میں ان باتوں کی کوئی جگہ نہیں ہے میں تم کو اسلئے نہیں بھیجنا چاہتا کہ میں نے تم کو عابدیہ تمہار کی تیمارداری کیلئے بچایا ہے۔ سنو سنو عزیزو میں نے اپنے بیمار سینے کی خدمت کیلئے تم کو بچا کے رکھا ہے میں تمہیں کیسے اجازت دوں۔

کہا مولا پھر اتنی اجازت دیجئے کہ میں بیمار سے رخصت ہو کر آؤں۔ آئے جون بیمار کر بلا کے خیمہ کے قریب۔ آکر کھڑے ہوئے اور آواز دی۔ فرزند رسول بیمار امام نے آنکھیں کھولیں۔ جون خیر تو ہے کیوں آئے۔

کہا میں نے مولا سے اذن جہاد مانگا تھا۔ میں میدان میں جانا چاہتا تھا۔ فرماتے

ہیں کہ انھوں نے مجھے آپ کی خدمت کیلئے معین کیا ہے۔

اب آپ فرمائیے کہ میں آپ کی خدمت کروں یا آپ کے بابا پر قربان ہو جاؤں۔

بس یہ سننا تھا کہ بیمار کر بلانے آواز دی۔ اے جون اگر تم ہی قربان ہو جاؤ اور بابا سے کچھ دیر یہ مصیبت نل جائے تو اس سے بہتر کیا ہوگا مجھے کسی خدمت کی ضرورت نہیں ہے۔ جاؤ میرے بابا پر قربان ہو جاؤ۔

بس یہ سننا تھا آئے مولا کی خدمت میں۔ کہا آقا وہاں سے اجازت لیکر آیا۔ اب تو اجازت دیجئے۔

امام حسینؑ نے اجازت دی۔ جون کو تیار کیا۔ رخصت کیا۔ میدان میں آئے۔ جہاد کیا۔ متعدد دشمنوں کو فی انار کیا۔ یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر جب گھوڑے سے گرنے لگے تو فرزند رسولؑ کو پکڑا۔

بس آخری جملہ ہے عزیزو

جون نے کیا کہا تھا مولا کیا میرا خون اس قابل نہیں ہے۔ حسینؑ کی محبت نے اور جون کے جذبے نے کیا عالم دکھلایا۔ مولا کیا یہ خون اس قابل نہیں ہے۔ امام حسینؑ نے آواز سنی اور دوڑ کے میدان میں آئے۔ سر اٹھایا۔ اپنے زانو پر رکھا۔ باتیں ہو رہی ہیں۔

اے جون کچھ کہنا چاہتے ہو؟

کچھ نہیں آقا۔ اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ راضی ہیں۔ میں تو قربان ہو گیا۔

حسینؑ نے کہا جون میں راضی میرا خدا راضی۔

یہ تو کر بلا میں منظر دیکھا اس کے بعد جو ام سلمہ نے دیکھا کہ نبیؐ آئے ہیں تو دیکھا کہ ایک شیشہ میں تازہ خون جوش مار رہا ہے کہا خدا کے میبٹ یہ کیا؟



کہا اے ام سلمہ میں صبح سے حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کا خون جمع کر رہا ہوں۔ اے جون جہاں نبی کے لال کا خون تھا اسی شیشہ میں تیرا خون بھی شامل ہو گیا۔ یہ حسینؑ کا کرم تھا کہ اللہ نے تیری قربانی کو قبول کر لیا۔

سيعلم الذين ظلموا اى متقلب متقلبون

## مجلس ۴

اے نفس مطمئن پلٹ آ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں۔ تو ہم سے راضی ہے ہم تجھ سے راضی ہیں آمیرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ سورہ مبارکہ فجر کی ان آخری آیات کریمہ کے ذیل میں جو سلسلہ بیان "کربلا شناسی" کے عنوان سے شروع ہوا تھا آج اسکا چوتھا مرحلہ اس مسئلہ کی وضاحت کیلئے کہ فرزند رسول اشقلینؑ نے مدینہ الرسولؐ کو کیوں ترک کیا اور عراق کا رخ کیوں کیا؟

مسئلہ کی وضاحت سے پہلے کل کی گفتگو میں جو بعض باتیں ماقی رہ گئی تھیں ان کا مکمل کر دینا ضروری ہے۔

کل میں نے آپ کے سامنے اسباب قیام حسینؑ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو آخری بات خود امام حسینؑ کی زبان سے ہمیشہ کی تھی کہ جب فرزند رسولؐ نے مدینہ چھوڑنا چاہا تو اپنے بھائی جناب محمد حنفیہ کے نام ایک وصیت نامہ لکھا۔ وصیت نامہ کے الفاظ جو مورخین نے نقل کئے ہیں فرماتے ہیں "واللہ انی لم اخرج اشر اولاً بطراً ولا مفسداً ولا ظالماً" خدا بہتر جانتا ہے کہ میرا قیام نہ کسی فائدہ کی لالچ میں ہے نہ کسی غرور اور تکبر کی بنیاد پر ہے۔ نہ میں سرزمین خدا میں فساد برپا کرنا چاہتا ہوں اور نہ بندگان خدا پر ظلم کرنا چاہتا ہوں۔ "انما خرجت لطلب الصلاح فی امتہ جدی"

ASSOCIATION KHOJA  
SHIA ITHNA ASHERI  
JAMATE  
MAYOTTE



میں صرف اسلئے وطن چھوڑ کر نکل رہا ہوں کہ میں اپنے جد کی اُمت میں اصلاح چاہتا ہوں۔" اریدان امر بالمعروف و انہی عن المنکر "میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو نیکیوں کا حکم دوں اور انہیں برائیوں سے روکوں" وایسر بسیرۃ جدی و ابی "اور چاہتا ہوں کہ وہ راستہ، وہ سیرت اپنائوں جو میرے جد اور میرے باپ کی سیرت ہے۔" فمن قبلنی بقبول الحق "اس کے بعد جو بھی انسان حق کو قبول کرنا چاہے تو حق واقعاً اس قابل ہوتا ہے کہ اسکو قبول کیا جائے اور اگر کوئی انسان نہیں قبول کرنا چاہتا تو میری طرف سے بہر حال حجت تمام ہو گئی۔

ان کلمات میں جو بات واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ فرزند رسولؐ نے اپنا مقصد بھی بیان کیا ہے اور طریقہ کار بھی بیان کیا ہے۔ مقصد ہے اُمت پیغمبرؐ کی اصلاح۔

طریقہ کار ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نیکیوں کا حکم دینا چاہتا ہوں اور برائیوں سے روکنا چاہتا ہوں اور اسی راستہ سے اپنے جد کی اُمت میں اصلاح پیدا کرنا چاہتا ہوں اسلئے کہ اُمت میں فساد پیدا ہو گیا ہے اور اصلاح کرنے کی ذمہ داری جتنی مجھ پر عائد ہوتی ہے اتنی کسی اور پر عائد نہیں ہوتی ہے اسلئے کہ دین میرے جد کا دین ہے۔ یہ اسلام میرے نانا کا لایا ہوا ہے۔ تو اگر نانا اسکو لیکر آئے ہیں تو نواسے پر اسکی حفاظت کی سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

یہاں تک کل میں نے آپ کے سامنے گزارش کی تھی اور آج ایک لفظ کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ جب فرزند رسولؐ نے یہ اعلان کیا کہ میں اپنے نانا کی اُمت میں اصلاح چاہتا ہوں تو طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ میں اس راستہ پر چلوں گا، وہ طریقہ اختیار کروں گا "ایسر بسیرۃ جدی و ابی" میں اس سیرت پر عمل کروں گا جو میرے جد کی سیرت ہے اور میرے باپ کی سیرت ہے۔

امام حسینؑ کے یہ الفاظ جو آج بھی تاریخوں میں محفوظ ہیں۔ اس حقیقت کا اعلان کر رہے ہیں کہ جو انسان اُمت پیغمبرؐ کی اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ ایسی سیرت اپنائے جو نبیؐ کی سیرت ہے وہ سیرت اپنائے جو علیؑ کی سیرت ہے ورنہ اُمت پیغمبرؐ میں اصلاح کیلئے اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ اگر آپ کو تاریخ اسلام کے حقائق معلوم ہیں اور آپ کی نگاہ میں ہیں تو یہ بات یاد رکھئے گا کہ امام حسینؑ نے چلتے چلتے اس بات کو واضح کر دیا کہ اُمت کی اصلاح کیلئے دو ہی سیرتیں ہیں ایک نبیؐ کی سیرت ہے اور میرے باپ علیؑ کی سیرت ہے اس کے علاوہ کوئی اور سیرت اصلاح اُمت کا ذریعہ نہیں ہے۔ یعنی آج تم پہچان لو جب میں نبیؐ اور علیؑ کے علاوہ کسی سیرت کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ اصلاح اُمت کیلئے اسے اپنایا جائے تو میرا باپ کسی سیرت کو کیسے اپنا سکتا تھا۔

میں اس سابق کردار کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ اصلاح اُمت کیلئے یا نبیؐ کا کردار کام آئے گا یا علیؑ کا کردار کام آئے گا اسلئے کہ اصلاح کا آغاز توحید پروردگار سے ہوتا ہے تو اصلاح وہی کرے گا جسکا سر کبھی باطل کے سامنے نہ جھکا ہو۔ یہ پہلا مسئلہ ہے جسکی وضاحت اپنے وصیت نامہ میں خود فرزند رسولؐ نے کر دی کہ میں اُنھا ہوں اصلاح کیلئے۔

اس اصلاح کی حقیقت کو پہچاننے کیلئے دو تین باتوں پر نگاہ رکھنا ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اُمت میں جب فساد پیدا ہوتا ہے تو فساد کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

کبھی فساد عوام میں پیدا ہوتا ہے اور کبھی فساد حکام میں پیدا ہوتا ہے۔ جو فساد عوام میں پیدا ہوتا ہے اسکی اصلاح کا طریقہ اور ہوتا ہے اور جو فساد حکام میں پیدا ہوتا ہے اسکی اصلاح کا طریقہ کار اور ہوتا ہے۔



مثال کے طور پر اگر خدا نکرہ میں نماز چھوڑ دوں تو مجھے نمازی بنانے کے واسطے نہ کوئی تخت درکار ہے نہ کوئی تاج درکار ہے۔ نہ کوئی اقتدار چاہئے نہ کوئی حکومت چاہئے۔ آپ کی زبان میں اگر اثر ہے تو آپ مجھے مطمئن کر دیں میں نمازی ہو جاؤں گا۔

ایک انسان خدا نہ کردہ شرابی ہے ہم نے شراب کی برائیاں سمجھا دیں وہ شراب چھوڑ کر الگ ہو گیا، پارسا ہو گیا، متقی ہو گیا، پرہیزگار ہو گیا اسکا کوئی تعلق نہ اقتدار سے ہے نہ حکومت سے ہے۔ اسلئے کہ جب عوام گمراہ ہوتے ہیں تو اپنے نفس کی خرابی کی بنیاد پر جتنے بھی بُرے ہو جائیں ان کو نہ کوئی طاقت سپورٹ کرتی ہے۔ نہ کوئی خزانہ کام کرتا ہے۔ نہ ان کے پاس کوئی تخت کام کرتا ہے نہ کوئی تاج کام کرتا ہے۔ عوام کا نفس پاکیزہ ہوتا ہے۔ وہ بندہ خدا ہوتے ہیں اور جب نفس خراب ہو جاتا ہے تو بندہ شیطان ہو جاتے ہیں۔

لیکن حاکم جب خراب ہوتا ہے تو تنہا نفس کی خرابی کام نہیں کرتی ہے بلکہ نفس کی خرابی کو اقتدار سہارا دیتا ہے تو حاکم خراب ہوتا ہے۔

یہ حقیقت آپ کو معلوم ہے اور برابر آپ سنتے رہتے ہیں کہ "اناس علی دین ملوکم" عوام کا طریقہ کار ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ جو سلاطین کا طریقہ ہے وہی عوام کا طریقہ ہے جو حکام کرتے ہیں وہی عوام کرتے ہیں اسلئے کہ ہر آدمی کو ایک ہی نکر ہوتی ہے کہ ہمارا حاکم ہم سے کیسے راضی ہو جائے اگر حاکم پوروں پر کھڑا ہوتا ہے تو سارے عوام چاہتے ہیں کہ پوروں پر کھڑے رہیں۔ اگر کوئی ایسا دیوانہ پیدا ہو جائے جو سر کے بل کھڑا ہو تو آپ یقین کریں اگر سارے درباری سر کے بل نہ کھڑے ہو جائیں تو میرا ذمہ اسلئے کہ بہر حال جتنی دیر یہ حاکم ہے اسے خوش تو رکھنا ہی ہے۔ تو جیسے یہ چاہے گا ویسے ہی کرنا ہوگا۔ تو عوام کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ

وہ ہمیشہ اسی راستے کو اپنانا چاہتے ہیں جو حکام کا طریقہ ہوتا ہے۔ حاکم اچھا ہوتا ہے تو عوام نیک ہو جاتے ہیں۔ حاکم بد کردار ہو جاتا ہے تو بد کرداری خود بخود عوام میں سراپت کرنے لگتی ہے۔ چاہے وہ خود بُرے نہ ہوں مگر اسکی مرورت میں بُرائی کرنا پڑتی ہے۔

ظاہر ہے کہ ان مسائل پر کوئی تفصیلی گفتگو نہیں ہو سکتی ہے۔ آپ خود جانتے ہیں اور جس نے دورِ یزید کو پڑھا ہے یا جس نے حکومتوں کے ادوار دیکھے ہیں وہ ان حقائق کو خوب جانتا ہے۔

تو عوام کی برائی میں تنہا نفس کا فساد کام کرتا ہے اور حکام کی برائی میں نفس کا فساد اور وہ سارے وسائل کام کرتے ہیں جن وسائل کی بنا پر حاکم فاسد ہوتا ہے اور عوام کو فاسد بنایا کرتا ہے ورنہ کھلی ہوئی بات ہے اگر یزید بے اقتدار ہوتا۔ تو یزید بے اقتدار کافر ہو سکتا ہے، فاسق ہو سکتا ہے، شرابی ہو سکتا ہے، بد کردار ہو سکتا ہے مگر اسکا کردار عوام پر اثر انداز نہیں ہو سکتا ہے۔ اسکا کردار عوام کو متاثر نہیں کر سکتا ہے بلکہ اگر عوام نیک ہیں تو کہیں گے کہ یہ کیسا مسلمان ہے کہ کلمہ بھی پڑھتا ہے اور شراب بھی پیتا ہے۔ کلمہ بھی پڑھتا ہے اور بد کردار بھی ہے۔ لیکن وہی انسان اگر صاحب اقتدار ہو جائے تو اقتدار تو خود ہی ایک ایسی شے ہے جو ہزاروں عیبوں پر پردہ ڈال دیتی ہے اور ہزاروں عیب کو ہنر بنا دیتی ہے۔

آپ جانتے ہیں اور صبح و شام کے انقلابات دیکھتے رہتے ہیں آج یہ تخت پر بیٹھ گیا تو ہر اخبار اس کا کلمہ پڑھ رہا ہے۔ پہلی سرخی اسی کے نام کی ہے۔ اور جیسے ہی تخت سے اتر گیا سارے اخبارات کا لہجہ بدل گیا۔ سارے مقررین کا لہجہ بدل گیا۔ سارے انسانوں کا لہجہ بدل گیا۔ اب سب نئے آنے والے کی تعریف کر رہے ہیں



اور جانے والے کی برائیاں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکال رہے ہیں۔ دس سال پہلے کیا کیا تھا۔ پانچ سال پہلے کیا کیا تھا۔ پندرہ سال پہلے کیا کیا تھا۔ دو سال پہلے کیا کیا تھا اور کل تک کوئی نہیں کہتا تھا کہ کل کیا کیا تھا۔ یعنی اگر تخت پر بیٹھا رہے تو کل کا عیب نظر نہیں آتا ہے۔ اور اگر تخت سے اتر جائے تو پچھلے پچیس سال پرانا عیب بھی نظر آنے لگتا ہے۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اقتدار عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ اقتدار عیب کو حشر بنا دیتا ہے اور اگر اقتدار بنام اسلام ہو تو جس کے ہاتھ میں آجائے گا جو عمل کرے گا اسی کا نام اسلام ہوگا۔ جو کام کرے گا اسی کا نام اسلام ہوگا۔ جو طریقہ اختیار کرے گا اسی کا نام اسلام ہوگا۔ آج ہمارے سر پر جو سب سے بڑی مصیبت ہے وہ یہی ہے کہ دنیا نے اسلام میں ایسے ایسے افراد پائے جاتے ہیں۔ جن کا کردار صحیح نہیں ہے اور عوام انہی کے کردار کو سہارا بنائے ہوئے ہیں۔ اسلام فہمی کیلئے ہم لاکھ سمجھایا کریں کہ انہی آنکھوں سے کام لو۔ اللہ نے کس دن کیلئے آنکھیں دی ہیں۔ اپنے کانوں سے کام لو۔ انہی عقل سے کام لو۔ ان کے پاس ایک ہی جواب ہے ہم کیا کریں جو فرما دیا وہی کرنا ہے۔

بھئی اگر انھوں نے وہ فرما دیا جو تمہاری آنکھوں کے خلاف ہے تو ابھی اندھے تو نہیں ہو گئے ہو۔ اگر وہ فرما دیا جو تمہاری عقل کے خلاف ہے تو ابھی مجنون اور دیوانے تو نہیں ہو گئے ہو۔ مگر یہ مزاج اقتدار ہے کہ جس کے ہاتھ میں اقتدار آجائے اسکی باتیں مذہب بن جاتی ہیں۔ دین بن جاتی ہیں۔ تہذیب بن جاتی ہیں۔ شرافت بن جاتی ہیں۔ مدیہ ہے کہ ہم نے تو تجربہ کیا ہے کہ اگر حاکم برسر اقتدار آنے کے بعد پانی کے بجائے پیدھ پینے لگے تو ایسے رذیل افراد بھی پیدا ہو جاتے ہیں جو صاحبان عقل و ہوش ہونے کے بعد بھی ایسی کاروبار کرتے ہیں۔ اب تو دنیا کو اندازہ ہو گیا کہ اقتدار کتنے عیب کو ہر بناتا ہے۔

میں تو عالم کفر ہی کی مثال دے سکتا ہوں کہ اس کے آگے حد ادب ہے۔ تو یہ تجربات تاریخ کے چودھویں صدی میں یا بیسویں صدی میں ہماری نگاہ کے سامنے ہیں تو ہم کیا کہیں اس کے پہلے جو جاہلیت کا دور تھا یا جاہلیت سے قریب تر دور تھا۔ اس دور کی ذہنیت کیا تھی اسکا مزاج کیا تھا۔ ان کے تذکروں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حالت آپ کی نگاہ کے سامنے ہیں۔

تو عوامی فساد نفس کی برائی سے پیدا ہوتا ہے اسی لیے افراد تک محدود رہتا ہے۔ لیکن اقتدار کا فساد، اس کے پچھے خزانے ہیں۔ اقتدار ہے۔ حکومت ہے۔ تخت ہے، تاج ہے۔ یہ فساد اتنا قوی ہوتا ہے کہ اس کے روکنے کیلئے تقریر کافی نہیں ہوتی ہے۔ موعظ کافی نہیں ہوتا ہے۔ اسکا ایک ہی راستہ ہوتا ہے کہ جس خزانے کے بل بوتے پر جی رہا ہے۔ اس کے قبضہ سے لے لیا جائے۔ جس تاج کے اندر وہ دماغ ہے جو فاسد ہو گیا ہے اس تاج کو اتار دیا جائے تاکہ باہر کی ہوا تو لگے۔ جس تخت پر بیٹھنے کی بنا پر وہ فساد پیدا ہوا ہے وہ تخت پروں کے نیچے سے کھینچ لیا جائے تاکہ زمین پر پاؤں تو پڑیں۔

تو ہم کر رہے ہیں آپ۔ عوامی فساد چونکہ نفس کے فساد سے پیدا ہوتا ہے تو نفس کی اصلاح ہی اصلاح کیلئے کافی ہے لیکن اقتدار کا فساد طاقت سے، خزانے سے، دولت سے، حکومت سے پیدا ہوتا ہے تو جب تک اس طاقت کو چھینا نہیں جائے گا اس وقت تک اصلاح کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ فرزند رسولؐ نے ایک لفظ کہا کہ میرے نانا کی امت میں اصلاح درکار ہے۔ میرے نانا کی امت میں فساد پیدا ہو گیا ہے۔ میں اصلاح کرنا چاہتا ہوں۔ یہ فساد دو مرحلوں پر ہے عوامی فساد اور اس سے زیادہ حکامی فساد اسلئے کہ دوریزید کے عوام اتنے فاسد نہیں ہیں جتنا فاسد خودیزید ہے۔ لہذا اب جو قیام ہوگا اس قیام کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جتنا نفس میں فساد پیدا



ہوا سے تقریروں سے درست کیا جائے خطبوں سے صحیح کیا جائے۔ بیانات سے صحیح کیا جائے۔ آیات و روایات سے صحیح کیا جائے۔ اور جتنا فساد اقتدار کے سہارے پیدا ہوا ہے جب تک اس اقتدار کو بے نقاب نہ کیا جائے گا جب تک اس اقتدار کو ذلیل نہ کیا جائے گا اس وقت تک امت پیغمبرؐ کی اصلاح ممکن نہیں ہے۔

اسی لیے میں نے ایک جملہ کہا تھا کہ امام حسینؑ اگر چہ قتل ہو گئے امام حسینؑ کا گھرانہ اگر چہ زندہ نہیں رہ سکا مگر جس اقتدار کو امام حسینؑ نگاہ میں رکھے ہوئے تھے کہ یہ بنیاد فساد ہے، اسکو امام حسینؑ نے ایک دوپہر میں اتنا بے نقاب کر دیا کہ ملتا ہوا اقتدار بھی یزید کے بیٹے نے چھوڑ دیا اور ملی ہوئی حکومت کو یزید کے بیٹے نے نظر انداز کر دیا۔ اب تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ امام حسینؑ کے قیام کا فائدہ کیا ہوا؟ نہیں میں نے پہلے دن عرض کیا تھا کہ بہت سے مسائل ہیں جنکی تفصیل کا کوئی امکان نہیں ہے۔ لیکن آپ کی نگاہ کے سامنے ہیں اقتدار تو ایک ایسی بلا ہے کہ اگر انسان خواب بھی دیکھ لے کہ مجھ کو مل سکتا ہے تو آخر دم تک جان دینے بغیر نہ رہے گا۔ کتنے ہم نے تاریخی کردار دیکھے ہیں کہ جنھوں نے اقتدار کا خواب دیکھ لیا۔ اچھے خاصے شریف تھے کیسے ہو گئے۔ آپ کو معلوم ہے جب تک زیبر کا نام اس حیثیت سے پیش نہیں ہوا تھا کہ یہ بھی اسلام کا حاکم ہو سکتا ہے اس وقت تک زیبر امیر المؤمنینؑ کا بندہ بے دام تھا۔ رشتہ دار بھی ہے۔ قرابت دار بھی ہے۔ امیر المؤمنینؑ کے چچے چچھے ہے۔

لیکن جیسے ہی یہ معلوم ہوا کہ نہیں ہم نے غلط سوچا۔ ہم کیوں غلامی کریں گے۔ نوکری کریں گے۔ ہم تو پھر میں کے ایک ہیں۔ ہم تو خود ہی سمجھدار لوگوں کی نگاہ میں قابل اقتدار ہیں۔ ویسے ہی دنیا نے دیکھ لیا کہ جو سب سے بڑا مقابل بن کے آیا وہی انسان تھا جو کل علیؑ کا بندہ بے دام بنا ہوا تھا۔ یعنی اس کے معنی یہ

ہیں کہ اقتدار ایک ایسی شے ہے کہ اگر انسان کو وہم بھی ہو جائے چاہے واقعاً کسی قابل نہ ہو کہ مجھے مل سکتا ہے تو انسان بے چین ہو جاتا ہے۔ چاہے کتنی ہی خراب حکومت ہو لیکن اگر ملنے کا خیال پیدا ہو جائے تو ہم آپ بھی بغیر اس کے چچے جان دینے رہ نہیں سکتے ہیں چہ جائیکہ ملتا ہوا اقتدار قبضہ میں آجائے اور باپ کی جگہ پر بیٹے کو بٹھا دیا جائے اور بیٹھنے کے بعد وہ اعلان کر دے کہ میرے دادا نے اس سے مقابلہ کیا جو اس سے بہتر تھا اور میرے باپ نے اس سے جنگ کی جو اس سے بہتر تھا وہ اپنے مظالم کی سزا بھگت رہے ہیں میں کیوں اس مصیبت میں پڑوں گا۔ میں کسی غاصبازت تحت پر بیٹھنے والا نہیں۔ میں کوئی ظالمانہ اقتدار لینے والا نہیں۔ ملا ہوا اقتدار جب یزید جیسے انسان کا بیٹا نکھرا دے تب انسان سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ امام حسینؑ نے اتنی بڑی کامیابی حاصل کی ہے اور اتنی بڑی فتح حاصل کی ہے۔ جو سوچی بھی نہیں جاسکتی تھی۔

فرزند یزید اور خلافت سے ہو پزار

تو نے اموی خون کی تاثیر بدل دی

تو ایسا فساد جو عوام سے حکام تک عام ہو جائے اسکی اصلاح کیلئے دونوں کام ضروری ہیں کہ عوام کو نصیحت بھی کی جائے۔ موعظ بھی کیا جائے اور اس حکومت کی حقیقت کو بھی واضح کر دیا جائے جس حکومت کی بنیاد پر یہ فساد پھیلایا جا رہا ہے جس حکومت کی بنیاد پر یہ برائیاں عام کی جا رہی ہیں۔

کتنا حیرت انگیز ماحول ہے کہ جہاں تحت خلافت پیغمبرؐ پر بیٹھنے والا حاکم شام تحت پر بیٹھا ہوا ہے اور آنے والا وفد سلام کرتا ہے "السلام علیک یا رسول اللہ" اور حاکم میں اتنا کہنے کی غیرت نہیں ہے کہ میں رسول اللہ نہیں ہوں میں خلیفہ رسول اللہ ہوں۔ میں پیغمبرؐ نہیں ہوں میں اگر بہت سے بہت ہو سکتا ہوں تو ان



کی جگہ پر بیٹھنے والا۔ لیکن نہیں اتنا بھی اگر کوئی اونچا ہو جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے اسلئے کہ اقتدار کا نشر ہوتا ہی ایسا ہے تو جب باپ نے مسئلہ کو اتنا اونچا کر دیا ہے کہ اپنے کو رسالت تک پہنچا دیا ہے تو بیٹے کو دو قدم آگے بڑھنا ہی چاہئے تھا کہ "رسالت کھیل ہے۔ رسالت تماشا ہے۔ نہ کوئی وحی ہے نہ کوئی خبر ہے" ایسے باپ کے بیٹے سے اس سے زیادہ اور کیا توقع ہو سکتی ہے جب اقتدار کا نشر پیدا ہوتا ہے تو نہ رسالت کا ہوش رہ جاتا ہے نہ دین کا ہوش رہ جاتا ہے۔ یقیناً وہ افراد قابل قدر ہوتے ہیں جو اقتدار پانے کے بعد بھی ہوش میں رہ جائیں۔ اقتدار پانے کے بعد بھی مسلمان اور مومن رہ جائیں ورنہ یہ نشر بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ حاکم شام کا اعلان دیکھا۔ یزید کا اعلان دیکھا۔ ہر موقع پر سب ایک ہی حقیقت کا اعلان کرنا چاہتے ہیں اور ایک ہی بات عوام کے ذہن میں بٹھانا چاہتے ہیں کہ اصل ہم ہیں نہ دین کوئی شے ہے نہ مذہب کوئی شے ہے۔ اسی لیے جب واقعہ کر بلا تمام ہو گیا آل محمد کو قیدی بنایا جا چکا۔ شام کے سارے مسائل ختم ہو گئے تو آخری مرحلہ پر عابد بیمار سے ایک شخص نے عجیب و غریب سوال کیا۔ یہ بتائیے کہ آپ کا سارا گھر قربان ہو گیا۔ آپ کا سارا خاندان کٹ گیا۔ کٹ گیا سب مٹ گئے۔ فائدہ کیا ہوا؟ فرمایا فائدہ یہ ہوا کہ ہم نے میدان جیت لیا۔ فائدہ یہ ہوا کہ ہم نے قربانی دیکر میدان سر کر لیا۔

کہا مگر جو تخت پر بیٹھا تھا وہ ابھی تک بیٹھا ہوا ہے۔ جس کے ہاتھ میں حکومت تھی حکومت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ آپ نے کون سا میدان جیت لیا۔ فرمایا مگر میدان تخت پر، کہاں ہے۔ میدان تاج کا کہاں ہے۔

کہا پھر آپ کے جیت جانے کی، آپ کے کامیاب ہوجانے کی کوئی علامت، کوئی نشانی ہے۔ یہ تو اپنے کو فاتح کہتا ہے اسلئے کہ تخت پر ہے، تاج اس کے سر پر

ہے، خزانہ اس کے قبضہ میں ہے۔ آپ کہتے ہیں ہم نے میدان جیتا ہے تو آپ کے جیتنے کی علامت کیا ہے۔

فرمایا تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ۔ ابھی دقت نماز آرہا ہے۔ جب موذن کے اشہد ان محمد الرسول اللہ" تو جب شام کا موذن یہ اعلان کرے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں تب یہ اندازہ ہوگا کہ رسالت کو کھیل تماشا کہنے والا کام ہار گیا اور رسالت کی راہ میں قربانی دینے والا جیت گیا۔

بس اس مختصر تمہید کے بعد میں اپنے موضوع کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ جیسا فساد ہوگا وہی ہی اصلاح کرنا ہوگی اور اصلاح کیلئے دو اہم بنیادیں ہیں۔ یہاں سے میری آج کی گفتگو کا آغاز ہوتا ہے۔ اصلاح کیلئے دو اہم بنیادیں ہیں۔ جب کوئی انسان اصلاح کرنا چاہے تو پہلے اسے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ فساد کا مرکز کہاں ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اگر آدمی کو نذر زکام بھی ہو جائے اور کسی طیب کے پاس یا حکیم، ڈاکٹر صاحب کے پاس چلا جائے تو پہلے پتہ لگاتے ہیں کہ یہ بیماری جلی کہاں سے ہے اگر وہ جڑ معلوم ہو جائے، وہ بنیاد معلوم ہو جائے تو مرض کی اصلاح آسان ہے اور اگر خالی دوائیں کھلاتے رہے اور اصل نہیں معلوم ہے تو ہر دو ایک نئی بیماری پیدا کر دے گی اور ہر دو سے ایک نیا مرض پیدا ہوگا اور گویا ری ایکشن ہو رہا ہے۔ آپ کو پتہ ہی نہیں ہے کہ مرض ہے کہاں۔ آپ کو معلوم ہی نہیں ہے کہ بیماری کہاں ہے۔ تو اگر بیماری کی جڑ معلوم ہو جائے تو اصلاح بہت آسان ہے اور اگر بیماری کی بنیاد نہ معلوم ہو تو دوائیں دینا ممکن ہے اصلاح کرنا ممکن نہیں ہے۔

تو جب کوئی اصلاح کیلئے اُنھے تو پہلا فرض یہ ہے کہ وہ یہ پہچانے کہ فساد کی جڑ کہاں ہے تاکہ وہیں سے کام شروع کیا جائے افسوس کہ میں ساری باتیں نہیں



کہہ سکتا ہوں۔ آپ کے ذہنوں پر اعتبار کرتے ہوئے گزارش کر رہا ہوں۔ تو فساد کی جڑ معلوم ہو جائے کہاں ہے۔ تاکہ اصلاح کا کام وہیں سے شروع ہو۔ یہ پہلا نکتہ ہے اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اصلاح کیلئے اٹھنے والے کو یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ کون سی جگہ ہے جہاں ہمنوا اور ہم آواز ساتھ دینے والے اعوان و انصار پیدا ہو سکتے ہیں۔ ایسی جگہ آواز اٹھانے سے کیا فائدہ کہ جہاں کوئی ساتھ دینے والا نہ ہو۔ تو یہ دو بنیادی نکتے ہیں اصلاح کیلئے کہ مرکز فساد کو نگاہ میں رکھا جائے اور وہاں سے کام شروع کیا جائے کہ جہاں اصلاح کے ساتھ مل سکتے ہوں ورنہ خالی شور مچانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔

اسی بٹے آپ دیکھیں کہ پروردگار عالم نے اس بدترین دنیا میں، اتنی بگڑی ہوئی دنیا میں اپنے پیغمبر کو کہاں بھیجا۔ توجہ کریں۔ جو اللہ نبی کو مکہ میں پیدا کر سکتا تھا وہ خدا کیا چین میں نہیں پیدا کر سکتا تھا۔ وہ خدا کیا جاپان میں نہیں پیدا کر سکتا تھا۔ پیغمبر کو کہیں بھیج دیتا۔ مگر پروردگار عالم جب دنیا کی اصلاح نبی کے ذریعہ کرانا چاہتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ مرکز فساد کہاں بن گیا ہے۔ جس جگہ کو ہم نے مرکز اصلاح بنایا تھا اپنا گھر ابراہیم سے بنوادی اسمعیل سے بنوادیاتا کہ یہ ہمارا مرکز رہے تو جو ہمارا مرکز تھا اس مرکز پر ایسا قبضہ ہو گیا کہ گھر ہمارا بُت ان کے۔ گھر ہمارا خدا ان کے۔ ارے ایک خدا کا ایک گھر اس ہر تین سو ساٹھ خداؤں کا قبضہ۔ ایک خدا نے لاشریک کا اپنا گھر اور اس ہر تین سو ساٹھ خداؤں نے قبضہ کر لیا۔ بُت پرستی کا مرکز بن گیا۔ تو ظاہر ہے کہ فساد اتنا عام ہو گیا تو جو مرکز فساد تھا پروردگار عالم نے اپنے صیب کو وہیں بھیجا۔ اور نبی نے وہیں سے کام شروع کیا اور جتنا بدترین فساد تھا اتنا ہی سخت ترین قدم بھی اٹھایا۔ میں تاریخ کے پرانے اوراق نہیں دہرا سکتا ہوں۔ لیکن آپ نگاہ میں رکھیں گے جتنا

بدترین فساد تھا اتنا ہی سخت ترین قدم نبیؐ نے اٹھایا کہ ادھر تین سو ساٹھ خدا، ادھر اعلان لا آرا اللہ۔ کوئی صلح نہیں، کوئی حیات نہیں، نہ سوہر صلح نہ پچاس ہر، نہ دس ہر، نہ بیس ہر، تم میں کا ایک میں نہیں مان سکتا ہوں۔ بس وعدہ لاشریک خدا ہے تو جتنا بدترین فساد تھا۔ اتنا ہی سخت ترین قدم نبیؐ نے اٹھایا۔ کوئی مروت نہیں ہے، کوئی صلح کی بات نہیں ہے۔ کہ سب بے کار ہیں سب باطل ہیں سب نااہل ہیں۔ بس وعدہ لاشریک ہے جو سجدہ کرنے کے قابل ہے تو جو مرکز فساد بنا تھا نبیؐ نے وہیں سے آواز اٹھائی اور جیسا فساد تھا اتنا ہی سنگین قدم نبیؐ نے اٹھایا اور جب نبیؐ نے قدم اٹھایا تو اس محفل میں قدم اٹھایا کہ جہاں اگر جادو گر کہنے والے ہوں تو کوئی "یاسیدی" کہنے والا بھی ہو۔ جہاں اگر دیوانے کہنے والے ہوں تو کوئی ایسا بھی ہو جو کہے گھبرائے گا نہیں۔ میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ میں آپ کو بوجھ بناؤں گا۔ اس راہ میں قربان ہو جاؤں گا مگر مقصد کو ضائع نہ ہونے دوں گا۔ تو اصلاحی قدم وہاں سے اٹھتا ہے جو فساد کا مرکز ہو اور اصلاحی قدم وہاں اٹھایا جاتا ہے جہاں اعوان و انصار کے پائے جانے کے امکانات پائے جاتے ہیں۔ بس یہ دو باتیں نگاہ میں رکھنے کا تاریخ اسلام آپ کو معلوم ہے اب آئیے وہ دور جو امام حسینؑ کا دور ہے اس دور میں فساد کے مرکز ہیں دو۔ ایک جو حاکم کا اپنا مرکز ہے اور ایک جو اس کے بدترین گورنر کا مرکز ہے۔ میں بدترین گورنر اسمٰئیلؑ کہہ رہا ہوں کہ حاکم خود بھی اسے قابل لعنت قرار دیتا ہے۔ "لعن اللہ بن مرجانہ" یہ خود مزید نے کہا ہے خدا بن زیاد پر لعنت کرے تو اس کا مطلب کیا ہے کہ جہاں خود حاکم ہے ایک فساد کا مرکز وہ ہے اور جہاں ایسے گورنر کو بٹھایا ہے جو وہ اسکی نگاہ میں بھی قابل لعنت ہے وہ فساد کا مرکز ہے۔

ایک کا نام ہے شام اور ایک کا نام ہے کوفہ۔



یہ دو مرکز ہیں تو جو انسان اصلاح کیلئے اٹھے گا اسکی نگاہ میں یہ دو جگہیں بہر حال ہونی چاہئیں اسلئے کہ سارا فساد جو عالم اسلام میں پھیلنا ہوا ہے یا حاکم کے ذریعہ آیا ہے یا گورنر کے ذریعہ آیا ہے۔

بس شام اور کوفہ میں ایک بنیادی فرق ہے کہ شام سے اپنا کوئی سابقہ نہیں رہا اور کوفہ سے اپنا سابقہ رہ چکا ہے۔ یعنی شام میں کبھی اپنا دخل نہیں رہا ہے اور کوفہ میں کل اپنا اقتدار رہ چکا ہے۔ شام میں ہمیشہ دشمن کامرکز رہا ہے اور کوفہ کل مولائے کائنات کا دار الحکومت رہ چکا ہے۔ تو اگر اعوان و انصار پیدا ہو سکتے ہیں۔ اگر مددگار پیدا ہو سکتے ہیں تو اس سرزمین پر پیدا ہو سکتے ہیں جس سرزمین نے علیؑ کا کردار دیکھا ہے۔ اس سرزمین پر نہیں پیدا ہو سکتے ہیں جس نے علیؑ کے بارے میں گالیاں سنی ہیں، دو مرکز فساد شام اور کوفہ میں ایک مرکز وہ ہے کہ جہاں ساتھی نہیں مل سکتے ہیں اور ایک مرکز وہ ہے جہاں ساتھیوں کے ملنے کا امکان ہے۔ لہذا سیاسی اعتبار سے، قانونی اعتبار سے، عقلی اعتبار سے امام حسینؑ کی ذمہ داری تھی کہ اپنی اصلاح کامرکز اس کوفہ کو قرار دیں جو مرکز فساد بھی بنا ہوا ہے اور جہاں اصلاح کے امکانات بھی اسلئے پائے جاتے ہیں کہ کوفہ میں وہ اعوان و انصار پیدا ہو سکتے ہیں جو حسینؑ کے ہم آواز ہو جائیں۔

میں کوفہ کی تاریخی حیثیت اس دن گزارش کروں گا جب "قاتلان حسینؑ کا مذہب" طے ہوگا اسلئے کہ سب کوفہ والے ہی ہیں لیکن کوفہ نے ایسے کردار بھی پیدا کئے ہیں جنکو خود امیرالمومنینؑ نے سند دی ہے۔ "عجمۃ اللہ۔ سمان کثر الاسلام، سیف اللہ" یہ وہ افراد ہیں جو۔ سمان کی جان ہیں، یہ وہ افراد ہیں جو۔ سمان کا سر ہیں۔ یہ وہ افراد ہیں جو۔ سمان کے خزانے ہیں۔ یہ وہ افراد ہیں جو دین کی راہ میں قربانی دینے والے ہیں۔ اور ایک لفظ یاد دلاؤں۔ مسند آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ یہ کوفہ جس میں جتنے

بے وفا پیدا ہوئے ہوں۔ تیس ہزار ہوں، پچاس ہزار ہوں۔ لیکن بہر حال اسی کوفہ نے پہلے بھی اور بعد میں بھی ایسے کردار پیدا کئے ہیں جو آل محمدؑ کیلئے یقیناً قابل اعتماد تھے۔

ایک جملہ یاد دلاؤں جب طرمح بن عدی امیرالمومنینؑ کا پیغام لیکر حاکم شام کے دربار میں آئے۔ واقعہ آپ نے سنا ہوگا اور نہیں سنا تو اب جا کے پڑھئے گا۔ جب طرمح کی سواری پر حاکم یا حاکم کے چاہنے والوں نے قبضہ کر لیا۔ وہ کہتے ہیں یہ میرا اونٹ ہے اس پر کیوں قبضہ کر رہے ہو۔ غصب تو ناجائز ہے۔ حرام ہے۔

لوگ کہتے ہیں یہ اونٹنی ہے اونٹ نہیں ہے۔

سنا ہوگا آپ نے اور آخر میں نتیجہ یہ ہوا کہ پچاس گواہی دینے والے کھڑے ہو گئے حاکم کی طرف سے کہ یہ اونٹنی ہے اور یہ اونٹ نہیں ہے وہ تو طرمح کی اپنی ذہانت تھی کہ وہ ثابت کر لے گئے کہ اونٹنی نہیں اونٹ ہے۔ وہ ان کا ہنر تھا لیکن پچاس آدمی حکومت کے ہم آواز پیدا ہو گئے یہ کہنے کے واسطے کہ یہ اونٹ نہیں بلکہ اونٹنی ہے جبکہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور اونٹ اونٹنی کا فرق ہر آدمی پہچانتا ہے۔

اب جو طرمح چلنے لگے تو شام کے حاکم نے کہا کہ جا کے علیؑ سے کہدنا۔ میں نے تمہارے مقابلہ کیلئے ایک لاکھ سپاہی ایسے ہی تیار کئے ہیں کہ جو اونٹ اور اونٹنی میں فرق نہیں کرتے ہیں تو تم میں مجھ میں کیا فرق کریں گے۔

یہ بھی ایک قابل فخر بات ہے یعنی حاکم اس بات پر ناز کر رہا ہے کہ میرے عوام بالکل جاہل ہیں، نالائق ہیں۔ نااہل ہیں اور اس بات پر ناز کر رہا ہے کہ یہ ایسے نہ ہوتے تو ہم حاکم کیسے ہوتے۔ جا کے کہدنا کہ ہم نے ایک لشکر تیار



کیا ہے جس لشکر کی ذہنیت کا عالم یہ ہے کہ یہ اونٹ اور اونٹنی میں فرق نہیں کرتے ہیں اور میدان میں جب آکے پھیل جاتے ہیں تو جیسے رائی کے دانے بکھرے ہوئے ہوں اس طرح پورے میدان میں میرا لشکر نظر آتا ہے۔ تو جناب طراح نے ایک جملہ کہا کہ اگر تو نے ایسا لشکر ایک لاکھ کا اکٹھا کیا ہے جو میدان میں آجائیں گے دانوں کی طرح بکھر جائیں تو علیؑ نے بھی ایک مرغ پال رکھا ہے کہ اگر یہ مرغ کہیں میدان میں آگیا تو سارے دانوں کو ایک ایک کر کے چگ جائے گا۔ یہ کون ہے آپ پہچانتے ہیں یہ جو انسان بھی ہے یہ بھی کوفہ کی دین ہے یعنی کوفہ نے اگر ویسے بے وفا پیدا کئے ہیں تو ایسے ابن اشتر بھی پیدا کئے ہیں۔ ایسے صاحبان کردار بھی پیدا کئے ہیں۔ حبیب کہاں کے رہنے والے ہیں۔

کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ حر کہاں کا رہنے والا ہے کوفہ کی کارہنہ والا ہے۔ یعنی کوفہ نے اگر ویسے بدترین کردار پیدا کئے ہیں تو ایسے بہترین کردار بھی پیدا کئے۔ جنگی مثال عقل کے اعتبار سے، شعور کے اعتبار سے، فہم و ادراک کے اعتبار سے، طاقت و شجاعت کے اعتبار سے شام میں نہیں ملتی ہے۔ تو جو اصلاح کیلئے اٹھتا ہے اُسے وہ راستہ اختیار کرنا ہوگا جہاں ایسے وفادار پیدا ہو سکتے ہوں۔ اور میں اس سے واضح بات کہوں۔ واقعہ سب جانتے ہیں واقعہ کوفہ میں بھی پیش آیا اور شام میں بھی پیش آیا یعنی سر امام حسینؑ کوفہ میں بھی آیا اور شام میں بھی آیا۔ اہل حرم کوفہ میں بھی آئے اور شام میں بھی آئے۔

کوفہ کی مصیبت محدود تھی تھوڑی دیر کیلئے۔ شام کی مصیبت ایک سال کی تھی مگر فرق اتنا تھا کہ کوفہ نے چند دن جو مصائب دیکھے تو توابعین کے گروہ پیدا کر دیئے۔ شام نے سال بھر مصیبت دیکھی مگر غیرت داروں کی جماعت نہ پیدا ہو سکی۔ اب اندازہ ہوا کہ حسینؑ کو شام کا رخ نہیں کرنا تھا کوفہ کا رخ کرنا تھا۔

آپ اس تاریخی منظر کو نگاہ میں رکھے ہوئے ہیں یا نہیں۔ بات کو میں اور واضح کرنا چاہتا ہوں تاکہ میرے تمام سننے والے جو تاریخی حقائق سے بے خبر ہیں اور نہ جانے کیسے کیسے پروپیگنڈوں میں مبتلا ہیں وہ بھی بات کو پہچانیں۔ اب اس کے مقابلہ میں چار پانچ نگہیں اور ہیں جو دور حاضر کے، بیسویں صدی کے مشیر امام حسینؑ کو مشورہ دے رہے ہیں کہ امام حسینؑ کو یہ کرنا چاہئے تھا اور وہ کرنا چاہئے تھا۔

وہ مشورے کیا ہیں؟

ایک مشورہ جو کل بھی تھا کہ ان کو وہیں مدینہٴ رسولؐ میں رک جانا چاہئے تھا۔ کہیں جاتے ہی نہیں۔ مدینہ سے اجمعی محفوظ کون سی جگہ ہے۔

دوسرا مشورہ۔ خیر مدینہ چھوڑ دیا تھا تو مکہ ہی میں رک جاتے۔

تیسرا مشورہ۔ یمن کو ان کے بابا نے مسلمان بنایا تھا تو وہاں چلے جاتے۔

چوتھا مشورہ مصر چلے گئے ہوتے یعنی ذرا اور دور تاکہ جان بالکل محفوظ ہو جاتی اور ہر خطہ سے دور نکل جاتے۔

یہ بھی ایک مشورہ ہے جو امام حسینؑ کو دیا جا رہا ہے کہ وہ راستہ اختیار کر لیا ہوتا اور ادھر چلے گئے ہوتے بلکہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہا کہ اس سے بہتر تو یہ ہوتا کہ پورا جزیرۃ العرب چھوڑ دیا ہوتا۔ فارس چلے گئے ہوتے یعنی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی مسافر گھر بنانے کی جگہ ڈھونڈ رہا ہے۔ جیسے نعوذ باللہ کوئی خانہ بدوش آدمی ہے اسکو گھر بنانے کیلئے ایک جگہ چاہئے۔ ہر ایک ایک پر لہر نی کا حوالہ دے رہا ہے۔ یہاں مکان سستا ملتا ہے۔ وہاں زمین سستی ملتی ہے۔ یہاں چلے جائیں، وہاں چلے جائیں اور سب کی بنیاد ایک ہے یہاں رہیں گے جان بچ جائے گی۔ وہاں رہیں گے جان بچ جائے گی۔ اس سے آگے کوئی سوچنے والا ہی نہیں ہے۔ اسمان بچانے کی فکر تو کسی کے ذہن میں نہیں ہے۔ ہر ایک کے ذہن



میں ایک فکر ہے کہ امام حسینؑ کی جان کہاں بچ سکتی ہے اور ایسے تمام مشیر امام حسینؑ کی نگاہ میں کل بھی تھے۔ اسلئے کہ جب مشورہ دینے والوں نے مشورہ دیا تو فرمایا تم مجھ سے سہروں کی بات کر رہے ہو تم مجھ سے علاقوں کی بات کر رہے ہو۔ میں اگر کسی جانور کے سورج کے اندر بھی چلا جاؤں تو یہ میرے وجود کو گورا نہیں کر سکتے۔ اسلئے کہ ان کو اندازہ ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں گا ان کی بدکاریاں اسلام نہ بن سکیں گی۔ جب تک میں زندہ رہوں گا ان کی بے دینی کو دین نہ بنے دوں گا۔ اسلئے یہ میری زندگی کو برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔ نہ مدینہ میں، نہ مکہ میں۔ نہ کسی اور علاقے میں۔ رہ گیا علاقوں کی صورت حال تو دو دو لفظوں میں اسے بھی پہچان لیں آپ۔

مدینہ میں رک جاتے۔ تو جب جا رہے تھے جمعی لوگ کھڑے ہو گئے ہوتے۔ اگر آپ آج مشورہ دے رہے ہیں کہ مدینہ میں رک گئے ہوتے بڑی محفوظ جگہ تھی۔ تو یہ آپ کیوں کہہ رہے ہیں۔ یہ تو مدینہ والوں کو کہنا چاہئے تھا کہ فرزند رسولؐ آ رہے، ہم تو سب موجود ہی ہیں جان دینے کے واسطے۔ ہم موجود ہیں دفاع کرنے کیلئے۔ کوئی نگاہ اٹھا کے دیکھا آنکھیں نکال لیں گے۔ آپ کہوں جا رہے ہیں۔

مگر یہ بات کس نے کسی یہ بات اگر کسی بھی کہ کہاں جا رہے ہیں تو محمد حنفیہ نے کسی۔ عبداللہ بن جعفر نے کسی۔ عبداللہ بن عباس نے کسی۔ جناب ام سلمہ نے کسی۔ مگر جن کے سہارے آپ روکنا چاہتے ہیں کوئی ان کی آواز بھی ڈھونڈھ نکالے تاریخ میں کہ ایک دو ہزار کی فوج آ کے کھڑی ہو گئی ہو۔ گھبرائیے گا نہیں، ہم قربان ہو جائیں گے آپ پر۔ آپ نمبرے مدینہ سے زیادہ محفوظ کوئی جگہ نہیں ہے۔ نہ ایسے افراد مدینہ میں دکھائی دیئے اور نہ مکہ میں کہ جب حرم خدا سے امام حسینؑ جانے لگے حج کو عمرہ سے بدل کر۔ تو ابن عباس نے کہا نہ

جائے۔ ابن جعفر نے پیغام دیا کہ نہ جائیے۔ محمد حنفیہ کا پیغام آیا کہ نہ جائیے۔ مگر مسلمانوں کا پیغام کہاں چلا گیا جنگو ایثار کا مظاہرہ کرنا ہے۔ جنگو نبیؐ کے نواسے کی جان بچانا ہے۔ جنگو اسلام کے تحفظ میں ساتھ دینا ہے۔ وہ فوجیں کہاں ہیں۔ وہ آواز کیوں نہیں اٹھتی ہے۔ تو جو علاقے نبیؐ کو دیکھے ہوئے ہیں۔ جنھوں نے نبیؐ کی حیات دیکھی ہے۔ نبیؐ کا کردار دیکھا ہے۔ جن علاقوں کو پیغمبرؐ نے بنایا ہے۔ جب حکومت کا رعب ان پر اتنا غالب آجائے کہ جو بڑے بڑے باپ کے بڑے بڑے بیٹے تھے وہ بھی علاقہ چھوڑ کر چلے جائیں یا بیعت کیلئے تیار ہو جائیں تو جہاں اتنی بزدلی پائی جاتی ہو ان کے سہارے کون سا قیام کیا جائے؟

اور میں نے کل آپ کے سامنے اشارہ کیا تھا کہ امام حسینؑ کی شہادت کے فوراً بعد جو مدینہ کا انجام ہوا ہے وہ بھی آپ کو معلوم ہے اسی لشکرِ یزید کے ذریعہ۔ مگر نہ کوئی فوج دکھائی دی۔ نہ کوئی طاقت دکھائی دی۔ جو اپنی غیرت کا اور اپنی حمیت کا اس انداز سے مظاہرہ کرے جس مظاہرہ کی توقع ہوئی چاہئے تھی۔ تو حجاز، مکہ، مدینہ مٹھی تو وہ انداز نہیں پایا جاتا ہے۔ حد یہ ہے کہ جب شام کا حاکم یزید کی بیعت لینے کیلئے مدینہ میں وارد ہوا اور اسے خطرہ پڑھا اور لوگوں سے بیعت کا مطالبہ کیا تو صرف ایک امام حسینؑ تھے جو کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ کس قدر بے غیرتی کی بات ہے کہ ایسے انسان کی بیعت کا مطالبہ عالم اسلام سے کیا جا رہا ہے جس کے کردار میں شراب ہے، جو اہل بد کرداری ہے، ہر برائی ہے کوئی نیکی نہیں ہے، اسکی بیعت لینے کے واسطے تو عالم اسلام سے مطالبہ کر رہا ہے اور اسکو مجبور کر رہا ہے۔

یہی وقت تھا جب امام حسینؑ نے آواز اٹھائی تھی تو مدینہ اٹھ کھڑا ہوتا۔ اسی تو فیصلہ آسان تھا نہ کوئی لشکر آیا تھا نہ کوئی فوج آئی تھی مگر جو ایک حاکم کے



رُعب سے اتنے مرعوب ہو جائیں کہ نبی زادے کی آواز پر آواز نہ دے سکیں۔ وہ مقابلہ کیلئے، جان دینے کیلئے آئیں گے؟

یہ وہ طاقت نہیں ہے، یہ وہ علاقہ نہیں ہے جس کے سہارے قیام کیا جاسکے۔

”مکن کا حال بھی دیکھا۔ معاویہ کا لشکر آیا۔ مسلم بن ابی ارقطہ نے سارے ”مکن کو آکے غلام بنایا اور لوگوں نے غلامی کی بیعت کر لی مگر ایک لشکر سے لڑنے کیلئے تیار نہیں ہوئے۔

مصر کا حال سب کو معلوم ہے۔

فارس میں اس دور میں تو ظاہر ہے کہ آل محمد کے چاہنے والوں کا نہ کوئی علاقہ تھا اور نہ کوئی طاقت جس طاقت کے سہارے کوئی قیام کیا جاسکے۔

اسلئے امام حسینؑ کے سامنے دونوں اعتبارات سے، مرکز فساد ہونے کے اعتبار سے بھی اور اصلاح کے ساتھ امید کی توقع کے اعتبار سے بھی سوائے کوفہ کے اور کوئی علاقہ نہ تھا کہ جدھر امام حسینؑ اپنا رخ کرتے۔

علاوہ اس کے ایک تاریخی حقیقت جو بڑی تلخ ہے مگر کہے بغیر بات ہستی نہیں ہے۔

مدینہ چھوڑا امام حسینؑ نے مگر مدینہ والوں نے نہ کہا ٹھہر جائیے آپ کا ساتھ دیں گے۔ ہمیں آپ کی ضرورت ہے۔

مگر چھوڑا امام حسینؑ نے مگر مدینہ والوں نے نہ کہا کہ ٹھہر جائیے ہم کو آپ کی ضرورت ہے۔

جب ”مکن خیر ہو پونجی تو علیؑ کے بنائے ہوئے مسلمان تھے مگر نہ کہا یہاں آجائے۔ ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔

مصر سے کوئی دعوت نامہ نہ آیا سچے، جھوٹے سہی کوفہ والوں ہی کا دعوت نامہ آیا اب کوفہ اور باقی علاقہ والوں کا فرق آپ پر واضح ہو گیا۔ نہیں توجہ کی۔ کوفہ کا فرق اور باقی علاقوں کا فرق تو معلوم ہو گیا کہ اور کوئی دعوت دینے والا نہیں ہے مگر کوفہ کے فریب کار سہی انھوں نے اپنی طرف سے امام حسینؑ پر گویا حجت تمام کر دی کہ ہم نے وعدہ نصرت کیا، ہم نے آپ کو دعوت دی، اب امام حسینؑ کے سامنے دو راستے ہیں۔

اگر کوفہ نہ جائیں تو انھیں یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ ہم نے بلایا۔ نہ آئے، پروردگار تو گواہ رہنا۔

اور اگر کوفہ کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں تو ظالموں کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ ان کے باپ دادا کا علاقہ تو کوفہ تھا۔ یہ ادھر گئے تھے کوئی فتنہ اٹھانے کیلئے ادھر تو کسی نے بلایا بھی نہیں تھا۔ اگر جانا تھا تو وہاں گئے ہوتے جہاں والے بلارہے تھے۔

لہذا کوفہ اپنی تاریخی حیثیت کے اعتبار سے بھی اور کوفہ اپنی دعوت کے اعتبار سے بھی یہ حق پیدا کر چکا تھا کہ فرزند رسولؐ انھیں یہ اور بات ہے کہ امام حسینؑ اصلاح بھی چاہتے تھے اور یہ بھی چاہتے تھے کہ دنیا کو یہ خیال نہ پیدا ہو جائے کہ امام حسینؑ کوئی حالت سے اتنے بے خبر ہیں کہ جس کا جی چاہے دھوکہ دیدے۔

ایسا نہیں تھا کہ کوئی یہ سوچے کہ امام حسینؑ حالات سے، سیاست حاضرہ سے اتنے بے خبر تھے کہ جس کا جی چاہے دھوکہ دیدے۔ نہیں اسی لیے اٹھارہ ہزار خطوط پانے کے بعد بھی امام حسینؑ نہ گئے۔ غور کر رہے ہیں آپ۔ امام حسینؑ اس وقت تک نہیں گئے جب تک آپ نے مسلم کو بھیج نہیں دیا۔

یہ مسلم کا بھیجنا اس بات کا اعلان ہے کہ تمہارے خطوط کے مضامین سے،



لجوں سے دینا دھوکہ کھا جائے مگر میں دھوکہ نہیں کھا سکتا۔ میں تمہارا امتحان بھی لینا چاہتا ہوں کہ دیکھوں تمہارے خطوط میں کتنی صداقت اور کتنی سچائی پائی جاتی ہے۔ اور اگر آپ نے تاریخ کے الفاظ پڑھے ہیں اور نگاہ میں رکھا ہے اور اگر نہیں رکھا ہے تو میں آپ کو یاد دلا دوں کہ جب مسلم کو بھیجا تو یہ سند دی ہے "انی باعث الیکم اخی وابن عمی وثقتی مسلم بن عقیل" میں اسے بھیج رہا ہوں جو میرا بھائی ہے میرے چچا کا بیٹا ہے اور میرا معتبر انسان ہے۔

امام حسینؑ نے مسلمؑ کے اعتبار کا اعلان کر کے اہل کوفہ کو متوجہ کر دیا کہ یہ تو معتبر ہے اسے اسلئے بھیجنا ہوں تاکہ تمہیں دیکھا جاسکے کہ تم میں کتنا اعتبار ہے۔ یہ سیاست حسینؑ کا ایک پہلو تھا۔ انشاء اللہ باقی وضاحت آئندہ کروں گا۔

تو امام حسینؑ نے حالات کو دیکھنے کے بعد وہ راستہ اختیار کیا جس راستہ کے علاوہ کوئی قانونی راستہ نہیں تھا۔ اس کے بعد جب امام حسینؑ آگے بڑھے تو جو آخری نتیجہ آپ کے سامنے آیا وہ بھی میں گزارش کروں گا مگر ایک آخری جملہ کہہ کر بیان کو آخری مرحلہ پر لانا چاہتا ہوں۔ اور یہ ایک تاریخی لفظ ہے میرا۔ جو سمجھیں گے وہ تو سمجھیں گے ہی انشاء اللہ جو نہ سمجھیں وہ بھی محفوظ رکھیں انشاء اللہ کبھی بات سمجھ میں آجائے گی۔

امام حسینؑ نے جب قدم نکالا وطن سے اور ان سارے حالات کو دیکھا تو امام حسینؑ کی نگاہ میں ایک عراق یعنی کوفہ ہی وہ مرکز تھا کہ جہاں جا کر صدائے احتجاج، صدائے اصلاح بلند کی جاسکتی تھی اسلئے کہ کل جب اصلاح امت کا وقت آیا تھا اور باپ نے یہ کام سنبھالا تھا تو میرے بابا نے بھی سارے علاقوں کو چھوڑ کر اسی کوفہ کو مرکز بنایا تھا۔ علیؑ کے دور کا دار الحکومت تھا کوفہ۔ اس کے پہلے نہیں یہی وجہ ہے کہ جنکو آج علیؑ کی کوئی اداسند نہیں آتی وہ یہ اعتراض کرتے ہیں دیکھئے۔

علیؑ نبیؐ کی سیرت سے ہٹ گئے۔ سرکارِ دو عالم یا مکہ میں رہے یا مدینہ میں۔ تو علیؑ کو بھی اپنا دار الحکومت یا مکہ کو بنانا چاہئے تھا یا مدینہ کو۔ جو حضورؐ کی سنت تھی۔ جو حضورؐ کی سیرت تھی اور علیؑ سے پہلے ہی ہوتا چلا آ رہا تھا یعنی سب سیرت پیغمبرؐ پر قائم تھے صرف ایک علیؑ نے اس راستہ کو بدل دیا اور مکہ مدینہ کو دار الحکومت بنانے کے بجائے کوفہ کو دار الحکومت بنا دیا۔ اب ان نافرمانوں کو کون سمجھائے کہ اس دور کے حالات میں اور اس دور کے حالات میں کیا فرق تھا۔ کل عالم اسلام کتنا بڑا تھا اور آج عالم اسلام علیؑ کے دور میں کتنا بڑا تھا۔ وہ الگ مسئلہ ہے لیکن ایک بات گزارش کرنا ہے کہ اگر تمہاری سمجھ میں یہ بات آگئی ہے کہ علیؑ نے کوفہ کو دار الحکومت بنا کے سیرت پیغمبرؐ سے انحراف کیا ہے تو تم تو سیرت پر چلے جاؤ۔ لیکن حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جس دن سے علیؑ نے کوفہ کو دار الحکومت بنایا ہے ۳۶ ہجری سے آج ۱۴۱۰ ہجری تک پھر عالم اسلام میں کبھی دار الحکومت نہ مکہ دکھائی دیا نہ مدینہ۔ جتنے سیرت کے نھیکیدار تھے کوئی پلٹ کے مکہ مدینہ نہیں گیا۔ تو اگر ان پر انحراف کا الزام ہے تو تم تو اس الزام کو دھو ڈالو کیونکہ عالم اسلام متحد ہو جائے ایک دار الحکومت مکہ یا مدینہ ہو جائے۔ مگر کوئی پلٹ کے نہ گیا تو مجھے کہنے دیجئے کہ معاذ اللہ اگر تمہاری نگاہ میں علیؑ کا کوئی قدم غلط بھی اٹھ جاتا ہے تو ساری دنیا اسی نقش قدم پر چلتی ہے کوئی اصلاح کرنے والا نہیں پیدا ہوتا ہے۔

بغداد، سامرہ، طوس، دیگر علاقے، ساری دنیا عالم اسلام کیلئے دار الحکومت بن گئی اور بتی ہلی آرہی ہے اور آج کے بعد بھی جی رہے گی۔ مگر وہ علیؑ کا سیاسی اقدام تھا جس نے یہ سمجھایا کہ دیکھو جتنا بڑا عالم اسلام پھیلتا جائے امور حکومت کو اسی اعتبار سے طے ہونا چاہئے تاکہ حکومت کو کنٹرول کیا جاسکے۔ نظام کو چلایا جاسکے۔ یہ راستہ علیؑ ہی کا بنایا ہوا ہے جس پر سارا عالم اسلام چل رہا ہے۔ اور اگر یہ حسرت



ہی ہے کہ نہیں پھر ایک مرتبہ نبی کا دور پلٹ آئے تو انتظار کرو پلٹ کے آئے گا۔  
جب آخری وارث یعنی غمگین آئے گا تو تکمیل ہی سے پلٹ کے آئے گا۔

جب آخری اصلاح کرنے والا قدم اُٹھائے گا تو اس کا اصلاحی قدم وہیں سے اُٹھے گا جہاں سے پہلے کا قدم اُٹھا تھا جہاں سے پہلے نماز اللہ نے کام شروع کیا تھا وہیں سے اس کا آخری وارث بھی کام شروع کرے گا۔ اب آپ سوچئے گا کہ کیوں؟  
اسلئے کہ اصلاحی کام وہیں سے شروع ہوتا ہے جہاں فساد کا مرکز ہوتا ہے۔

بس عزیزان محترم! میں نے اپنی بات کو آج تکمیل کر دیا۔ اب میں اس تذکرہ تک آ گیا کہ کوفہ کی اکثریت کتنی ہی بے وفا ہو گئی ہو۔ اس کے حالات کتنے ہی خراب ہو گئے ہوں۔ مگر نیک کردار، بلند کردار افراد بھی اسی کوفہ نے پیش کئے ہیں جنکی تاریخ میں مثالیں موجود ہیں اور جن کے تذکرے آپ سنتے رہتے ہیں۔ انھیں افراد میں سے ایک کردار جس کا آج مجھے تذکرہ کرنا ہے۔

یہ ایک عجیب خصلت تھی اہل کوفہ میں۔ اس زمانہ میں اہل کوفہ میں تھی اور آج بیسویں صدی میں تو شاید پوری دنیا ہی کوفہ ہو گئی ہے جب امام حسینؑ نے مکہ چھوڑا اور مکہ سے چلنے لگے تو فرزدق سے ملاقات ہو گئی۔

امام حسینؑ نے پوچھا فرزدق یہ بتاؤ کہ عراق کا کیا حال ہے۔ ادھر میں جا رہا ہوں وہاں والوں کا کیا حال ہے۔ تو ایک جمد فرزدق نے کہا جو تاریخ میں محفوظ ہے۔ قلوب ہم معک و سیو فہم علیک دل تو سب کے آپ کے ساتھ ہیں لیکن اگر تو انہ گئی تو سب کی تلواریں آپ کے خلاف اُٹھیں گی یعنی اندر کتنے ہی محبت کرنے والے ہوں۔ لیکن جب مظاہرہ کا وقت آئے گا تو حکومت سے ایک رنج آگے چھے نہیں ہوں گے۔ بدھر حکومت کی تلوار اُٹھ جائے گی سب کی تلواریں اسی کے ساتھ اُٹھیں گی۔ پھر آپ کے ساتھ کوئی تلوار اُٹھنے والی نہیں۔ اور یہ امام حسینؑ نے

خود بھی کہا تھا کہ مجھے معلوم ہے یعنی یہ ایک کردار ہے جو ہر دور میں دنیا میں پیدا ہوتا رہتا ہے کہ دل میں بڑی محبت ہے۔ بس اظہار کا نام نہ لیجئے گا۔ اس دور میں یہ کردار کوفہ میں بستا تھا اور آج ساری دنیا میں پایا جاتا ہے جس سے کہنے اور ہم مولا والے ہیں لیکن خالی یہ کہنے کا وقت آجائے کہ ہم مولا والے ہیں تو سب کچھ بن جاو مولا والے نہ بننا۔ اگر کہیں ہزار روپیہ خطرہ میں پڑ جائے۔ کہیں دو ہزار روپیہ خطرہ میں پڑ جائے۔ کہیں چھوٹی موٹی حیثیت خطرہ میں پڑ جائے تو پھر کہیں نہ کہو کہ ہم مولا والے ہیں۔ بس دل میں مولا کی محبت رکھو۔ وہ تو جانتے ہی ہیں اور وہ آپ کو خوب جانتے ہیں اور سب کو جانتے ہیں۔ جو ہم کہتے ہیں وہ بھی جانتے ہیں اور جو دل میں چھپائے ہوئے ہیں وہ بھی جانتے ہیں۔ وہ سب کو جانتے ہیں پورے عالم اسلام، عالم کفر سب کو جانتے ہیں اور سب کی حقیقت کو جانتے ہیں مگر یہی بدترین کردار تھا جس نے کل بھی فساد پیدا کیا اور یہی خرابی ہے جو ہر دور میں پائی جاتی ہے۔ اسی لیے آپ دونوں باتیں دیکھیں گے کہ ابن زیاد کا نمائندہ بن کے آیا ہے حر۔

کیوں؟ امام حسینؑ کا راستہ روکنے کیلئے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے امام حسینؑ نے اپنے قافلہ کو جہاں روکا تھا وہاں پانی تھا تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ آگے یا بانوں میں صحراوں میں جانا ہے لہذا پانی کا ذخیرہ ساتھ لے یا جائے۔ روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کے ساتھ پانی جمع کرنے کیلئے مشیکڑوں یا برتنوں کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ اب جو اصحاب امام حسینؑ پانی لیکر چلے تو سامنے ایک منظر دکھائی دیا۔ اس منظر کو دیکھ کر اصحاب نے آواز بلند کی۔ اللہ اکبر۔

پوچھا آپ نے یہ صدائے تکبیر کیوں کی؟  
کہا مولا نخلستان دکھائی دے رہا ہے۔ مجبور کے درخت ہیں اب سایہ مل



جانے گا نصہر نے کیلئے بیٹھنے کیلئے ایک جگہ مل جائے گی۔ تو امام حسینؑ کے ساتھ جو لوگ راستہ جاننے والے بطور دلیل چلا کرتے تھے انہوں نے کہا مگر یہ علاقہ وہ جہاں غلستان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ کوئی لشکر آ رہا ہے جس کے یزے اتنے بلند ہیں کہ گھوڑوں کے باغات معلوم ہو رہے ہیں اور چند لٹے نہیں گزرے تھے کہ اُدھر کا قافلہ آگے بڑھا اور اُدھر کا قافلہ بھی تیزی سے آگے بڑھا اور دیکھا کہ ایک لشکر ہے تواریں ان کے پاس ہیں، یزے ان کے پاس ہیں۔ گھوڑوں پر سوار ایک ہزار افراد اور اتنی تیز رفتاری سے دوڑائے گئے ہیں صحراؤں میں پیابانوں میں کہ عالم یہ ہے کہ ہر ایک کی زبان منہ سے باہر نکلی ہوئی ہے، پیاس سے۔ یہ لشکر ہے حر کا۔

کیوں آیا ہے؟

امام حسینؑ کو گرفتار کرنے کیلئے اور راستہ روکنے کیلئے۔

جیسے ہی امام حسینؑ نے یہ عالم دیکھا۔ آواز دی۔ بھیا جاس! یہ لشکر پیاسا ہے۔ ساقی کوثر کلالا! میں ان کے ارادوں سے باخبر ہوں۔ یہ راستہ روکنے کیلئے آئے ہیں۔ یہ گرفتار کرنے کیلئے بھیجے گئے ہیں۔ مگر میں یہ منظر نہیں دیکھ سکتا کہ یہ پیاسے رہ جائیں۔ بھیا ان کو سیراب کرنے کا انتظام کیا جائے۔ ایک ہزار کا پیاسا لشکر امام حسینؑ کے ساتھیوں نے اتنا انتظام اپنے ساتھ رکھا تھا کہ ایک ہزار کے لشکر کے انسانوں کو بھی سیراب کیا اور جانوروں کو بھی سیراب کیا۔ سب کو پانی پلا دیا یہاں تک کہ حر کے لشکر کا آخری سپاہی علی بن طعان عمار بنی کتا ہے کہ میں چونکہ سب سے پیچھے تھا اور ترتیب وار پانی پلایا جا رہا تھا اور میرا عالم یہ تھا کہ میں یہ سمجھ رہا تھا کہ جب تک میری باری آئے گی میں مر چکا ہوں گا کہ امام حسینؑ کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی تو اب تک تو امام حسینؑ بیٹھے منظر دیکھ رہے تھے اور اصحاب۔ بنی ہاشم پانی

پلا رہے تھے مگر جیسے ہی میرا عالم دیکھا۔ بنی کلالا! اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ میرے قریب آئے اور آگے فرمایا کہ اپنے اونٹ کو بٹھادے مگر میں پیاس سے اتنا بدحواس ہو رہا تھا کہ میں سمجھا بھی نہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ پھر سمجھایا اپنے اونٹ کو بٹھادے۔ میں نے ناقد کو بٹھایا۔ کہا میں تجھے سیراب کرنا چاہتا ہوں پانی پلانا چاہتا ہوں۔ مگر میں پیاس سے اتنا بے قرار اور بے تاب تھا کہ پانی پینے کی صلاحیت بھی مجھ میں نہیں تھی تو امام نے خود اپنے دست مبارک سے مجھے پانی پلایا اور جب میں پانی پی چکا تو میرے اونٹ کو پانی پلایا۔ ایک ہزار کے لشکر کو امام حسینؑ نے سیراب کر دیا۔ اس عالم مسافرت میں۔

یہ ایک منظر تھا۔ آئے کاہے کیلئے ہیں۔ امام کا راستہ روکنے کیلئے۔ گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لے جانے کے واسطے اور اسی دوران وقت نماز آ گیا۔ ظہر کا ہنگام آ گیا۔ امام حسینؑ نے کہا حر وقت نماز آ گیا ہے میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔ جا تو بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھ لے اسلئے کہ مسلمان تو تم بھی ہو کلمہ تم بھی پڑھتے ہو۔ حر نے کہا بنی لال یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کے ہوتے ہونے میں نماز پڑھاؤں۔

یہ آپ نے کوفہ کی خصلت دیکھی۔ یہ دوہرا منظر ہے۔ گرفتار کرنے کیلئے بھی، رہا راستہ روکنے کیلئے بھی، اور اس کے بعد یہ بھی کہ کس کی مجال ہے جو آپ کے ہوتے ہونے نماز پڑھائے گا۔ آپ نماز پڑھائیں گے۔ میں بھی آپ کے پیچھے پڑھوں گا اور سارا لشکر پڑھے گا۔ یہ کردار تاریخی کردار ہے ہمیشہ کا۔ اسے نگاہ میں رکھیں گے۔ اما حسینؑ نے نماز پڑھائی اور سارے لشکر نے امام حسینؑ کے ساتھ نماز پڑھی۔ دیکھنے والا اگر کوئی ہوتا تو شاید اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا کہ غربت حسینؑ کو دیکھ کر، فیاضی حسینؑ کو دیکھ کر، کرم حسینؑ کو دیکھ کر اس ایثار حسینؑ کو



دیکھ کر لشکرِ راستہ پر آگیا اور سب حسینؑ کے قدر داں ہو گئے ہیں مگر پانی پلانے کے بعد، نماز پڑھانے کے بعد، نماز تمام کرنے کے بعد اب جو امام حسینؑ چلنے لگے اور گھوڑے پر سوار ہوئے تو حر نے بڑھ کر لجامِ فرس کو پکڑ لیا۔ مگر میں جانے نہیں دوں گا اس لیے کہ حاکم کا حکم ہے کہ آپ کو حاکم کے سامنے پیش کیا جائے۔ دنیا کا کوئی دوسرا انسان ہوتا تو کتنا کس قدر بے غیرتی کی بات ہے۔ حیا آنی چاہئے۔ میں نے تیرے لشکر کو سیراب کیا ہے، میں نے پانی پلایا ہے اور پھر میرے ساتھ یہ برتاؤ؟

مگر یہ ابن زہراء کا کردار ہے۔ یہ نبیؐ کا نواسہ، علیؑ کا لال ہے اپنے احسان کا ذکر بھی نہیں کیا۔ مگر طرف میں صلاحیت دیکھی تو چاہا کہ حر کو راستہ پر لے آئیں۔ چاہا کہ کوئی ایسا راستہ نکل آئے کہ جس میں اتنی صلاحیت پائی جاتی ہے کہ میرے پیچھے نماز پڑھنے کیلئے تیار ہے وہ راستہ پر آ ہی جائے۔

امام حسینؑ سے بڑا نباض کون ہوگا؟ حسینؑ سے زیادہ مزاج کا پچاننے والا کون ہوگا؟

امام حسینؑ نے تبلیغ کا بالکل نرا راستہ نکالا۔ نہ احسان کو یاد دلایا نہ کرم کو یاد دلایا۔ نہ پانی پلانے کا ذکر کیا بلکہ جیسے ہی حر نے لجامِ فرس پر ہاتھ ڈالا حسینؑ نے کہا حر تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے۔ بس یہ سننا تھا کہ حر کا پنپنے لگا۔ لرز گیا۔ کہا حسینؑ اگر آپ کے علاوہ کسی اور نے میری ماں کا ذکر کیا ہوتا تو میں غیرت دار انسان تھا ہمارے یہاں ایسے الفاظ برداشت نہیں کئے جاتے ہیں۔ میں اسی لہجہ میں جواب دیتا۔ مگر کیا کروں آپ کی ماں فاطمہ زہراءؑ ہیں۔ بس عزا دار وہ اب آپ نے پہچانا کہ امام حسینؑ نے حر کی ماں کا ذکر کیوں کر دیا تھا۔ چاہتے تھے کہ حر کی ماں کا ذکر آئے تاکہ اس کے ذہن میں میری مادرِ گرامی کا خیال آئے اور یہی خیال وہ

ہے جو حر کو راستہ پر لاسکتا ہے۔

بس اس کے بعد مسلسل حر کو یہ خیال تڑپا رہا تھا کہ حسینؑ زہراءؑ کے لال ہیں حسینؑ فاطمہؑ کے نورِ نظر ہیں۔ حسینؑ کو فاطمہؑ نے بڑی مشقتوں سے پالا ہے یہ خیال راستہ سے لیکر کر بلا تک اور ۲ محرم سے لیکر عاشور کی رات تک حر کو تڑپاتا رہا یہاں تک کہ جب عاشور کی رات آئی اور طے ہو گیا کہ صبح جنگ ہونے والی ہے تو حر اپنے خیمہ میں آیا کہ تھوڑی دیر آرام کرے اسلئے کہ صبح کو سرداری لشکر کا فرض انجام دینا ہے۔ خیمہ میں آکر لیننا چاہتا ہے مگر آنکھ نہیں لگتی، نیند نہیں آتی، بے قرار ہو کر اُٹھ جاتا ہے۔ کبھی خیمہ سے باہر کبھی خیمہ کے اندر۔

کسی نے کہا امیر یہ کیا بے چینی ہے۔ یہ کیا بے قراری ہے۔ کل جنگ کا دن ہے تھوڑا آرام تو کر لیجئے۔

کہا کیا آرام کروں جب خیمہ میں جاتا ہوں بستر پر لیننا چاہتا ہوں تو کانوں میں آواز آتی ہے "العطش" ہائے پیاس۔ ہائے پیاس۔ ارے جس نے میرے لشکر کو پانی پلایا تھا اس کے چھوٹے چھوٹے بچے پیاسے ہیں میں کیسے آرام کروں گا مجھے کیسے نیند آئے گی۔

رات گزرتی رہی یہاں تک کہ سحر کا ہنگام آیا حر، ابنِ سعد کے سامنے آئے اور کہا "یا ابنِ سعد اتقاتل هذا الرجل" کیا واقعاً حسینؑ سے جنگ ہوگی؟ ابنِ سعد نے کہا ایسی جنگ ہوگی کہ سر کٹ کے اڑتے ہوئے دکھائی دیں گے اور ہاتھ کٹ کے گرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

بس یہ سننا تھا کہ حر پیچھے ہٹ آیا سارا بدن کانپ رہا ہے۔ ایک شخص نے بڑھ کے کہا۔ حر اگر مجھ سے کوئی پوچھتا کہ کوئی کسب سے بڑا بہادر کون ہے تو تیرے علاوہ کسی کا نام نہ لیتا یہ تو بہتر کی چھوٹی سی سپاہ کو دیکھ



کر کانپ رہا ہے لرز رہا ہے۔

حر نے کہا مسند لشکر و سپاہ کا نہیں ہے۔ میں اپنے کو جنت و جہنم کے درمیان دیکھ رہا ہوں۔ اگر ادھر رہ جاؤں تو جہنم ہے ادھر جاؤں تو جنت مل جائے گی مگر اب کس مزے جاؤں گا۔ میں نے ہی تو راستہ روکا تھا۔ میری ہی وجہ سے نبی کی ذریت اس بلا کے بن میں گرفتار ہو گئی ہے۔ کیسے جاؤں گا مگر پھر ہمت کی اور طے کر لیا کہ مولا کی خدمت میں جانا ہے۔ چلے چند قدم آگے بڑھے تھے کہ ایک مرتبہ آہٹ محسوس کی۔ مڑ کے دیکھا تو کیا دیکھا کہ جوان بیٹا علی بن حرّ آرہا ہے۔

بیٹا کیوں آئے؟

کہا بابا کہاں جا رہے ہیں؟

کہا میں تو مولا کی خدمت میں جا رہا ہوں اپنے خطا کی معافی مانگنے جا رہا ہوں میں نے سمجھ لیا کہ جہنم ادھر ہے جنت ادھر ہے۔

کہا تو بابا ایسے موقع پر مجھے چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ ایسے موقع پر اپنے لال کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ یہ نہ ہو سکے گا میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔

کہا تو میرے لال آؤ اس وقت تو مجھے تمہاری ضرورت تھی۔

کہا بابا کوئی خدمت میرے لائق؟

حرّ نے رومال بیٹے کے ہاتھ میں دیا کہا ذرا میرے ہاتھوں کو باندھ تو دو۔ یہی وہ ہاتھ ہیں جو مولا کے جام فرس تک پہنچ گئے تھے میں جاہتا ہوں کہ ہر دیکھنے والا پہچان لے کہ ایک خطا کار ہے جو معافی کا طلبگار ہے۔

ادھر حرّ چلے ادھر حسین نے آواز دی۔ چاہنے والو اٹھو۔ ارے میرا مہمان آرہا ہے۔ بڑھو استقبال کرو۔

اصحاب نے استقبال کیا۔ حرّ نے مولا کو دیکھا سر قدموں پر رکھ دیا۔ حسین

نے کہا حرّ سر اٹھا لو۔

کہا مولا جب تک خطا معاف نہ ہوگی یہ سر نہ اٹھے گا۔

حسین نے کہا تیری خطا کو میں نے معاف کیا میرے خدا نے معاف کیا اب تو

سر اٹھا لے۔

کہا مولا یہ تو آپ جانتے ہیں کہ سب سے پہلے میں نے راستہ روکا تھا اگر مجھے

یہ انجام معلوم ہوتا تو میں کیوں آپ کا راستہ روکتا۔ اب پہلے مجھے اجازت دیجئے۔ پہلے

میں قربان ہو جاؤں۔

اے حرّ یہ تم نے کیا کہ دیا ابھی تم آئے ہو۔ حسین کسی خاطر کے قابل بھی

نہیں ہے۔ خیمہ میں اب تو ایک قطرہ آب بھی نہیں رہ گیا ہے۔ میں تمہیں مرنے کی

اجازت دیدوں؟

حرّ نے ہاتھ جوڑے کہا مولا اگر خاطر کرنا چاہتے ہیں تو میرے بیٹے کو مرنے

کی اجازت دیدیجئے۔ میرے بیٹے کو مرنے کی رضادید دیجئے۔

حسین نے فرمایا حرّ کیا کروں آج تو قربانیوں کا دن ہے۔ جاؤ میں نے

اجازت دیدی۔ بس آخری جملہ

حرّ نے اپنے جوان بیٹے کو سجایا۔ راستہ کیا۔ گھوڑے پر بٹھایا۔ میدان کی

طرف رخصت کیا۔ حرّ کا جوان بیٹا جہاد کر رہا ہے۔ ابن سعد کی فوجیں آگے بڑھیں۔

چاروں طرف سے گھیر لیا جائے۔ حملوں پر حملے شروع ہو گئے وار پر وار اور زخموں

پر زخم۔

حرّ کا بیٹا اب جو گھوڑے سے گرنے لگا تو آواز دی بابا ارے بیٹے کا آخری

دیدار کرنا ہو تو آجائے۔ بیٹے کو دیکھنا ہو تو آجائے۔

حرّ کے کانوں میں جوان بیٹے کی آواز آئی۔



مُحَرِّمٌ اُنھے کمر کو کس کے باندھا میدان کا رخ کیا۔ کسی نے آکے امام حسینؑ سے کہا۔ مُحَرِّمٌ تو میدان میں جا رہے ہیں۔ ارے اس کرم کا جواب کہاں ملے گا۔ حسینؑ اُنھے مُحَرِّمٌ کے قریب آئے۔ مُحَرِّمٌ کیا ارادہ ہے؟

کہا مولا جو ان بیٹے نے پکڑا ہے۔ میں اپنے لال کے سر ہانے جا رہا ہوں۔  
فرمایا مُحَرِّمٌ نہ ہو سکے گا تم نہ جاؤ گے میں جاؤں گا۔  
ارے مولا آپ یہ زحمت کیوں فرمائیں گے۔

کہا اسلئے کہ باپ کا معاملہ ہے اور جو ان بیٹے کا مسئلہ ہے۔ اپنے بیٹے کو کیسے تڑپتے دیکھو گے۔ اپنے لال کو کیسے لہڑیاں رگڑتے دیکھو گے۔ میں جاؤں گا تمہارے لال کا لاشہ اُنھا کے لاؤں گا۔

مُحَرِّمٌ کو روکا حسینؑ میدان میں آئے۔ مُحَرِّمٌ کے بیٹے کا لاشہ تو اُنھ گیا مگر ایک وہ وقت بھی آیا جب حسینؑ جیسا باپ علی اکبرؑ جیسا بیٹا۔ اب کون لاشہ اُنھائے آواز دی بنی ہاشم کے ہکو آؤ ضعیف باپ سے جو ان بیٹے کا لاشہ نہ اُنھ سکے گا۔

سید علم الذین ظلموا ای متقلب ینقلبون

## مجلس ۵

اے نفس مطمئن پلٹ آ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں۔ تو ہم سے راضی ہے ہم تجھ سے راضی ہیں۔ آمیرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ سورہ مبارکہ فجر کی ان آخری آیات کریمہ کے ذیل میں "کر بلا شناسی" کے عنوان سے جو معروضات آپ کے سامنے پیش کئے جا رہے تھے ان کا پانچواں مرحلہ "سیاست امام حسینؑ" سے متعلق ہے۔ لفظ سیاست ساری دنیا کا محبوب ترین لفظ ہے اور ساری دنیا کا بدنام ترین لفظ بھی ہے۔ یہ اگر انسان کو مل جائے تو کوئی چھوڑنے والا نہیں ہے اور اگر ہاتھ نہ آئے تو کوئی بخشنے والا نہیں ہے۔

عجیب و غریب بات ہے کہ کل کی تاریخ میں آل محمدؑ کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ یہ سیاست سے باخبر نہیں ہیں اور آج کی دنیا میں ہر آدمی کو یہ فکر ہے کہ دنیا کے ہر موضوع پر گفتگو ہو مگر اس موضوع کو زیر بحث نہ لایا جائے۔ لفظ سیاست جو دور حاضر میں اور شاید ہر دور میں ایسے غلط معانی میں استعمال ہوا ہے کہ انتہائی بدنام ترین لفظ ہو گیا ہے۔ اس کے واقعی معنی ہے تدبیر اور انتظام۔

تدبیر اور انتظام کے دو مرحلے ہوتے ہیں۔ یعنی ہر انسان کو پہلے اپنا ایک مقصد طے کرنا ہوتا ہے اس کے بعد اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے انتظام کرنا



ہوتا ہے۔ اس مقصد تک پہنچنے کیلئے تدبیریں کرنا ہوتی ہیں۔ اسی تدبیر اور اسی  
انتظام کو سیاست کہا جاتا ہے۔

سیاست کی واقعیت اور اسکی عظمت و اہمیت کو پہچانتے کیلئے ان دونوں  
باتوں پر نگاہ رکھنا ہوگی۔ جو انسان اس راہ میں قدم رکھتا ہے اسکا مقصد کیا ہے  
اور اس مقصد تک جانے کیلئے اس نے کیا تدبیر اختیار کی ہے اور کیا راستہ اختیار کیا  
ہے۔

کبھی انسان مقصد کی تعیین میں دھوکہ کھا جاتا ہے اور کبھی انسان راستہ  
کے انتخاب میں بدنام ہو جاتا ہے۔

توجہ فرمائیں گے۔ مسئلہ انتہائی حساس ہے لہذا میں ان تمام باتوں کو  
نظر انداز کرتے ہوئے صرف اپنے موضوع کے حدود میں اپنی باتوں کو گزارش  
کرنا چاہتا ہوں۔

تو پہلا مرحلہ ہے وہ مقصد جسکو انسان حاصل کرنا چاہتا ہے اور دوسرا مرحلہ  
ہے وہ تدبیر و تنظیم جس کے ذریعہ اس مقصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔

تو کسی سیاست کی اچھائی یا برائی کا دار و مدار دو باتوں پر ہے اگر مقصد  
اچھا ہے تو سیاست اچھی کہی جائے گی اور اگر مقصد خراب ہے تو سیاست خراب ہو  
جائے گی اور مقصد کی اچھائی کے بعد اگر وہاں تک جانے کا راستہ مناسب اور اچھا  
ہے تو بہترین سیاست کہی جائے گی اور مقصد لاکھ بلند ہو اگر جانے کا راستہ خراب  
ہے تو سیاست کو گندہ اور ذلیل قرار دیا جائے گا۔

آج ساری دنیا میں سارے فیصلے اسی بنیاد پر ہوتے ہیں ورنہ کوئی یہ کہنے  
کیلئے تیار نہیں ہوتا کہ ہمارا مقصد خراب ہے۔ ہر انسان یہ کہتا ہے کہ ہم  
انتہائی پاکیزہ اور بلند ترین مقصد کو نگاہ میں رکھا ہے مگر خرابی یہ ہوتی ہے کہ

وہاں تک جانے کیلئے جو راستے اختیار کئے جاتے ہیں جو راستے اتنے گندے ہوتے  
ہیں کہ مقصد کی بلندی بھی اس راستہ کو پاکیزہ نہیں بنا سکتی ہے۔ لہذا کسی انسان کی  
سیاست کا فیصلہ کرنے سے پہلے ان دو باتوں کو دیکھنا ہوگا کہ فریقین کا مقصد کیا  
تھا اور فریقین نے اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے تدبیر کیا کی ہے۔ توجہ فرمائیں  
گے۔ ہر مقابلہ میں یا فریقین کے مقصد سے ان کی عظمت کا فیصلہ ہوگا یا مقصد تک  
جانے کیلئے جو راستہ دونوں نے اختیار کیا ہے اس راستہ سے ان کی سیاست کی کامیابی  
کا فیصلہ ہوگا۔ اگر وہ راستہ اچھا ہے اور وہ وسائل اور ذرائع ایسے ہیں جو مقصد تک  
پہنچادینے والے ہیں تو سیاست کو کامیاب کہا جائے، اور اگر ذرائع مقصد تک  
لے جانے والے نہیں ہیں تو ایسی سیاست کو ہر دور میں ناکام اور ناکامیاب کہا  
جائے گا۔

امام حسینؑ کے مقاصد کو پیش کرنے سے پہلے اور امام حسینؑ کے طریقہ کار کو  
نگاہ میں رکھنے سے پہلے ایک جملہ امام حسینؑ اور یزید دونوں کی وراثت کے  
بارے میں گزارش کرنا ہے تاکہ اندازہ ہو جائے کہ وہ مقصد جو امام حسینؑ کو ملا  
ہے وہ کیا ہے اور وہ مقصد جو یزید کے ہاتھوں میں آیا ہے وہ کیا ہے؟  
یہ بعد میں فیصلہ ہوگا کہ اپنے اپنے مقصد تک جانے کیلئے دونوں نے کیا  
راستے اپنائے ہیں۔

توجہ فرمائیں گے۔ آخری مرحلہ حیات میں جب مولائے کائنات کا سراقدس  
مسجد کوفہ میں عین حالت سجدہ میں زخمی ہوا اور سر پر ابن مجلم کی تلوار لگی تو صورت  
حال یہ ہے کہ علی کی تلوار دشمن پر نہیں چل رہی ہے موقع وہ ہے کہ جہاں نہ کوئی  
میدان ہے، نہ کوئی معرکہ ہے، نہ کوئی لڑائی ہے۔ ایک بندہ خدا کا سجدہ ہے اور قاتل  
کی تلوار اس بندہ خدا پر چل رہی ہے۔ تو ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جب تلوار ظالم کی چل



گئی۔ جب قاتل کا وار کامیاب ہو گیا۔ جب علی کا سر شگاف ہو گیا تو علی کو صدمہ ہو گا کہ جسکی ایک تلوار سے بدر میں ۳۶ مارے گئے۔ جسکی ایک تلوار نے احد کے معرکہ کو فتح کیا۔ جسکی ایک تلوار نے مر جب کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ جسکی ایک ضربت نے کل کفر کا خاتمہ کر دیا۔ آج اس پر یہ وقت آ گیا ہے کہ دوسرے کی تلوار اس پر چل رہی ہے۔

تو جہ نہیں کی آپ نے۔ جو انسان ہمیشہ معرکوں میں گلے کا تار رہا ہے۔ دشمنوں کو فی النار کرتا رہا ہے۔ دشمنوں کو تہ تیغ کرتا رہا ہے۔ اگر کبھی وہ زخمی ہو جائے تو اسے صدمہ ہونا چاہئے، افسوس ہونا چاہئے کہ جو ہمیشہ فاتح رہا جو ہمیشہ معرکوں کو سر کرتا رہا۔ جس کے مقابلہ میں بڑے بڑے سورا آنے کے بعد نہ ٹھہر سکے اور انسانوں کا ذکر کیا ہے سارا لشکر جس سے مقابلہ نہ کر سکا۔ جسکی تلوار نے ایسوں کو دو ٹکڑوں میں بانٹ دیا جو جتنا نام سکر سہو لشکر سر نہ اٹھا سکے۔ ایسے انسان کے سر پر تلوار چل جائے اور اسکا سر زخمی ہو جائے تو اسے پھر زندگی میں کبھی سر اٹھانا نہیں چاہئے۔ ہر محفل میں، ہر انسان کے سامنے شرمندہ ہونا چاہئے کہ جو ہمیشہ کامیاب رہا آج کامیاب نہ ہو سکا۔ جو ہمیشہ گلے کا تار رہا آج اس کے سر پر تلوار چل گئی۔ مگر یہ تاریخ کا عجیب و غریب منظر ہے کہ جب تک علیؑ کی تلوار دشمنوں پر چلتی رہی، جب تک علیؑ کے ہاتھوں دشمن کا سر کٹتا رہا۔ علیؑ نے اپنی کامیابی کا اعلان نہیں کیا اور جب ظالم کی تلوار علیؑ کے سر پر چل گئی۔ تو علیؑ نے سر اٹھاتے ہی آواز دی "فرت ورب الکعبہ" پروردگار کعبہ کی قسم علیؑ کامیاب ہو گیا۔

خدا جانتا ہے کہ دنیا کا کوئی دوسرا انسان ہوتا تو اسکا سر جھک جاتا۔ اتنا بڑا فاتح، اتنا بڑا کامیاب انسان، اتنا بڑا سورا، ساونت، مجاہد، غازی اور اس کے ساتھ یہ صورت حال پیش آجائے مگر علیؑ نے سر اٹھا کے اعلان کیا "رب کعبہ گواہ ہے کہ علیؑ

کامیاب ہے۔ جو کل اعلان کامیابی نہیں کر رہا تھا وہ اب اعلان کامیابی کر رہا ہے تاکہ دونوں مقصد واضح ہو جائیں کہ اگر میرا مقصد گلے کا تار ہوتا۔ اگر میرا مقصد میدانوں کو سر کرنا ہوتا۔ اگر میرا مقصد اپنے لیے غازی اور مجاہد کا لقب لینا ہوتا۔ تو میں میدانوں میں کامیابی کا اعلان کرتا۔ میرا مقصد عبادت الہی اور سجدہ پروردگار کو بقائے دوام دینا ہے لہذا آج جب سجدہ میں میرا سر زخمی ہوا تو دنیا یہ پہچان گئی کہ میرے اور دشمن کے درمیان یہی فرق ہے کہ سجدہ کرنا میرا کردار ہے اور سجدہ گزار ہر حملہ کرنا اسکا کردار ہے۔

تو جہ کی آپ نے۔ یہ علیؑ ہیں جو اپنے مقصد کا اعلان کر رہے ہیں تاکہ اندازہ ہو جائے کہ میں کیوں کامیاب ہوں۔

اسلئے کہ میرا مقصد ہے رضائے خدا، میرا مقصد ہے بندگی پروردگار، میرا مقصد ہے عبادتوں کو زندہ رکھنا، میرا مقصد ہے خدا کی بارگاہ میں سریناز کا خم کر دینا۔ اسی لئے مسجد کوفہ کا اعلان کعبہ کے حوالے سے کیا۔ تو جہ کریں۔ مسجد کوفہ میں اعلان کیا اور حوالہ خانہ کعبہ کا دیا۔ "فرت ورب الکعبہ" پروردگار کعبہ کی قسم علیؑ کامیاب ہے۔ تو اعلان کوفہ میں ہو رہا ہے اور حوالہ کعبہ کا دیا جا رہا ہے۔ اب دونوں کا رابطہ پہچانیئے۔ علیؑ نے اپنی کامیابی میں رب کعبہ کی قسم کھا کے آغاز اور انجام دونوں کو واضح کر دیا کہ میری کامیابی کا آغاز کعبہ ہے اور میری کامیابی کی انتہا کوفہ۔ وہاں بھی آیا تھا تو کعبہ میں قدم رکھتے ہی سجدہ کیا تھا اور یہاں سے بھی جا رہا ہوں تو سجدہ میں زخمی ہو کر جا رہا ہوں۔ سجدہ ابتدا ہے سجدہ انتہا ہے اور یہی علیؑ کی کامیابی ہے۔ یہی حیات علیؑ کی کامیابی ہے۔ بس فرق اتنا ہے کہ باپ جب کامیابی کا اعلان کر رہا تھا تو کامیابی کعبہ سے چل کر کوفہ تک آئی تھی اور بیٹا جب کامیابی کا اعلان کر رہا تھا تو کامیابی کوفہ سے چل کر کعبہ تک جا رہی تھی معرکہ یہاں سے ہوا عظمت کعبہ



وہاں برقرار رہ گئی۔

بندگی پروردگار اور رضائے الہی ہے مقصد علیؑ

اس کے بعد دوسرا منظر امام حسنؑ اور حاکم شام کی صلح کے بعد جب حاکم شام نے اپنی نگاہ میں اپنا مقصد حاصل کر لیا تو خطبہ پڑھا۔ تاریخ میں یہ خطبہ محفوظ ہے "یا اہل الکوفہ یعنی اے حسن کے چاہنے والو۔ اے کوفہ والو" انی ماقتلکم لتصلوا و تزکووا و تجھوا" یہ یاد رکھنا میں نے اسلئے تم سے جنگ نہیں کی ہے کہ تم نماز پڑھنے لگو۔ یہ تاریخ کے الفاظ ہیں۔ میں نے اسلئے تم سے جنگ نہیں کی ہے کہ تم نمازی ہو جاؤ۔ تم زکوٰۃ دینے لگو۔ تم حج کرنے لگو۔ اس کام کیلئے میں کیسے جنگ کروں گا جبکہ میں خود جاٹا ہوں کہ تم نماز پڑھتے ہو۔ تم زکوٰۃ دیتے ہو، تم حج کرتے ہو تو تم سے نماز کیلئے جنگ ہو سکتی ہے نہ زکوٰۃ کیلئے ہو سکتی ہے نہ حج کیلئے ہو سکتی ہے۔ تو پھر یہ جنگ کیوں ہوئی۔

ہم آپ نہیں طے کریں گے۔ جو صاحب معاملہ ہے وہ طے کرے۔ تو تم یہ پوچھو گے پھر یہ جنگ کیوں ہو رہی ہے تو یاد رکھو "انی ماقتلکم لاتامر علیکم" میں نے تم سے صرف اسلئے جنگ کی ہے تاکہ تمہاری گردنوں پر حکومت کروں تاکہ تم پر حاکم ہو جاؤں۔

مقصد پہچانا آپ نے۔ یہ سارے معرکے کیوں؟ یہ ساری لڑائیاں کیوں؟ یہ سارے ہنگامے کیوں؟ تاکہ تمہاری گردنوں پر میری حکومت قائم ہو جائے۔ تو ادھر کا مقصد ہے بندگی پروردگار ادھر کا مقصد ہے لوگوں پر حکومت کرنا۔ وہ اس مقصد کا وارث ہے جس کا نام ہے حسینؑ بن علیؑ۔ یہ اس مقصد کا وارث ہے جس کا نام ہے یزید بن معاویہ۔

یہ اقتدار کا مقصد لیکر آیا ہے وہ بندگی پروردگار کا مقصد لیکر آئے ہیں۔ مگر ایک

بات یاد رکھئے گا ان دونوں کا ایک بڑا نازک سا فرق ہے جو میں ایک لفظ میں اپنے تمام سننے والوں کو سمجھا دینا چاہتا ہوں۔ کہ یہ اقتدار کیا ہے اور بندگی پروردگار کیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ جب حکومت لینے والا اپنی مرضی چلانے کیلئے حکومت لیتا ہے تو اس کا نام ہے آمریت، اس کا نام ہے استبداد، اس کا نام ہے حکومت۔ اور حکومت پر قبضہ کرنے والا جب اوامر الہی کو نافذ کرنا چاہتا ہے تو اس کا نام ہے دین، اس کا نام ہے مذہب اور اس کا نام ہے اسلام۔

اسلام کبھی یہ نہیں چاہتا کہ ہم محکوم بن کر غلامی کریں۔ اسلام خود حکومت کرنا چاہتا ہے۔ اللہ نے انبیاء و مرسلین کو اسی لیے بھیجا ہے کہ ہماری دنیا میں ہمارے قانون کو نافذ کریں۔ ہماری دنیا میں ہمارا قانون چلائیں۔ اسی لیے انبیاء آئے۔ مرسلین آئے، اویاء، خاصان خدا سب کا ایک مقصد تھا کہ دنیا خدا کی ہے تو قانون خدا کا ہونا چاہئے اور دنیا کے افراد اور دنیا کے سلاطین اور حکام۔ یہ تو جانتے تھے کہ دنیا ہماری بنائی ہوئی نہیں ہے مگر چاہتے ملک خدا کا رہے مگر قانون ہمارا رہے۔ بڑی نازک منزل ہے اگر آپ متوجہ نہیں۔ اللہ کے بندے یہ چاہتے ہیں کہ ملک اللہ کا ہے تو قانون اللہ کا رہے۔ دنیا کے بندے یہ چاہتے ہیں کہ ملک اللہ کا رہے اور قانون ہمارا رہے۔ جو ہم چاہیں۔ جو ہماری مرضی ہو اور دونوں کا ایک بڑا نازک سا فرق ہے۔ جو وہ مقصد لیکر آتے ہیں کہ ملک خدا میں قانون خدا رائج ہو وہ اس وقت تک اقتدار کو ہاتھ نہیں لگا سکتے جب تک قانون خدا سے باخبر نہ ہوں۔ اسلئے کہ اگر قانون خدا کو نافذ کرنا چاہتے ہیں وہ پہلے قانون خدا سے باخبر ہوں جب ہی تو نافذ کریں گے تو اگر ان کے پاس قانون الہی کا علم نہ ہوگا تو اقتدار کو ہاتھ نہ لگائیں گے اور جو اپنی مرضی چلانا چاہتے ہیں وہ قانون سے بے خبر ہوتے ہیں مگر حاکم ہوتے ہیں۔ بس یاد رکھئے گا جہاں حکومت نتیجہ علم ہو وہاں قانون الہی چلتا ہے



اور جہاں حکومت کی لائن علم سے الگ ہو جائے اور یہ کہا جائے کہ اقتدار ان کا ہے علم ان کا ہے۔ حضور نے خود کہا ہے علم لینا ہو تو اُدھر چلے جانا اور اقتدار لینا ہو تو بدھر چاہو اُدھر چلے جانا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قانون الہی سے الگ حکومت جاری ہے اور جو قانون الہی سے الگ حکومت ہو جائے وہ نفس کا اقتدار ہے قانون خدا کی حکومت نہیں ہے۔

یہ ایک بنیادی فرق ہے میں آپ کے سامنے گزارش کرنا چاہتا تھا اس کے بعد چار پانچ بنیادی مسائل ہیں انہیں آپ ذہن میں محفوظ کر لیں تاکہ میں نتیجہ تک جاسکوں اور وہ یہ ہے کہ دنیا میں جسکو سیاست کہا جاتا ہے۔ جو مقصد بھی ہو اچھا یا بُرا اس مقصد تک پہنچنے کیلئے چند باتیں جو ہمیشہ جرم ہوتی ہیں مگر اس راستہ پر آکے ہنر بن جاتی ہیں۔

جو صاحبان اقتدار دنیا میں پائے جاتے ہیں کفار و مشرکین کی مثالیں تو دنیا میں آپ کو بہت مل جائیں گے اور انہیں مثالوں سے دوسرے افراد کو بھی آپ پہچان لیں گے۔ ہمیشہ قانون یہ ہے اور اسی لیے سیاست نے ایک اصول ہمیشہ سے بنا رکھا ہے کہ مقصد تک جانے کیلئے جو راستہ بھی اختیار کیا جائے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اقتدار کو بیچ سے الگ کر دیا جائے تو ساری وہ باتیں جو جرم ہوتی ہیں جب اقتدار کی راہ میں وہی باتیں استعمال کی جاتی ہیں تو ہنر بن جاتی ہیں۔ جھوٹ بولنا عیب ہے یا نہیں؟ کوئی ہے دنیا میں ایسا جو کدے جھوٹ بولنا عیب نہیں ہے۔ کسی فرقہ کا کسی مذہب کا، مسلمان، کافر، دین دار، بے دین، ملحد، مشرک کوئی ہے جو کہے جھوٹ عیب نہیں ہے؟ سب کہیں گے کہ جھوٹ عیب ہے، بُرا ہے۔ لیکن الگشن میں جتنا جھوٹ بولا جائے انشاء اللہ اتنے ہی ووٹ زیادہ ملیں گے۔ جس سے پوچھو یہ جتنی باتیں کہہ رہے ہیں صحیح کہہ رہے ہیں۔ کہا

وہ کون صحیح کہتا ہے کہ یہی صحیح کہیں گے۔ کون سچ بولتا ہے جو یہ سچ بولیں گے۔ جب جانتے ہو، جھوٹ بول رہے ہیں تو جھوٹے کو کیوں ووٹ دے رہے ہو؟ جھوٹے کی کیوں حمایت کر رہے ہو؟ یہ غلط کار انسان ہے۔ غلط کار انسان کی حمایت کرنے والا روز قیامت غلط کاروں میں شمار کیا جائے گا۔ کہا وہ سب صحیح ہے مگر دنیا کا کاروبار یونہی چلتا ہے۔ یعنی انفرادی معاملات میں جھوٹ بولیں تو عیب۔ حکومتی مسائل میں جھوٹ بولا جائے تو ہنر، یہ دنیا کا نقشہ ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے۔ ہر جگہ جس نے بھی الگشن کا تجربہ کیا ہے۔ جو اس بلا سے محفوظ ہیں شکر خدا کریں۔ لیکن جس نے تجربہ کیا ہے وہ جانتا ہے۔

تو جھوٹ ہر جگہ عیب ہے۔ ہر جگہ جرم ہے۔ ہر جگہ بُرائی ہے۔ مگر اقتدار کی راہ میں ہنر ہے۔ کمال ہے جو جتنا بڑا جھوٹ بولنے کا ماہر ہے اتنا ہی بڑا کامیاب کہا جائے گا۔

دوسرے پر اہتمام اور الزام لگانا یہ عیب ہے یا ہنر؟ آپ فیصلہ کریں۔ یہ الزام لگانا یا کسی پر جھوٹا اہتمام لگانا یہ عیب ہے یا نہیں؟ ہے۔ لیکن جب اقتدار کا معاملہ سامنے آجائے تو یہ اپنے اپوزیشن کے بارے میں جو چاہیں کہیں۔ وہ اپنے اپوزیشن کے بارے میں جو چاہیں کریں۔ کوئی قانون گرفت کرنے والا نہیں ہے کہ یہ الزام ہے، یہ اہتمام ہے، یہ غلط بیانی ہے، تمہیں حق نہیں ہے میدان میں آنے کا۔ اسلئے کہ تم الزام لگانے والے ہو۔ اہتمام رکھنے والے ہو۔ جھوٹ بولنے والے ہو۔ کوئی کہنے والا نہیں ہے یعنی ہر لائن میں جاؤ تو یہ جرم ہے۔ اس لائن میں آجاؤ تو یہ جرم نہیں ہے۔ بلکہ میں نے تو ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں کہ ان سے پوچھا گیا آپ سمجھتے ہں کہ کوئی احمق آدمی آپ کو ووٹ دیدے گا۔ آپ کی اوقات کیا ہے۔ حیثیت کیا ہے۔ کہنے لگے یہ تو ہم بھی جانتے ہیں کہ ہمکو کوئی زدے گا اور خود



ہم بھی اپنا ووٹ نہ دیں گے۔ بھائی تو ووٹ ملنے والے نہیں آپ کامیاب ہونے والے نہیں نہ ایم لیل اے ہونے والے ہیں نہ ایم۔ پی ہونے والے ہیں تو کس خوشی میں آپ کھڑے ہو گئے ہیں؟ کہنے لگے آپ نہیں جانتے یہ دنیا دوسری ہے اسکو ہم جانتے ہیں یعنی وہ دنیا کیا ہے۔ آپ کے کھڑے ہونے کا مقصد کیا ہے؟ کہا بات یہ ہے کہ جو مقابلہ پر آجاتا ہے اسکو حزب اختلاف کے بارے میں سب کچھ کہنے کا حق مل جاتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ میں کوئی سیاسی تقریر تو نہیں کر رہا ہوں ورنہ میں سیکڑوں مثالیں آپ کو سنا دیتا۔ میں تو اپنے موضوع کی حد تک بات کہنا چاہتا ہوں مگر یہ ایک حقیقت ہے جو دنیا میں آج رائج ہے۔ یہ اسلئے کھڑے ہوتے ہیں کہ ان کے مقابلہ میں دو چار چھ دس جتنے امیدوار ہیں دو چار الزام ان پر لگائیں گے دو چار باتیں ان کے بارے میں کہیں گے۔ دو چار گالیاں ان کو دیں گے۔ فقط گالیوں کو ہتھمتوں کو جائز بنانے کیلئے یہ میدان میں آئے ہس۔ اسلئے کہ اور اوقات میں جھوٹ جائز نہیں ہوتا مگر اس میدان میں آنے کے بعد اس کا نام تہمت نہیں ہے۔ اسکا نام ہے سیاسی عمل۔ اسکا نام سیاسی تدبیر ہے اسلئے کہ اپنے مقصد تک جانے کیلئے ہر آدمی کوئی راستہ نکالتا ہے۔ یہ بھی ایک راستہ ہے تو جھوٹ ہر جگہ عیب ہے مگر یہاں عیب نہیں ہے۔ اتہام ہر جگہ عیب ہے مگر یہاں عیب نہیں ہے۔ حساب لگاتے چلیں آپ اور آگے بڑھیں۔ جھوٹا پروپیگنڈہ کرنا۔ خالی یہی نہیں کہ الزام لگا دیا۔ اس الزام کا اشتہار اور پروپیگنڈہ کرنا ہر جگہ عیب ہے مگر اس میدان میں آنے کے بعد پھر عیب نہیں رہ جاتا اور اس سے آگے بڑھ جائیں جو اس سے بدترین بات ہے آپ میرے گھر میں بغیر میری مرضی کے پانچ منٹ کیلئے آخر بیٹھ جائیں تو سارا محلہ کے گانا لائق ہیں۔

میرا گھر ہے میرے گھر کا دروازہ ہے آپ کرسی رکھ کر بیٹھ گئے میں نے کہا

بھائی دروازہ میرا ہے کہنے لگے وہ تو ہم بھی جانتے ہیں۔ ہم نے کہا آپ کیسے بیٹھ گئے میں راضی ہوں؟ کہا آپ ہر گز راضی نہیں ہیں۔ میں جاٹا ہوں۔ پھر آپ کیوں بیٹھ گئے؟ کہا ہمارا جی چاہتا ہے۔ اب جو محلہ والا گھر سے باہر نکلا۔ ہم نے کہا آپ دیکھ رہے ہیں یہ ہمارے گھر میں کرسی رکھ کر بیٹھے ہیں۔ ہمارے دروازے پر راستہ روکے ہوئے ہیں۔ سب نے کہا آپ کو شرم نہیں آتی ہے مکان دوسرے کا ہے دروازہ دوسرے کا ہے وہ راضی نہیں ہے آپ کیسے آکر بیٹھ گئے۔ ہر آدمی برا کہے گا۔ ہر آدمی مذمت کرے گا۔ لیکن یہی صاحب انفرادی عمل کو سیاسی بنا دیں۔ تو جہاں چاہو کرسی رکھ کر بیٹھ جاؤ۔ توجہ کریں۔ یعنی میرے دروازہ پر کرسی رکھ کر بیٹھ جانے جبکہ میں کیا، میری اوقات کیا، تو سب مجرم کہیں گے اور ملک خدا میں کرسی رکھ کر بیٹھ جانے تو کوئی کچھ کہنے والا نہیں ہے۔ کیوں؟ اسلئے کہ ہر راستہ میں یہ عمل ناجائز ہوتا ہے مگر سیاسی راستہ میں یہ عمل بھی جائز ہو جاتا ہے۔ تو یہ ایک ایسی دنیا ہے جس میں کتنے مسائل جائز بن گئے جو ہر جگہ ناجائز قرار دیئے گئے تھے۔ کیوں؟ اسلئے کہ ایک قانون ہے کہ مقصد تک جانے کیلئے جو راستہ بھی اختیار کیا جائے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مقصد ٹھیک ہونا چاہئے اور مقصد بھی کیا ہے اپنے اقتدار کو مضبوط بنا لینا تو جیسے مضبوط بن جانے وہاں تک انسان چلا جائے گا۔ مگر اسی مقام پر اس بات کو پہچانا ہے کہ جو آمریت اور حکومت کا طلبگار ہے وہ اپنے مقصد تک جانے کیلئے جھوٹ کو بھی ذریعہ بنائے گا۔ اتہام کو بھی ذریعہ بنائے۔ پروپیگنڈہ کو بھی ذریعہ بنائے گا۔ ہر ایک کے گھر میں کرسی رکھ کر بیٹھ جائے گا۔ مگر جو مرضی خدا کا طلبگار ہے اسکی مجبوری یہ ہے کہ چاہے مقصد حاصل ہو یا نہ ہو۔ جھوٹ نہیں بول سکتا ہے۔ نہیں میں جو بات کہ رہا ہوں سوچئے گا۔ چاہے مقصد حاصل ہو یا نہ ہو جھوٹ نہیں بول سکتا۔ تہمت نہیں لگا سکتا۔ دوسرے کی



ملکیت پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ کسی کے غلاف غلط پروپیگنڈہ نہیں کر سکتا۔ اسکا ایک اعلان ہے میں جرم نہیں کروں گا۔ گناہ نہیں کروں گا۔ بُرائی نہیں کروں گا۔ چاہے مقصد حاصل ہو یا نہ ہو۔ تو جتنے ماہرین سیاست ہیں وہ سب کہتے ہیں اگر یہ نہ کرو گے تو اس دنیا میں آئے کیوں تھے۔ یہاں قدم رکھا کیوں تھا۔ اسلئے کہ یہاں کامیابی بغیر ان وسائل کے حاصل نہیں ہو سکتی ہے اگر آپ نے ان وسائل کو چھوڑ دیا تو ناکام ہو کر رہ جائیں گے۔ تو عزیزو! میرا جملہ یاد رکھئے گا جب ساری دنیا اس بات پر متفق ہے کہ جو وسائل دنیا میں اختیار کئے جاتے ہیں جو اختیار کرے گا وہ کامیاب ہوگا جو اختیار نہیں کرے گا وہ ناکام ہو جائے گا تو ایسی دنیا میں اگر کوئی بندہ ایسا پیدا ہو جائے جو سارے غلط وسائل کو ٹھکرا دے اور اس کے بعد بھی کامیاب ہو جائے تو دنیا کو ماننا پڑے گا کہ یہ اتنا بڑا ماہر سیاست ہے کہ دنیا کے سارے سیاستدان اس کے سامنے طفل مکتب نظر آتے ہیں۔

یہ ہے میرا دعویٰ اب اس کے بعد میں آپ کے سامنے حسین بن علیؑ کی سیاست کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ اس نکتہ کو ذہن میں رکھیں گے۔ جو مقصد حسینؑ کا ہے وہ آپ کے سامنے ہے اور جو دنیا میں مقصد تک جانے کیلئے وسائل اختیار کئے جاتے ہیں وہ سب اسلام کے جرائم ہیں اور امام حسینؑ ان راستوں کو اختیار نہیں کر سکتے تھے۔ ان سارے راستوں سے بچ کر، ان ساری بُرائیوں کو چھوڑ کر امام حسینؑ جس راستے پر جا رہے تھے اس میں کتنی کامیابی حاصل کی ہے اس کیلئے چند جملے گزارش کرنا ہیں۔ ظاہر ہے کہ میں بات بہت پہلے سے شروع کرتا مگر شاید وقت کافی نہ ہوگا اسلئے بات کو محدود انداز سے گزارش کرنا چاہتا ہوں۔ آپ اہل نظر ہیں بات کو خود پہچانیں گے۔ بس تاریخ کے دو ایک منظر۔

سرکارِ دُعا عالم طوافِ خاندانِ اہلبیت

کیلئے آئے اور جب مکہ کے قریب پہنچے تو مشرکین مکہ نے کہا کہ ہم آپ کو نہ آنے دیں گے۔ ہم آپ کو اپنے شہر میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ یہ کون کس سے کہہ رہا ہے۔ یہ مکہ کے کفار سرکارِ دُعا عالم سے کہہ رہے ہیں۔ تو اگر یہ ان کا وطن ہے تو سرکارِ دُعا عالم کہاں ہے۔ توجہ کریں گے آپ۔ اگر یہ مکہ والوں کا وطن ہے تو پیغمبرِ کادون کہاں ہے۔ پیغمبرِ کماں پیدا ہوئے۔ پیغمبرِ کماں کے آباؤ اجداد کہاں تھے پیغمبرِ کماں کے بزرگانِ خاندان کہاں تھے۔ سب مکہ ہی کے رہنے والے تو ہیں تو اگر یہ تمہارا وطن ہے تو ان کا بھی وطن ہے اس کے معنی کیا کہ ہم آپ کو نہ آنے دیں گے۔ اور جس گھر پر تم نے اپنے خداؤں کا قبضہ دلایا ہے وہ بھی انھیں کے خدا کا گھر ہے یعنی تمہارے خدا تو اتنے مفلس ہیں کہ ان کو بیٹھنے کا ایک گھر بھی نصیب نہ ہوا۔ یہ تین سو ساٹھ خدا تھے مفلس ہیں کہ تم نے ان کے واسطے ایک گھر بھی نہ بنا کے دیا۔ چندہ کر کے بنا دیا ہوتا کہ یہ خدا ہیں تو پچارے کو کہیں بیٹھنے کی جگہ تو مل جائے۔ مگر یہ جانتے ہیں کہ جو بنایا ہوا ہوتا ہے اپنے گھر بٹھایا، تو گاڑی چلے گی نہیں، اتنا سبکو اندازہ تھا کہ بنا لینا آسان ہے مگر بنا کے اگر اپنے ہی گھر بٹھایا تو کوئی پرسان حال بھی نہ پیدا ہوگا لہذا وہاں بٹھاؤ بدھ لوگ پہلے سے متوجہ ہیں تو یہ تدبیر پہلے سے سبکو معلوم تھی۔ یہ طریقہ کار چلا آ رہا تھا اور وہی تو تھے جو ادھر سے ادھر چلے آئے تھے تو جہاں سے آئے تھے وہیں کے اصول بھی لے چلے آئے۔ نہیں ایک تاریخی لفظ میں نے کہا آپ نے غور نہیں کیا۔ جو کفر کے گھر سے آئے تھے وہ کفر کے اصول لیکر آئے۔ جو خدا کے گھر سے آیا تھا وہ خدائی قانون اپنے ساتھ لیکر آیا۔

تو سرکارِ دُعا عالم سے یہ مطالبہ ہے کہ ہم آپ کو مکہ میں نہیں آنے دیں گے اور حضورؐ نے نہایت ہی خاموشی سے اس بات کو قبول بھی فرمایا اور جو صورت حال تھی وہ آپ سنتے رہتے ہیں۔ میں واقعات کو دوہرا کے زیادہ وقت نہیں صرف



کر سکتا۔ جہاں صلح ہوئی اور صلح کس شان کی صلح؟ ہمارا کوئی آدمی آپ کے یہاں  
جائے تو آپ کو واپس کرنا ہوگا اور آپ کا آدمی ہمارے یہاں آجائے گا تو ہم  
واپس نہیں کریں گے اور آپ تو فی الحال واپس چلے ہی جائے ہم آپ کو یہاں  
داخل بھی نہ ہونے دیں گے ہاں اگلے سال اگر آپ آئیں گے تو آجائے گا۔ ہم  
تین دن کے واسطے تک خالی کر دیں گے۔ آپ اطمینان سے طواف خانہ خدا کریں مگر  
آج چلے جائیں اب کوئی ان احمقوں سے کہے جب اگلے سال تم کو شہر خالی کر دینا  
ہے جب اگلے سال سارا تک خالی کر کے تم کو باہر نکل جانا ہے اور سارے شہر میں  
ان کو رہنا ہے تو اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ تھوڑے سے آدمی ہیں نہ  
تمہارے شہر میں آئیں گے نہ تمہارے گھر جائیں گے۔ نہ تمہارے محلے میں جائیں  
گے۔ اپنے خدا کے گھر آئیں گے طواف کریں گے چلے جائیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ  
آج ہی موقع دیدو آج ہی انھیں طواف کر لینے دو۔ طواف کریں گے چلے جائیں گے۔  
آج تو کسی گھر میں نہیں جائیں گے۔ یہ تو کل پورا شہر خالی کرنے سے کہیں  
زیادہ بہتر ہے کہ آج یہ موقع دیدیا جائے مگر ایک مصیبت اور ایک بلا جس نے ہر  
دور کے انسان کو برباد کیا ہے۔ آج ہم کو برباد کیا ہے کل دوسروں کو برباد کیا  
تھا۔ جسکو آج کی زبان میں کہتے ہیں پرنسپل ایشو اور کوئی مسئلہ نہیں ہے خالی ایک  
ہی مسئلہ ہے اگر آج ان کو آنے دیا تو یہ ہماری آن کا مسئلہ ہے یہ ہماری عزت  
آبرو کا مسئلہ ہے یعنی جو انھوں نے چاہا وہ ہو گیا اور اگر آج ہم کہیں چلے  
جائیں۔ اگلے سال آجائے گا تو اسکا مطلب یہ ہے کہ جو ہم نے کہا وہ ہوا تو عزت کے  
چھپے چاہے۔ جھوٹی ہو یا سچی ہر آدمی مرتا ہے ظاہر ہے کہ جب اچھے خاصے پڑھے لکھے  
اس راہ میں کبھی کبھی برباد ہو جاتے ہیں اور حماقتیں کر بیٹھتے ہیں تو وہ تو کفار  
ہیں مشرکین ہیں۔ بے عقل ہیں۔ ان کی بات کیا ہے انھیں صرف ایک بات کا خیال

ہے کہ اگر آج یہ چلے جائیں گے تو ہم اونچے ہو جائیں گے اور اگر آج یہ داخل  
ہو جائیں گے تو یہ اونچے ہو جائیں گے لہذا آج یہ چلے جائیں گے اگر ہماری بات رہ  
جائے۔

وہ سمجھے کہ یہ چلے جائیں گے تو ہماری بات رہ جائے گی اور نبی یہ سمجھ رہے  
ہیں کہ اگر ہم چلے گئے تو ہماری بات رہ جائے گی۔ توجہ کریں گے۔ یہی مسئلہ ہے  
اگر یہاں پر حل ہو جائے تو آگے سیاست حسین کا سمجھنا کوئی مشکل کام نہیں  
ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ پر مطمئن ہیں اسی لیے حضور واپس جانے کیلئے تیار ہو گئے  
ورنہ لڑنے مرنے میں کیا پریشانی ہے راہ خدا میں صریح تو جائیں گے۔ قتل  
ہو جائیں گے کوئی پریشانی نہیں مگر نہیں یہ سوچتے ہیں کہ ہم کامیاب۔ حضور یہ  
سوچ رہے ہیں کہ اگر ہم چلے گئے تو ہم کامیاب۔ لہذا حضور تیار ہو گئے جانے کے  
واسطے وہ تیار ہو گئے واپس کرنے کیلئے۔ کفار نے کہا ہمارا آدمی جانے گا تو واپس  
آنے کا تمہارا آدمی آنے گا تو واپس نہیں جانے گا۔ حضور نے کہا نہیں ہے۔  
کیوں؟ اسلئے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے آدمی کا واپس آنا ہماری کامیابی ہے۔  
حضور سمجھتے ہیں کہ ان کے آدمی کا واپس جانا ہماری کامیابی ہے۔

یہ سمجھتے ہیں کہ مغرب کے آدمی کو واپس نہ کریں گے تم ہم جیتے۔ مغرب  
سمجھتے ہیں کہ ہمارا آدمی ان کے درمیان رہے گا تو ہم جیتے۔ اب یہ دونوں کی فکر  
الگ الگ ہے۔ اب مصطلحتیں تو بعد میں سامنے آئیں گی کہ کس نے کیا سوچا تھا اور  
کیا ہو گیا۔ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ جو بات کفار کہہ رہے تھے وہ اتنی ہی غلط  
تھی کہ جن کو شاید مختلف اعتبارات سے ان سے اختلاف نہ رہا ہو انھیں بھی یہ بات  
پسند نہیں آئی۔ توجہ کریں۔ ہمارا آدمی جانے گا تو واپس آئے اور تمہارا آدمی آنے کا  
تو واپس نہیں جانے گا۔ کسی بھی تھوڑی پارٹی کے سامنے تیسرے آدمی کے سامنے



یہ بات رکھتے کر انہوں نے یہ مطالبہ کیا تھا کوئی دنیا کا شریف، انصاف پسند آدمی اسکو پسند کرے گا کہ ٹھیک کہا تھا۔ ہر آدمی کے گا کہ یہ بات کیا ہے کہ صلح کرنا چاہتے ہو تو صلح تو برابر سے ہوتی ہے یا یہ طے کر لو کہ تم لوگوں کے آدمی بھی وہاں سے جائیں گے یا یہ طے کر لو کہ دونوں کے آدمی وہاں سے نہیں جائیں گے یہ کون سی زبردستی ہے۔ جس سے آپ پوچھیں گے یہی کہ گا کہ یہ زبردستی ہے۔ یہ طریقہ اچھا نہیں ہے۔ یہ مطالبہ غلط ہے اور یہی وجہ ہے کہ بات اتنی واضح تھی کہ پیغمبرؐ والوں نے بھی یہی بات کہی اسلئے کہ جس سے آپ پوچھیں گے وہ یہی کہ گا کہ مطالبہ صحیح نہیں ہے تو باوجودیکہ مطالبہ ظالمانہ ہے جاہلانہ ہے زبردستی ہے۔ نا انصافی ہے، مگر نبیؐ نے کہا منظور، تو جو دنیاوی سیاست کے مالک تھے وہ کچھ رہے تھے جبر سے ہم جیتے، ظلم سے ہم جیتے، تشدد سے ہم جیتے، زبردستی سے ہم جیتے۔ پیغمبرؐ یہ دیکھ رہے ہیں کہ یہ جتنا ظلم و ستم و جبر و تشدد کرتے جا رہے ہیں یہ ہماری کامیابی ہے بس یہی فرق تھا سیاست دنیا میں اور اور سیاست الہی میں کہ سیاست دنیا نے جو راستہ اختیار کیا راستہ تو بہر حال غلط تھا ہر انصاف والا کہتا ہے غلط تھا لیکن اس کے بعد بھی نبیؐ نے منظور کر کے بتا دیا کہ تم غلط راستہ سے جہاں جانا چاہتے ہو نہ پہنچنے پاؤ گے اور ہم تمہارے ہی راستہ سے وہ مقصد حاصل کر لیں گے جو ہمارا مقصد ہے۔ اب جو نبیؐ کو وہاں سے کر دیا گیا تو اعلان کیا ہوا۔ یہ بے بس تھے چلے گئے کمزور تھے چلے گئے، ڈر گئے چلے گئے، دب گئے چلے گئے۔ یعنی جتنے الزامات ہیں سب نبیؐ کے خلاف ہیں۔ یہاں تک کہ ساتھ والے متاثر ہو گئے کہ واقعا یہ تو عجیب و غریب قسم کی باتیں ہیں عجیب و غریب قسم کی صلح ہے۔ دنیا ہم سے کہے گی۔ ڈر گئے، دب گئے، مرعوب ہو گئے، بزدل ہیں، کمزور ہیں، بڑا ہنگامہ ہو گا۔ مگر حضورؐ نے کہا سب منظور ہے اسلئے کہ فیصلہ کل ہو گا۔ فیصلہ اگلے سال ہو گا۔ اب جو پیغمبرؐ آئے تو جتنے افراد ساتھ لیکر آئے تھے ان سے

کہیں زیادہ ساتھ آئے یعنی پہلے جو لوگ آئے تھے ان کے سامنے کوئی تلخ تجربہ نہیں تھا نہ کوئی مزاحمت، نہ کوئی روک ٹوک، نہ کوئی جھگڑا، نہ آخر میں کوئی صلح۔ تب آدمی تھوڑے تھے اب تو سب کو معلوم ہو گیا کہ مزاحمت بھی ہوتی ہے اب تو سب کو اندازہ ہو گیا کہ روک ٹوک کا بھی سلسلہ ہے۔ پابندیاں بھی ہوتی ہیں۔ نہیں جانے دیں گے مگر اس کے بعد اب جو آئے تو کئی گنا ساتھ آئے۔ ایک دو چار نہیں کئی گنا ساتھ آئے۔ اب اندازہ ہوا کہ کل جتنے ساتھی نبیؐ کے پاس تھے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جب کفر نے میدان جیت لیا تھا اور ڈرا دھمکا کے وہاں سے کر دیا تھا۔ تو ساتھی گھٹ جاتے۔ ساتھی کم ہو جاتے مگر ساتھیوں کا بڑھ جانا اس بات کی علامت ہے کہ جس راہ سے وہ اپنا رعب و جلال دکھلانا چاہتے تھے۔ نبیؐ نے اسی راہ سے اپنی کامیابی کا اعلان کیا۔ اور بے چارے کفار کی عقل میں اتنی بات نہیں آئی کہ اگر آج تک میں داخل ہو کر طوافِ خاں خدا کر لینا ان کی کامیابی بن جائے گا تو کل جب ہم سارا شہر چھوڑ کر چلے جائیں گے اور ان کا سارے شہر پر قبضہ ہو جائے گا تو اسے کیا کہا جائے گا۔ نہیں تو جہ کی آپ نے۔ کہ اب تو یہ سب چلے گئے اب تو وہی نظر آ رہے ہیں یہ تو اس سے بڑی کامیابی ہوگی اس سے بڑی فتح ہوگی مگر کوئی سوچنے کیلئے تیار نہیں ہے آج چلے جائیں کل آجائیں گے۔ پیغمبرؐ وہاں سے چلے گئے ان تمام شرائط کے ساتھ صلح کر کے چلے گئے مگر مستقبل جو سامنے آیا آپ پہچانیں اور یہ ایک بات ہے جو شاید کتابوں سے ہٹ کے گزارش کر رہا ہوں۔ یہ تاریخی مطالعہ کا ایک نتیجہ ہے جو آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ بزدل بنا کے وہاں سے کیا، اپنا رعب و دبدبہ دکھلا کے وہاں سے کیا، یہ سب ہو گیا لیکن جسکو ڈرایا تھا کمزور بنا یا تھا بزدل بنا یا تھا اسکو اس کے شہر میں داخل نہیں ہونے دیا، اس کے خدا کے گھر کا طواف نہیں کرنے دیا۔ اب جو دوبارہ پیغمبرؐ کی آمد ہوئی تو تاریخ نے عجب منظر دکھلایا۔ جو کمزور بن کے گئے تھے



جو بقول ان کے ڈر کے گئے تھے وہ جو پلٹ کے آئے تو ان میں زکوئی خوشامد کرنے والا دیکھا۔ اسے بھائیو اب میں سے حج کر لینے دو طواف کر لینے دو اب کچھ نہ کہو تم نے تو خود ہی چھوٹ دیدی ہے۔ تم نے تو خود ہی موقع دیدیا ہے۔ نہ کسی کو خوشامد کرتے دیکھا۔ نہ کسی کو ڈرتے دیکھا نہ کسی کو دبتے دیکھا، نہ کسی کو کمزوری کا مظاہرہ کرتے دیکھا ہاں جس نے کل رعب داب سے وہاں کیا تھا اسے کلمہ پڑھتے دیکھا۔ یہ منظر آپ نے دیکھا کہ کل جن کا وہ زور و شور تھا۔ ہم شہر میں قدم نہ رکھنے دیں گے۔ اب وہ آئے ہیں کہنے کیلئے امان دیدیجئے، کلمہ پڑھوادیجئے، مسلمان بنا دیجئے۔ اب آپ کا ہے کو مسلمان بن رہے ہیں؟ طاقت والے بزدل کے آگے جھک رہے ہیں۔ فوجوں والے کمزور کے آگے جھک رہے ہیں۔ مگر پیغمبرؐ نے بتایا جو راستہ کل میں نے اپنا یا تھا۔ اسلئے کہ میں جانتا ہوں کہ مستقبل کی کامیابی کس بات میں ہے اب پہچانوانے کا راستہ ظلم و تشدد اور جبر کا۔ اور سیرا راستہ تھا مظلومیت کا بس یہی میری گفتگو کا بنیاد بنا نکتہ ہے کہ ان کا راستہ ہے جبر کا، تشدد کا، ستم کا، ظلم کا۔ ایک راستہ ہے مظلومیت کا۔ تو سیاست ظلم انھوں نے اپنا لی اور سیاست مظلومیت ہم نے اپنا لی اور سال بھر کے اندر دنیا نے دیکھ لیا کہ سیاست ظلم زیر ہو گئی اور سیاست مظلومیت کامیاب ہو گئی اور اتنی کامیاب ہو گئی کہ جو سیاست ظلم کے ٹھیکیدار تھے وہ مظلوم کے آگے کلمہ پڑھنے کیلئے تیار ہو گئے۔ اب بیعت لے لیجئے۔ وہ جس اقتدار کے لیے بے چین تھے وہ مل جانے کا غالی بنے کہا یہی تو سمجھانا چاہتا ہوں کہ میرا مسئلہ نہ بیعت لینا ہے نہ بیعت کرنا ہے میرا مسئلہ نہ کسی کو حاکم ماننا ہے نہ کسی سے حکومت منوانا ہے۔ میں حکومت پر ایمان نہیں رکھتا۔ میں عبادت الہی پر ایمان رکھتا ہوں۔ میں بندگی پروردگار پر ایمان رکھتا ہوں۔ میں اپنی حکومت نہیں چاہتا قانون الہی کی حکومت چاہتا ہوں جب تک قانون الہی کی حکومت نہ مانو گے۔ جب تک قانون الہی کا اقتدار نہ

تسلیم کرو گے میں تمھاری بیعت بھی لینے کیلئے تیار نہیں ہوں بیعت کرنے کا کیا ذکر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب صلح ہوئی تب بھی یہی کہا کہ کتاب خدا پر عمل کرنا ہوگا۔ علی کے احکام پر نہیں اللہ کے احکام پر تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو اپنے لیے مرتے ہیں وہ اور ہوتے ہیں اور جو خدا کیلئے جان دیتے ہیں وہ اور ہوتے ہیں۔

نہیں عزیزو! بھی گفتگو کے بہت سے مراحل باقی ہیں۔ دیکھئے میں کہاں تک پہنچ سکتا ہوں لہذا ایک راستہ ہے سیاست ظلم کا اور ایک راستہ ہے سیاست مظلومیت کا۔ جو پیغمبرؐ نے اختیار کیا وہی راستہ مولائے کائنات کے حصہ میں آیا وہی راستہ وراثت میں حسین بن علیؑ کو ملا مگر جہاں میں نے تذکرہ کیا تھا وہاں ایک لفظ کہتا ہوں۔ مکہ میں پیغمبرؐ آنا چاہتے ہیں اپنے اللہ کے گھر کا طواف کرنے کیلئے۔ کہا نہیں آپ نہیں آسکتے ہیں یعنی سب آسکتے ہیں کفار تو رہتے ہی ہیں۔ کفار و مشرکین تو مکہ میں رہتے ہی تھے ان پر تو کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہودی آئیں کوئی پابندی نہیں۔ عیسائی آئیں کوئی پابندی نہیں ہے۔ جس کا جی چاہے آئے کوئی پابندی نہیں ہے۔ مگر نبیؐ آئیں ہم ان کو نہ آنے دیں گے یعنی یہ معاذ اللہ اس قابل نہیں ہیں کہ خانہ خدا کا طواف کریں۔ اللہ کے گھر تک آئیں۔ باقی سب اس لائق ہیں۔ باقی سب اس قابل ہیں اور پیغمبرؐ خاموش ہیں یہ منظر دیکھ رہے ہیں اور وہاں جانے کیلئے تیار ہیں۔

کیوں؟ اسلئے کہ مشرکین کے ذہن میں ایک بات بیٹھی ہوئی ہے کہ مذہب تو دنیا میں تین ہی ہیں یا شرک ہے جو ہمارا مذہب ہے یا یہودیت ہے جو یہودیوں کا مذہب ہے یا عیسائیت ہے جو عیسائیوں کا مذہب ہے یہ چوتھی آواز کہاں سے لیکر آگئے دیکھئے پیغمبرؐ جو بات کہہ رہے تھے وہ زوہ ہے جو کفار کہہ رہے تھے وہ ہے جو یہودی کہہ رہے تھے وہ ہے جو عیسائی کہہ رہے تھے۔ اسی بات سے تینوں



ناراض تھے نہ کفار خوش ہیں نہ یہودی خوش ہیں نہ عیسائی خوش ہیں۔ تینوں ناراض ہیں اسلئے کہ یہ جو تھی بات کہاں سے نکالی۔ یہ قولو لا الہ الا اللہ کیا ہے؟ یہ اپنے لیے رسالت کا دعویٰ کیسا ہے؟ رسول تو موسیٰ تھے۔ قصہ ختم ہو گیا۔ یہ کون ہیں؟ رسول تو عیسیٰ تھے بات تمام ہو گئی یہ کون ہیں؟ خدا تو اتنے بہت سے ہیں یہ لا الہ الا اللہ کیا؟ تو چونکہ اس دور میں تین مذاہب رائج تھے اور پیغمبرؐ نے جو تھے مذہب کا اعلان کیا انہذا سب اس بات پر متحد ہیں کہ خرد را یہ نہ آنے پائیں ورنہ اگر یہ آگئے تو جو تھا مذہب پیدا ہو جائے گا پھر روکنا مشکل ہو جائے گا۔

ارے اسلام کی تاریخ تو پڑھی ہے آپ نے۔ اور نہیں پڑھی ہے تو پھر سے جا کے غور کیجئے گا۔ ساری پریشانی کیا ہے اگر یہ آگئے غارتخدا کا طواف کرنے کیلئے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اس عقیدے والے بھی ایک مذہب رکھتے ہیں۔ اس عقیدے والے بھی ایک دین رکھتے ہیں۔ یہ لا الہ الا اللہ والے بھی کوئی چیز ہیں تو اگر یہ آگئے تو یہودیت کو پریشانی ہے کہ ایک نیا مذہب آیا۔ عیسائیت کو پریشانی ہے کہ ایک نیا مذہب آیا۔ مشرکین کو پریشانی ہے کہ ایک نیا مذہب آیا تو ساری پریشانی یہ ہے کہ تین کے مقابلہ میں جو تھا مذہب نہ پیدا ہونے پائے۔ آپ چلے جائے اگلے سال آئیے گا بات سمجھے کہ پیغمبرؐ اتنی خاموشی سے کیوں چلے گئے اب آپ کو اندازہ ہوا کہ سرکار اتنی خاموشی سے کیوں چلے گئے۔ کوئی ڈر گئے تھے کسی سے دب گئے تھے۔ مرعوب ہو گئے تھے۔ پیغمبرؐ نے کہا ایک سال بعد سہی جب مجھے آنے کی اجازت دو گے تو اجازت اس بات کا اقرار ہے کہ تم نے جو تھے مذہب کو مان لیا تو یہ طریقہ پیغمبرؐ نے مسلمان کو سکھایا ہے کہ جب مذہب کی واقعیت کو منوانا ہو تو سیاست مظلومیت اختیار کروا اگر مظلومیت کے راستہ پر چلے تو ایک نہ ایک دن مذہب بہر حال تسلیم ہو جائے گا۔

اب اس ذیل میں ایک جملہ۔ ایک لفظ کے معنی شاید میرے بچے نہ سمجھے ہوں فقہا یہی نہیں ہے کہ اسلام جو تھا مذہب بن جائے گا۔ نہیں اس سیاست مظلومیت کا اثر تو آپ دیکھیں۔ یہی نہیں ہے کہ اگلے سال آپ آجائے گا آپ طواف کر لیں گے۔ چلے آپ بھی کچھ ہیں۔ ایک مذہب آپ کا بھی ہوگا۔ نہیں یہ مذہب اب جو سیاست مظلومیت کی بنیاد پر نکھر کے آیا تو ایسا آیا کہ وہ جو تھا مذہب نہیں بنا بلکہ جو پرانے والے ہیں وہ بھی آنے لگے تو اس منظر کو یاد رکھئے گا کہ جب نبیؐ نے مظلومیت کی سیاست کو اپنایا تو کچھ کفار و مشرکین میں سے ٹوٹ کے آئے۔ کچھ یہودیوں میں سے ٹوٹ کے آئے۔ کچھ عیسائیوں میں سے ٹوٹ کے آئے۔ یعنی سیاست مظلومیت بہر جماعت پر اثر انداز ہوتی ہے، طاقت پر، ہر فرقہ پر، ہر انسان پر سیاست مظلومیت اثر انداز ہوتی ہے لہذا اس کے بعد کی تاریخ پڑھیں تو کافر مسلمان ہوتے دکھائی دیں گے۔ یہودی اسلام لاتے دکھائی دیں گے۔ عیسائی کلمہ پڑھتے دکھائی دیں گے۔

حسینؑ نے کہا پہچانو اگر میں نے نانا کے راستہ پر چل کر مظلومیت کی سیاست نہ اپنائی ہوتی تو نہ عیسائیت سے ٹوٹ کے وہب آتا۔ نہ باطل سے ٹوٹ کے زیر آتے۔ نہ لشکرِ یزید سے ٹوٹ کے خمر آتا۔ یہ سیاست مظلومیت تھی کہ جس نے کل نانا کو کامیاب بنایا تھا اور آج نواسر کو کامیاب بنایا ہے۔

اگر سیاست ظلم کامیاب تھی تو کوئی ایک چلا گیا ہوتا۔ کسی ایک پیاسے کو توڑ لیا ہوتا جو پیاس سے پریشان ہو کر چلا جاتا۔ جو بھوک سے پریشان ہو کر چلا جاتا۔ جو پریشانیوں میں مبتلا ہو کر چلا جاتا۔ مگر ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ سرداری چھوڑ کر غلام بنے آ رہا ہے۔ دریا چھوڑ کے پیاسا رہنے آ رہا ہے۔ آرام چھوڑ کر تکلیفیں سننے آ رہا ہے۔ یعنی حسینؑ نے سیاست مظلومیت کو ذہنوں میں اتارنا شروع کر دیا کہ دنیا نے قدر



مظلومیت کو پہچانا اور دنیا ظلم سے پزار ہو گئی تھوڑی دیر میں چند دنوں میں اور چند لمحات میں فرزند رسول اشکین نے اتنا بڑا انقلاب پیدا کر دیا کہ نہ دین ہاتھ سے جانے پائے، نہ مذہب کے خلاف کوئی کام ہونے پائے۔ نہ کوئی حرام خدا حلال ہونے پائے۔ نہ جھوٹ کا شائبہ آنے پائے۔ نہ کسی پر جھوٹا الزام لگنے پائے۔ نہ غلط پروپیگنڈہ ہونے پائے۔ کچھ نہ ہونے پائے اور اس کے بعد بھی مقصد میں کامیابی حاصل ہو جائے۔ اب یہی جبر و تشدد اور مظلومیت کا لفظ گزارش کرتے ہوئے ایک آخری لفظ کہتا ہے اور بات کو آج ہمیں پر تمام کر دینا چاہتا ہوں۔

عین زمان محترم اور شاید یہ ایک رُخ ہے تاریخ کا۔ میرے سننے والے اور شاید میرے بچے اور نوجوان بہت سے متوجہ نہ ہوں تو اس مصلحت کو پہچانیں۔ سیاست ظلم میں سب سے بڑی کامیابی یہ ہوتی ہے کہ دو ملکوں میں جنگ ہو رہی ہے تو علاقہ پر قبضہ ہو جائے۔ دنیا کا مزاج ہے سیاست ظلم کا، دنیا کا مزاج ہے سیاست جبر کا، سیاست اقتدار کا۔ لہذا جس کا اقتدار زیادہ نمایاں ہوتا ہے وہی فاتح اور کامیاب کہا جاتا ہے۔ نعوذ باللہ خدا نکر وہ ہمارے گھر کے آگے دس گز زمین ہماری ہے اور ہمارے مکان کے سامنے آپ کا مکان ہے دس گز زمین آپ کی ہے۔ بیچ میں روڈ ہے۔ ادھر دس گز کے مالک ہم، ادھر دس گز کے مالک آپ۔ خدا نکر وہ کسی بات پر ہمارا آپ کا جھگڑا ہو گیا۔ ہم اپنے دروازہ کھڑے ہوئے لکچر دے رہے ہیں۔ آپ اپنے دروازہ کھڑے ہوئے تقریر کر رہے ہیں۔ جب تقریر میں زور اور جوش پیدا ہوا تو دو قدم ہم بڑھے۔ دو قدم آپ۔ اب تقریروں کا زور بھی بڑھتا جا رہا ہے اور مقررین کے قدم بھی بڑھتے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ دس گز کا فاصلہ ہمارا بھی ختم ہو گیا اور دس گز کی زمین آپ کی بھی ختم ہو گئی۔ اب دونوں اپنے اپنے بارڈر پر آ گئے۔ دونوں اپنی اپنی سرحد پر آ گئے۔ اب ہم اپنی

آخری سرحد پر ہیں۔ آپ اپنی آخری سرحد پر ہیں۔ درمیان میں سرکاری سڑک ہے۔ اب ہم نے اپنا مزید جوش دکھلایا تو اپنی زمین سے آگے بڑھ کر سرکاری زمین پر آئے۔ آپ نے بھی کچھ زور دکھلایا تو آپ بھی آگے بڑھنا چاہتے ہیں اب دونوں اپنی اپنی جگہ پر زور لگائے ہوئے ہیں۔ ادھر ہم بڑھ رہے ہیں ادھر آپ بڑھ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ مقابلہ اس منزل پر آ گیا کہ ہم سرکاری روڈ کراس کر کے آپ کی دس گز زمین تک پہنچ گئے۔ اب جو تیسرا ادھر سے گزرنے والا ہے اس نے دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں تو دیکھنے والا کیا کہے گا۔ کون طاقت ور ہے۔ کس کو طاقت ور کہے گا۔ آپ کو نہیں۔ طاقتور ہم کو کہا جائے گا۔ کامیاب ہم کو کہا جائے گا۔ کیوں؟

اسلئے کہ ہم آپ کے علاقہ میں آ گئے۔ ہم آپ کی زمین پر آ کے آپ سے لڑ رہے ہیں لہذا ہم طاقت ور ہیں اگر آپ طاقت ور ہوتے تو آپ ہمارے علاقہ میں گھس آئے ہوتے۔ تو دنیا میں طاقت اور کامیابی کا فیصلہ یونسی ہوتا ہے کہ دیکھو لڑائی کس کی زمین پر ہو رہی ہے۔ اگر ان کی زمین پر ہو رہی ہے تو یہ طاقت ور ہیں اور اگر ان کی زمین پر ہو رہی ہے تو وہ طاقت ور ہیں۔ اسی لیے میں نے کہا تھا کہ جب مسئلہ سیاسی بن جاتا ہے تو قدر میں ختم ہو جاتی ہیں۔ اب کوئی نہیں کہتا کہ لڑائی سہی۔ جنگ سہی مگر آپ نے ان کی زمین پر قدم رکھا کیسے؟ یعنی اگر جنگ درمیان میں نہ آئی ہوتی اور آپ آ کے میری زمین پر کھڑے ہو جاتے اور میں کتا چلے جائے تو سب میرا ساتھ دیتے۔ لیکن اب جو لڑائی بیچ میں آ گئی تو آپ میری زمین پر کھڑے ہوئے ہیں مگر کوئی کچھ نہیں بولتا۔ اسلئے کہ مزاج دنیا یہی ہے کہ جسکی زمین پر لڑائی شروع ہو جائے۔ سمجھو وہ ہار گیا۔ سمجھو وہ کمزور پڑ گیا اور جو دوسرے کے زمین میں آ کے لڑے سمجھو وہی کامیاب ہے۔



یہ مزاج دینا ہے۔

اب مزاج دین پھانچائیے۔

جتنی لڑائیاں اسلام اور کفر میں ہوئی ہیں۔ بدر سے آخر تک جتنی لڑائیاں اسلام اور کفر میں ہوئی ہیں۔ ہر لڑائی میں کفر اسلام کے علاقہ میں زیادہ آیا ہے اور اسلام کفر کے علاقہ میں نہیں گیا ہے۔ بدر کا فاصلہ جوڑے مدینہ سے مکہ سے۔ کتنی دور سے وہ آئے ہیں اور کتنی دور سے یہ گئے ہیں۔ بدر تو پھر ستر میل کے فاصلہ پر ہے اور آگے بڑھ جائے اُمد کی لڑائی کہاں ہوئی ہے وہ تو مدینہ میں ہے یعنی کفار وہاں سے سبھی کے گھر آگئے ہیں جب ہی تو خوش تھے کہ ہم جیت گئے۔ اور اُمد تو پھر مدینہ سے باہر ہے خندق کی لڑائی کہاں ہوئی ہے وہ تو بالکل مدینہ کے اندر ہوئی ہے۔ کفار اس بات پر خوش ہیں کہ ہم ان کے علاقہ میں آگئے ہیں اور نبیؐ کبھی نہیں کہتے کہ اے مسلمانو! بڑی تو بین ہو رہی ہے۔ بڑی بدنامی ہو رہی ہے۔ دیکھو بدر میں یہاں تک چلائے آئے اب چلو جب لڑنا مرنا ہی ہے جب جنگ ہی کرنا ہے تو کیوں انتظار کریں کہ وہ اُمد تک آئیں۔ کیوں انتظار کریں کہ وہ خندق تک آئیں۔ کیوں نہ چلیں ہملوگ مکہ میں، وہیں چلکر لڑیں۔ نہیں تو بدمذہب کی آپ نے میں نے کیا کہا؟

صورت حال یہ ہے کہ ہر مرتبہ وہ آتے ہیں۔ ان کے یہاں۔ ہر مرتبہ وہ چلے آتے ہیں اور اسی بات پر اکڑے ہوئے ہیں۔ خوش ہوتے ہیں کہ ہم ان کے علاقہ میں پہنچ گئے۔ یہ ہماری طاقت کی علامت ہے، یہ ہمارا زور ہے۔ یہ ہماری قوت ہے۔ اور یہاں عالم یہ ہے کہ جب وہ آتے ہیں تو لڑتے ہیں اور جب یہ گئے مکہ تک۔ تو لوگ مشورہ دے رہے ہیں کہ حضور لڑیں۔ حضور صلح نہ کیجئے۔ سرکار بڑی بدنامی ہو جائے گی۔ ارے ہم جیسے بہادر موجود ہیں لڑیں۔

مگر پیغمبرؐ نے کہا اب نہ لڑیں گے۔ تو اسلام اور کفر کا مزاج پہچانا آپ نے نہیں۔ پہچان لیجئے تو میں گذارش کروں تاکہ میری بات ضایع نہ ہو۔

اسلام اور کفر کا مزاج کیا ہے۔ کفر یہ چاہتا ہے کہ اسلام کی زمین پر جا کے لڑیں اسلام کہتا ہے کہ ہم یہ بدنامی مول نہ لیں گے چاہے وہ خط ہمارا ہی کیوں نہ رہا ہو۔ لیکن اگر آج مکہ پر تمہارا قبضہ ہے تو وہاں جانا گوارا کریں گے مگر لڑنا گوارا نہ کریں گے۔ اسلئے کہ جب تم آؤ گے تو جارح تم کے جاؤ گے اور اگر ہم آکر لڑیں گے تو جارحیت کا الزام ہم پر آجائے گا۔ ہم سب برداشت کر سکتے ہیں جارح ہونا برداشت نہ کریں گے۔ تو نبیؐ کی سیاست یہ تھی کہ جو جنگ ہو وہ اپنی زمین پر ہو۔ تاکہ دشمن جارح کہا جائے۔ ہم پر جارحیت کا الزام نہ آئے۔ اس نکتہ کو نہ بھولئے گا۔ ہمیشہ یاد رکھئے گا کہ دشمن ظالم کہا جائے مگر ہم پر جارحیت کا الزام نہ آنے پائے اب پہچانئے کہ عالم غربت میں آکے حسینؑ نے کر بلا کی زمین کیوں خریدی؟

اگر یہاں قتل ہو کر دفن بھی ہو جاتا ہے تو تھوڑے سے آدمیوں کے دفن ہونے کے واسطے کتنی زمین چاہئے۔ یہ پورا علاقہ کیوں خریدا جا رہا ہے۔ یہ فرسخوں میں زمین کیوں لی جا رہی ہے۔ یہاں کوئی محل بننے والا ہے یہاں کوئی قصر بننے والا ہے۔ کوئی دارالحکومت بننے والا ہے۔ آپ تو خود کہہ کر آئے ہیں کہ ہم قتل ہونے جا رہے ہیں۔ ہم راہ خدا میں جان دینے جا رہے ہیں۔ تو یہ علاقہ کیوں خریدا گیا؟

حسینؑ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ نانا کی سیاست کو زندہ کروں۔ میں چاہتا ہوں کہ نانا کی سیاست کو دنیا کے سامنے پھر دو ہر ادوں کل نانا یہ چاہتے تھے کہ لڑائی ہو تو میری زمین پر ہو۔ تاکہ ظالم وہ کہا جائے۔ میں نے یہ خط اسی لیے خریدا ہے تاکہ جو لڑائی ہوگی وہ اسی سرزمین پر ہوگی۔



اب کوئی نہ کہے گا کہ حسینؑ لڑنے آئے تھے۔ اب کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ حسینؑ نے خروج کیا تھا۔ حسینؑ نے بغاوت کی تھی۔ اب تو اس سے جا کر کہو جو حسینؑ کی زمین پر آیا تھا۔ اگر ضمیر اسلامی میں ادنیٰ انصاف ہے تو جارج یزید کو کہا جائے گا۔ غار جی حسینؑ کو نہیں کہا جاسکتا ہے۔ یہی وہ نکتہ تھا جسکو حسینؑ بن علیؑ نے محسوس کرایا کہ مجھ پر یہ الزام نہیں آسکتا۔ میں نے جو مظلومیت کا راستہ اختیار کیا ہے یہ راستہ مجھے کامیاب بھی بنائے گا اور یہی وہ راستہ ہے کہ جس کے بعد دنیا کو اندازہ ہوگا کہ بغیر گناہ کئے۔ بغیر جرم کئے، بغیر برائی کئے، بغیر جھوٹ بولے انسان اپنے مقصد میں کیونکر کامیاب ہو سکتا ہے۔ اگر مقصد رضائے خدا ہے اگر مقصد پاکیزہ ہے تو انسان پاکیزہ راہوں سے چلے گا جس کی رضا کیلئے اٹھا ہے وہ اسے کامیاب بنائے گا۔ جسکی رضا کیلئے چلا ہے وہ اسے کامیابی سے ہمکنار کرے گا۔ اسی لیے قدم قدم پر حسینؑ بن علیؑ کی کامیابی کو دیکھا گیا۔

بس آخری بات تذکرہ مصائب کے ذیل میں۔ عزیزو! کتنا فرق تھا اس سیاست ظلم میں اور اس سیاست مظلومیت میں۔ پیشتر ادھر دیا جا رہا ہے، چلو لڑنے کے واسطے۔ لوگ تیار نہیں ہوتے۔ دباؤ ڈالا جا رہا ہے چلو حسینؑ سے لڑنے کے واسطے۔ لوگ تیار نہیں ہوتے۔ حد یہ ہے کہ ملک رے کا پروانہ دیدیا گیا مگر ابن سعد کہتا ہے کہ اسے میں کیسے اپنے ہاتھوں کو خون حسینؑ سے رنگین کروں۔ وہ تو آخر وقت میں نفس غالب آگیا اور بالآخر تیار ہو گیا۔ مگر اتنا بڑا ملک رے کا پروانہ ملنے کے بعد بھی ابن سعد گھبرا رہا ہے حسینؑ سے لڑنے کیلئے حاکم وقت کا ساتھ دینے کیلئے اور اسی کے برخلاف ہر طرف ناکہ بندی ہو گئی۔ راستہ روک دینے گئے۔ کوئی جانے گا تو زندہ نہیں جاسکتا۔ کوئی حسینؑ کی مدد کیلئے اٹھے گا تو زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر اس کے بعد بھی بے قراری کا عالم یہ ہے کہ کسی صورت سے حسینؑ

تک پہنچ جائیں۔ کسی طرح حسینؑ کے قدموں میں آجائیں۔ فرق پہچانا کہ ظلم طاقتوں سے کھینچ رہا ہے مگر لوگ جانے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ مظلومیت کی راہ پر پابندیوں کا عالم کی جا رہی ہیں، راستے روکے جا رہے ہیں مگر جانے والے بے چین ہیں اور بے چینی کا عالم کیا ہے کہ اگر تنہا حبیبؑ ہی بے قرار ہوتے اگر فقط حبیبؑ ہی حسینؑ تک پہنچنے کیلئے بے چین ہوتے تو کوئی حیرت کی بات نہیں تھی اسلئے کہ حبیبؑ حسینؑ کے بچپن کے جاں نثار تھے اور اسی لیے حبیبؑ کو یہ سند ملی کہ میں حبیبؑ سے دوہری محبت کرتا ہوں۔ ایک محبت کاراز یہ بھی ہے کہ یہ میرے لال حسینؑ سے محبت کرتا ہے اور بچپن میں حسینؑ کے حبیبؑ کا یہ عالم تھا کہ حسینؑ آگے آگے چلتے تھے تو حبیبؑ پیچھے پیچھے چلتے تھے اور حسینؑ کے قدموں کی خاک انھا کے اہنی آنکھوں سے لگاتے تھے تو حسینؑ کو پہچانا۔ جو حسینؑ کی قدر پہچانتا ہو۔ وہ اگر حسینؑ پر جان دینے کیلئے تیار ہو جائے۔ وہ اس راہ میں مرنے کیلئے تیار ہو جائے تو کوئی حیرت کی بات نہیں ہے اور پھر حبیبؑ کو تو حسینؑ نے بلایا بھی تھا۔ اسے عزیزو! حبیبؑ کا مرتبہ اس ایک لفظ سے پہچانو کہ وہ بے نیاز حسینؑ جو عاشور کی رات کنتارہا کر جانا ہو تو چلے جاؤ۔ وہ بھی اگر کسی کو بلاتا ہے تو "من الحسین بن علی ابی الرجل الفقیہ حبیب بن مظاہر الاسدی" یہ خط حسینؑ بن علیؑ کا ہے ایک مرد فقیر عالم دین حبیب بن مظاہر کے نام۔ اسے حبیبؑ تم تو جانتے ہو کہ پیغمبرؐ سے ہماری قرابت کیا ہے۔ اسے حبیبؑ ہم نرفہ اعداء میں گھر گئے ہیں۔ اگر ممکن ہو تو ہماری مدد کیلئے آؤ۔ خط کو بڑھاتا تھا کہ حبیبؑ بچپن ہو گئے۔ زور دینے پوچھا کس کا خط ہے۔ کہا نبیؐ کے نواسے زہرا کے لال کا خط ہے۔ کہا کیا لکھا ہے۔ کہا مولانا لکھا ہے کہ ہم نرفہ اعداء میں گھرے جا رہے ہیں اگر ممکن ہو تو ہماری مدد کیلئے آؤ۔

پھر حبیبؑ تم نے کیا فیصلہ کیا۔ کیا ارادہ ہے؟



کما زمانہ بڑا پر آشوب ہے۔ حالات بہت خراب ہیں۔ ایسے میں انسان کیسے جانے گا۔ ایسے میں انسان کیسے مصائب کا سامنا کرے گا۔

بس یہ سننا تھا کہ ایک مرتبہ زوجہ کو جلال آ گیا۔ کہا حبیبؑ نبیؐ کا لال بلائے اور تم زمانے کے حالات دیکھو۔

کہا نہیں مومنہ یہ خیال ہے کہ میں چلا جاؤں گا تو تجھے چھوڑ کر جانا ہوگا۔

کہا حبیبؑ تمہیں میرا خیال ہے۔ زہرا کا خیال نہیں ہے۔ فرزند زہرا مصائب میں گھر گیا ہے۔ نبیؐ کا لال مصیبتوں میں مبتلا ہے۔ وہ تمہیں بلائے اور تمہیں اس بات کا خیال ہے کہ میرا کیا ہوگا۔ اگر تم نہیں جانا چاہتے تو گھر میں بیٹھو۔ میں جا رہی ہوں نبیؐ کے لال کی مدد کیلئے۔

حبیبؑ نے کہا۔ مومنہ یہ کیا کہہ رہی ہے۔ میں تو چاہتا تھا کہ تیرا کمال اسمان بھی واضح ہو جائے۔ ورنہ میرا مولا بلائے اور میں نہ جاؤں۔ میرا آقا بلائے اور میں نہ جاؤں؟

عزیز و چار پانچ منٹ کے اندر مجلس تمام اور انشاء اللہ آپ بہت مشابہ ہوں گے۔

عجیب غربت کا عالم ہے حبیبؑ نے غلام کو بلایا اور کہا۔ اے غلام یہ میرا ہوار ہے۔ اسے لیکر جا اور فلاں مقام پر میرا انتظار کرنا۔ زمانہ پر آشوب ہے۔ میں کسی نہ کسی صورت میں وہاں تک پہنچ جاؤں گا اور اس کے بعد اس گھوڑے پر سوار ہو کر جاؤں گا اپنے مولا کی مدد کے واسطے۔ غلام اس جگہ پر کھڑا ہوا ہوار کو لئے ہوئے حبیبؑ کا انتظار کر رہا تھا۔ حبیبؑ مختلف راہوں سے اس منزل کے قریب پہنچے تو عجیب عالم دیکھا کہ گھوڑے کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں (اجر کم علی اللہ) خدا آپ کو کسی غم میں نہ رلائے سوائے غم اہل محمدؐ کے اور غم اہل محمدؐ کے

غلام کون سا غم اس قابل ہے کہ جس پر چودہ صدیوں تک آنسو بہائے جائیں۔ گھوڑے کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور غلام بے چین ہو کر کہتا ہے۔ اے اسپ بادشاہ اگر میرا مالک کسی وجہ سے نہ بھی آسکا تو میں تیری پشت پر سوار ہو کر چلوں گا فرزند رسولؐ کی مدد کے واسطے۔ بس یہ سننا تھا کہ بے چین ہو کر رخ کیا اے میرا مولا۔ اے نبیؐ کے لال آپ پر یہ وقت پڑ گیا ہے کہ غلام جان قربان کرنا چاہتے ہیں اور جانور آنسو بہا رہے ہیں۔ یہ کہہ کر حبیبؑ آگے بڑھے۔ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ مڑ کے غلام کو دیکھا کہا تو نے میرا بڑا ساتھ دیا ہے اور بڑی خدمت کی ہے۔ جا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کر دیا۔ بس یہ سننا تھا کہ غلام نے قدم پکڑ لئے۔ حبیبؑ آپ نے یہی انصاف کیا ہے۔ جب تک آپ کی خدمت کا معاملہ تھا آپ نے اپنے ساتھ رکھا۔ اب جب زہرا کے لال کی خدمت کا موقع آیا ہے تو مجھے الگ کرنا چاہتے ہیں۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گا مولا کی خدمت میں۔ جب وقت آئے گا تو مولا پر قربان ہو جاؤں گا۔ لو عزیز و حبیبؑ چلے ادھر حسینؑ اپنے چاہنے والوں کے درمیان ریات لشکر پر چہنائے لشکر تقسیم کر رہے ہیں۔ جب ایک پرچم باقی رہ گیا تو کسی نے کہا مولا یہ کسے لے گا؟ کہا انتظار کرو جو اس کا حقدار ہے وہ آنے والا ہے۔ تھوڑی دیر جو گزری تو ایک گرد نمودار ہوئی۔ فرزند رسولؐ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ اے میرے چاہنے والو بڑھو۔ میرا بچپن کا جان نثار آرہا ہے۔ بڑھو حبیبؑ کا استقبال کرو۔ چاہنے والے آگے بڑھے۔ حبیبؑ کا استقبال کیا۔ حبیبؑ مولا کے قدموں تک آگئے۔ اصحاب میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی اور شدہ شدہ یہ خبر خیمہ گاہ میں پہنچی۔ ایک مرتبہ شہزادی زینبؑ نے کہا۔ فصد جب سے ہم عالم غربت میں آئے ہیں ایک ہی خبر سننے میں آتی ہے۔ کہ لشکر آرہا ہے، فوج آرہی ہے، بھیا کے خون کے پیاسے آرہے ہیں، دشمنوں کے رسالوں



ہر رسالے آرہے ہیں۔ اے فضل جاؤ در یافت کرو کہ اب کون آیا ہے۔ فضل پلٹ کے آئیں۔ کہا بی بی مبارک ہو۔ مولانا کچن کا جاں نثار حبیب آیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ شہزادی نے فرمایا اے فضل جاؤ جا کے حبیب سے میرا سلام کہہنا اور کہنا حبیب تم نے بڑا احسان کیا جو ایسے وقت میں میرے بھیا کی مدد کیلئے آگئے۔ مقتل کا فترہ ہے کہ فضل نے سلام پہنچایا۔ حبیب زمین پر بیٹھ گئے۔ خاک کر بلا کو انھا کے سر پر رکھنا شروع کیا۔ ارے یہ وقت آگیا ہے کہ شہزادیاں غلاموں کو سلام کہلا بھیجیں۔ یہ وقت آگیا ہے کہ شہزادیاں غلاموں سے کہیں کہ تم نے بڑا احسان کیا ہے جو میرے بھیا کی مدد کیلئے آگئے ہو۔ حبیب بے چین ہیں کہ وہ وقت آئے کہ مولانا قربان ہو جائیں۔ واقعات آپ کے سامنے برابر آتے رہتے ہیں مگر اس واقعہ کا ایک آخری پہلو جو شاید کم سننے میں آیا ہو گزارش کرنا چاہتا ہوں یہ تو آپ نے بہن اور بھائی کا رشتہ دیکھا کہ جب بھائی کا مددگار آگیا تو بہن کا عالم کیا تھا۔ اب ذرا عابد بیمار کی مصیبت کو دیکھئے۔ عابد بیمار کی بے کسی کو دیکھیں۔ حبیب روز عاشور حسینؑ پر قربان ہو گئے۔ حبیب کا سر قلم ہو گیا شہادت امام حسینؑ کے بعد جب اہل حرم کو قیدی بنایا گیا اور اس لئے ہوئے قافلہ کو کوئی طرف لیکر چلے تو آگے آگے شہیدوں کے سر جا رہے ہیں اور چھپے چھپے بنا ہوا قافلہ آرہا ہے۔ جب یہ قافلہ کوفہ میں داخل ہوا تو حبیب کا ایک بیٹا جس کا نام تھا قاسم۔ اسے معلوم ہوا کہ کربلا میں مولانا مارے گئے اور ان کے اہل حرم قیدی بنا کے لائے جا رہے ہیں۔ آیا اور آ کے سر راہ کھڑا ہو گیا۔ ذرا پتہ لگائیں میرے بابا کا کیا ہوا۔ پتہ لگائیں کہ کربلا میں کتنا بڑا ظلم ہو گیا۔ کس کو کس کو مار ڈالا گیا۔ کس کو کس کو ذبح کر دیا گیا۔ وہ سر راہ کھڑا ہوا تھا کہ دیکھا ایک سوار آرہا ہے اور اس کے گھوڑے کی گردن میں ایک کناسر ہے آگے بڑھا۔ اے سوار یہ کس کا سر ہے۔ کہا تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ کہا یہ سر

تو میرے بابا حبیب سے ملتا ہوا ہے۔ کہا ہاں۔ یہ حبیب کا سر ہے۔ یہ سننا تھا کہ بچ آگے بڑھا۔ بڑھ کے حملہ کیا ارے میں برداشت نہ کر سکوں گا کہ قاتل کے ہاتھ میں باپ کا سر دیکھوں مگر میرا بیمار امام کربلا سے شام تک۔ نوک نیزہ پر باپ کا سر اور چھپے چھپے بیمار امام۔ اے بابا آپ کا سر آگے آگے اور میں اس قافلہ کا قافلہ سالار۔ اس شان سے شام تک آیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب یتقلبون



## مجلس ۶

اے نفس مطمئن پلٹ آ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں۔ تو ہم سے راضی ہے ہم تجھ سے راضی ہیں آ میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔  
سورہ مبارکہ فجر کی ان آخری آیات کریمہ کے ذیل میں "کر بلا شناسی" کے عنوان سے جو سلسلہ معروضات آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا آج اس کے چھنے مرحلہ پر "اسباب عظمت قیام حسین" کے عنوان سے اپنے معروضات کو پیش کرنا ہے۔

یہ ایک مسئلہ جو کسی دور میں زیر بحث نہیں تھا لیکن آج بیسویں صدی کے اطراف میں قابل بحث بنا دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ واقعہ کربلا کی کون سی اتنی بڑی خصوصیت اور عظمت تھی کہ اسکی یاد ساری دنیا میں سیکڑوں سال سے منائی جا رہی ہے جبکہ تاریخ اسلام میں اور نہ جانے کتنے بہت سے افراد ہیں یا کتنی بڑی شخصیتیں ہیں جنھوں نے قربانیاں پیش کی ہیں یا وہ راہ خدا میں قتل کئے گئے ہیں یا دشمنان دین نے ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا ہے۔ کیوں ان کی یاد نہیں منائی جاتی ہے۔ کیوں ان کا تذکرہ اس عظمت اور اہمیت کے ساتھ نہیں کیا جاتا ہے۔ واقعہ کربلا میں کون سی خصوصیت پائی جاتی ہے جسکی بنیاد پر اس واقعہ کو اتنی اہمیت دی جاتی ہے۔

میں گفتگو کو غیر سنجیدہ نہیں بنانا چاہتا اور نہ یہ بات کہنا بہت آسان تھا کہ ہم واقعہ کربلا اور امام حسین کی عظمت اور حیثیت سے باخبر ہیں۔ لہذا ہم صدیوں سے اس کی یاد منار ہے ہیں۔ آپ جنکا حوالہ دینا چاہتے ہیں شاید ہم ان کی اہمیت سے باخبر نہیں ہیں۔ تو اگر آپ سیکڑوں سال سے باخبر ہیں تو آپ ہی نے ان کی یاد کو باقی رکھا ہوتا۔ آپ ہی نے ان کے تذکروں کو زندہ رکھا ہوتا۔

مگر جس میں زندگی کے امکانات ہوتے ہیں اسے زندہ رکھا جاتا ہے۔ مردہ کو کوئی زندہ نہیں بنا سکتا ہے اور اس مقام پر یہ بھی گزارش کرنا ضروری ہے کہ شاید ایسے افراد کو غلط فہمی ہو گئی ہے اور وہ واقعہ کی صحیح بنیادوں سے باخبر ہی نہیں ہیں لہذا میں گفتگو کو آگے بڑھانے سے پہلے اسکی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ آپ کو دھوکہ ہو گیا ہے۔ آپ کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ ہم نے سیکڑوں سال سے واقعہ کربلا کو زندہ کر رکھا ہے۔ ہم نے یاد حسین کو زندہ بنا رکھا ہے۔ ہم واضح لفظوں میں آپ کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہم نے واقعہ کربلا کو زندہ نہیں بنا رکھا ہے۔ واقعہ کربلا نے ہم کو زندہ بنا رکھا ہے۔ ہم نے یاد حسین کو باقی نہیں رکھا ہے۔ یاد حسین نے ہم کو باقی رکھا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جن کے حصہ میں کربلا نہیں آئی تھی وہ مٹ گئے۔ فنا ہو گئے اور اگر بظاہر ثنا نہیں ہو گئے تو انھیں بھی اپنی اوقات کا اندازہ ہے اور حسین اور ذکر حسین کرنے والوں کی عظمت کا ساری دنیا کو احساس ہے اور احساس نہ ہوتا تو اعتراضات کی ہریشا نی ہی نہ پیدا ہوتی۔ اشکالات کا تصور بھی نہ پیدا ہوتا۔

لیکن ان تمام مسائل سے قطع نظر کرتے ہوئے اپنے موضوع کے بارے میں جو چند باتیں گزارش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہیں کہ کسی مورخ پر، کسی موقع پر، کسی مقام پر اقدام کرنا، قیام کرنا، کھڑا ہو جانا، اٹھ جانا یہ کوئی ہنر نہیں ہے۔



کوئی کمال نہیں ہے۔ خود قیام بھی اہمیت پیدا کرتا ہے اپنے خصوصیات، اپنے حالت اور اپنے ماحول کے اعتبار سے۔

ساری باتوں کیلئے شاید وقت کافی نہ ہوگا لہذا میں صرف چند باتیں گزارش کرنا چاہتا ہوں کوئی بھی واقعہ پانچ اسباب سے اہمیت پیدا کرتا ہے اور اسکی عظمت کے یہی راز ہوتے ہیں۔

پہلا راز یہ ہے کہ خود قیام کرنے والے کی حیثیت کیا ہے؟

مثال کے طور پر اگر میں اس وقت تحریک کروں کہ حضرات میں ایک مسجد بنانا چاہتا ہوں اور آپ ہی حضرات کے تعاون سے یہ مسجد بن سکتی ہے۔ اگر آپ لوگ ذرا میرا ساتھ دیدیں تو کل ہی سنگ بنیاد رکھوں اور چار دن کے اندر عمارت تیار ہو جائے۔ ایک مفلس آدمی جو خود اپنی نوکری کیلئے پریشان ہے پھنے کپڑے سمیت اٹھ کر کھڑا ہوا۔ کہنے لگا۔ گھبرائیے گا نہیں۔ بس انشاء اللہ سمجھنے بن گئی۔ تو کیا اس کے کہنے سے میں واقعاً مطمئن ہو گیا کہ واقعاً بن گئی جبکہ میں دیکھتا ہوں کہ پیسہ والے سب سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ یہ بے پارہ مفلس جسکو صحیح و سالم کرتا بھی نصیب نہیں ہے پھنے کپڑے پہن کے آیا ہے اسے وعدہ کر لیا اور میں مطمئن ہو گیا کہ کام ہو جائے گا۔ نہیں ہو سکتا ہے۔ اسلئے کہ اس بھرے مجمع میں جو اٹھا ہے اسکی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ کام پیسہ کا ہے وہ نادار ہے۔ یہ کام دولت کا ہے وہ مفلس ہے۔ یہ کام جیب سے کچھ نکالنے کا ہے اس کے جیب میں کچھ نہیں ہے۔ تو ایسا آدمی اگر قیام کرے تو اس کے قیام کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ چاہے بعد میں وہ کچھ کر ہی گزرے۔ لیکن کسی کی نگاہ میں اس کے اٹھنے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہے لیکن ایک ایسا آدمی جسکو لوگ پہچانتے ہیں کر دہتی ہے۔ وہ بغیر کھڑے ہوئے۔ یونہی بیٹھے بیٹھے کہدے کہ مولانا تحریک کرنے کا کیا کام

ہے۔ آپ نے پہلے مجھے سے بتا دیا ہوتا۔ اتنے بڑے مجمع میں کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ تنہا مجھ سے بتا دیا ہوتا اب تک مسجد بن کر تیار ہو گئی ہوتی۔ بس اس ایک آدمی کا بیٹھے بیٹھے یہ کہہ دینا اتنا وزن رکھتا ہے جتنا کھڑے ہو کر اس آدمی کے اعلان میں وزن نہیں ہے اسلئے کہ فرق شخصیتوں کا ہوتا ہے۔ یہ اٹھنے والا کوئی شخصیت نہیں رکھتا ہے۔ وہ اٹھنے والا شخصیت رکھتا ہے۔ تو جتنی شخصیت میں اہمیت ہوگی جتنا وزن ہوگا اسی اعتبار سے وہ قیام اہم ہوگا۔ اگر نادار اٹھ کر دولت کا وعدہ کرے تو ہر آدمی مسکرا کے رہ جائے گا اور مجھے بھی اعتبار نہیں پیدا ہوگا۔ اگر ضعیف و ناتواں اٹھ کر طاقت کا وعدہ کرے تو مجھے بھی اعتبار نہیں پیدا ہوگا۔ اب میں نہیں جانتا کہ سرکارِ دو عالم کیا دیکھ رہے تھے کہ اتنے بڑے مشن کیلئے مددگار مانگ رہے ہیں اور کھڑا ہوا ایک کمسن بچہ۔ جیب میں پیسہ نہیں۔ بظاہر بازوؤں میں طاقت نہیں۔ چھپے کوئی لشکر نہیں۔ ساتھ کوئی فوج نہیں۔ کوئی ایسی طاقت نظر نہیں آتی۔ اس نے وعدہ کر لیا تو نبی مطمئن ہو گئے۔ اس نے نصرت کی بات کہی اور پیغمبر مطمئن ہو گئے۔

کیوں مطمئن ہو گئے۔ یہ تو نبی جانتے ہوں گے اور نبی تو خیر سب کچھ جانتے ہیں۔ وہ ماضی بھی پہچانتے ہیں۔ حال بھی جانتے ہیں۔ مستقبل بھی جانتے ہیں۔ حیرت اس قوم پر ہے جو چالیس سال پیغمبر کا اعلان سکر دیوانہ کہہ رہے تھے۔ وہ گیارہ سال بچے کے وعدہ نصرت پر کچھ نہ کہے۔ اگر ان کی بات کو جنون کہا گیا تھا تو کم سے کم اس کی بات کو ہچکنا تو کہا گیا ہوتا۔ لڑکپن تو کہا گیا ہوتا۔ پیغمبر نے عائشہ کے چہرہ میں جو دیکھا ہو وہ نبی جانتے ہیں۔ قوم نے اتنا جلال ضرور دیکھا ہے کہ کسی میں بولنے کی اہمیت نہیں ہو رہی تھی۔

تو قیام کی ایک اہمیت شخصیت کے اعتبار سے پیدا ہوتی ہے۔ اسلئے اگر آپ



قیامِ حسینؑ کی عظمت کا اندازہ کرنا چاہتے ہیں تو حسینؑ کی شخصیت کے بارے میں جتنی باتیں میں نے روز اول گزارش کی ہیں ان کے علاوہ آپ حدیث کی صحیح کتابیں بھی پڑھیں۔ سرکارِ دو عالم کا یہ ارشاد گرامی سارا عالم اسلام جانتا ہے۔ "حسینؑ منیٰ وانا من حسینؑ" حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ حسینؑ مجھ سے ہے یہی حسینؑ کیلئے کیا کم ہے، یہی عظمت حسینؑ کیلئے کیا کم ہے پر جابیکہ میں حسینؑ سے ہوں۔ اتنی بڑی عظمت والا انسان جب اٹھ کر کھڑا ہو جائے گا تو وہ قیامِ خود بخود اہمیت پیدا کر لے گا۔

میں اپنی بات کو مزید واضح کرنے کیلئے ایک لفظ کہنا چاہتا ہوں تاکہ میرے تمام سننے والے بات کو پہچان سکیں۔ ساری اُمت، ساری قوم، سارے مسلمان ہودہ صدیوں سے ایک ہی آرزو، ایک ہی خواہش، ایک ہی تمنا رکھتے ہیں کہ کسی صورت سے ہم سرکار کی طرف منسوب ہو جائیں۔ یعنی ہم نہ کہیں ہم ان کے ہیں وہ کہیں یہ ہمارا ہے۔ وہ اپنا بنا لیں۔ اسی کام کے لیے مسلمان زندہ رہتا ہے۔ یہ ایمان کا ہے کیلئے ہے، یہ قرآن کس کام کیلئے ہے، یہ عبادتیں کیوں ہوتی ہیں۔ یہ شریعت کے احکام پر عمل کیوں ہو رہا ہے۔ اتنی جانفشانیاں، اتنی مصیبتیں مسلمان کیوں برداشت کر رہا ہے۔ فقط اس کیلئے کہ اگر دنیا میں ہیں تو دنیا میں ورنہ آخرت میں حضور یہ کہیں کہ یہ میرا ہے۔ یہ مسلمان ہے۔ یہ ہمارا ہے۔ یعنی سارے مسلمانوں کی فکر کی اٹھنا یہ ہے کہ نبیؐ اسے اپنا کہیں۔ مسلمان کی معراج کمال یہ ہے کہ حضور یہ کہیں کہ یہ میرا ہے۔ یہ مجھ سے متعلق ہے۔ یہ مجھ سے وابستہ ہے تو اگر سارے عالم اسلام کی معراج کمال یہ ہے کہ نبیؐ اسے اپنا بنا لیں تو پھر اس کے کمال کو پہچانو جس کے لیے نبیؐ یہ نہیں کہتے کہ یہ میرا ہے۔ یہ کہتے ہیں میں اس سے ہوں تو سارا عالم اسلام ایک طرف ہو گا اور تنہا حسینؑ بن علیؑ ایک

طرف ہوں گے۔

یہ پہلا مسئلہ ہے قیام کی عظمت کیلئے شخصیت۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ قیام کرنے والے کی ہمت بھی قیام میں زور پیدا کر دیتی ہے۔ اسکا ایمان اسکا کردار بھی اہمیت پیدا کر دیتا ہے ورنہ میں نے تحریک تو کر دی اور جہاں وچار پریشانیاں دکھائی دیں میں پیچھے ہٹ گیا۔ تو اس قیام میں کوئی وزن نہیں ہے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ ہر آدمی یہ کہے گا کہ اس سے بہتر یہ تھا کہ آپ نے یہ کام شروع ہی نہ کیا ہوتا پہلے سمجھ لیا ہوتا کہ اسکا انجام کیا ہونے والا ہے۔ کیا سمجھتے تھے کہ غیر میں جاؤ گے تو مرحب ملوہ کھلانے گا۔ ارے بھئی قیام کرنے سے پہلے ہر آدمی کو سوچ لینا چاہئے کہ اسکا انجام کیا ہوگا۔ اگر سمجھتا ہے کہ میں انجام کو فیس کر سکتا ہوں۔ مقابلہ کر سکتا ہوں تو اٹھے۔ اگر جانتا ہے کہ یہ میرے بس کا کام نہیں ہے تو بیٹھا ہی رہ جائے۔ بلکہ بیٹھا رہ جائے تو اس میں عزت رہ جاتی ہے۔ سمجھ دار تھے وہ لوگ جنہوں نے خندق میں سر بھی نہ اٹھایا کہ بلا سر سے نل گئی۔

نادانی کر بیٹھے غیر میں کہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور ہنچوں کے بل کھڑے ہو گئے کہ حضور نے بھی دیکھا اور ساری تاریخ نے بھی دیکھا۔ تو جس نے جس نے دیکھ لیا وہ سب پوچھ رہے ہیں کہ انجام کیا ہوا سر جھکا رہا تو بات دہی رہ جاتی۔ مگر جو اٹھ گیا ہے تو اب بات بھی اٹھ گئی ہے۔ اب ہر ایک کو پوچھنے کا حق ہے کہ اگر آپ کو اندازہ تھا کہ یہ کام آپ کے بس کا نہیں ہے تو آپ نے قیام نہ کیا ہوتا۔

تو عزیزو! قیام بے وزن ہو جاتا ہے۔ بے قیمت ہو جاتا ہے اگر قیام کرنے والے میں اطمینان نہ ہو، سکون نہ ہو، ایمان نہ ہو، اعتماد نہ ہو، ہمت نہ ہو، طاقت نہ ہو،



شجاعت نہ ہو، لیکن اگر قیام کرنے والا اتنا گہرا آسمان رکھتا ہو کہ دنیا ایک طرف ہو وہ اکیلارہ جائے۔ اتنی طاقت رکھتا ہو کہ ساری دنیا مقابلہ پر آجائے تو کوئی پریشانی نہ پیدا ہو تو وہ قیام اہمیت پیدا کر لیتا ہے۔

واضح لفظوں میں کہوں۔ ذمہ داری سنبھالنے والے کو اگر خود ہی شک ہو جائے تو بات بے وزن ہو جاتی ہے۔ میدان میں جانے والا اگر خود ہی میدان چھوڑ کو چلا آئے تو میدان میں جانے کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی ہے۔ لیکن اٹھنے والا اگر ایسا آسمان رکھتا ہو جو سرکارِ دو عالم کا آسمان تھا کہ جب سرکارِ اٹھے تو جس ماحول میں اٹھے اتنا بدتر ماحول کہ کوئی اس قیام کا قدر دان نہیں تھا۔ کوئی تعریف کرنے والا نہیں تھا۔ حد یہ ہے کہ جن کو کھلایا وہ بھی جادو گر کہہ رہے ہیں۔ تو کیا حضور کو نہیں معلوم تھا کہ میں ان کو کھلا رہا ہوں یہ جادو گر کہیں گے۔ اور معاذ اللہ اگر پہلے دن نہیں معلوم تھا تو اب تو کہہ چکے۔ اب تو آپ نے سن لیا کہ یہ جادو گر کہتے ہیں۔ اب تو انھیں نہ بلائیے۔ مگر دوسرے دن پھر دعوت پھر بلا لیا۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ نبی جانتے ہیں کہ ہمیں جادو گر کہا جائے گا مگر اس کے بعد بھی اٹھنا ہے۔ حضور جانتے ہیں کہ دیوانہ کہا جائے گا مگر اس کے بعد بھی اٹھنا ہے۔ تو کیوں اٹھے ہیں؟ یہ میں آخر کلام میں گزارش کروں گا لیکن اتنا اعتماد کہ سب دیوانہ کہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ عقل کل میں ہوں۔ اتنا اعتماد، اتنا بھروسہ کہ دنیا مخاف ہو جائے مگر کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی نے جب اپنی ہمت اور طاقت کا اعلان کیا اور یہ پیغام آیا کہ آپ اس تبلیغ کو چھوڑ دیں۔ اس دعوت سے دست بردار ہو جائیں تو فرمایا کہ "لو وضعوا الشمس علیٰ عینینی والقمح علیٰ ساری" اگر میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب

رکھ دیا جائے اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب رکھ دیا جائے کہ میں اس دعوت کو چھوڑ دوں تو میں اس دعوت کو چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ یعنی زمین والوں کا کیا ذکر ہے یہ بے چارے نادان جاہل مشرک ہیں ان کی کیا قیمت ہے۔ اگر آسمان کا سورج آسمان کا چاند وہاں سے اُتار کر میرے ہاتھوں پر رکھ دیا جائے تو میں اپنا کام چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ میری ہمت تو دیکھو میری طاقت تو دیکھو کہ میں اتنا بھروسہ رکھتا ہوں پروردگار عالم کی کمک پر۔ کہ زمین و آسمان ہر ایک کے مقابلہ میں کھڑا ہو سکتا ہوں۔ نہ چاند کی کوئی حیثیت ہے نہ سورج کی کوئی حیثیت ہے۔ اور جب ذکر آیا ہے تو ایک جملہ یاد رکھئے گا۔ سرکارِ دو عالم یہ کہنے کے سارے عرب اگر مقابلہ میں آجائے تو کوئی پرواہ نہیں ہے۔ یہ کہنے کے کفار، اگر ساری دنیا مقابلہ میں آجائے تو کوئی پرواہ نہیں ہے۔ یہ کہنے کے کفار، مشرکین، یہود، نصاریٰ اگر سب متحد ہو جائیں تو بھی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ آسمانوں کی باتیں نہ کریں۔ اگر چاند سورج کا ذکر شروع کر دیں گے تو لوگ کہیں گے کہ اچھے خاصے پیغمبر تھے یہ تو شایع ہو گئے ہیں۔ آپ کی گفتگو پر شاعری کا الزام لگ جائے گا۔ اسلئے کہ وہ شاعر ہی ہوتے ہیں جو زمین کے محبوب کو آسمان کا چاند کہتے ہیں۔ جو زمین کی روشنی کو آفتاب کی روشنی قرار دیتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کی گفتگو پر بھی شاعری کا اور بے بنیاد ہونے کا الزام آجائے۔ پیغمبر نے کہا مجھے اسکی بھی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ یہ مستقبل نہیں جانتے ہیں تو دیوانہ کہہ رہے ہیں کل انھیں معلوم ہو جائے گا کہ میں دیوانہ نہیں ہوں۔ یہ مستقبل نہیں جانتے ہیں تو شاید میری گفتگو کو شاعری کہہ دیں لیکن جب مستقبل دیکھیں گے تو اندازہ ہوگا کہ چاند سورج سے میں کیا ڈرتا، چاند میرے سامنے آجائے تو نکلڑے کر دوں گا۔ سورج میرے وصی کے سامنے



آجانے تو مغرب سے ابھار لے گا۔  
لہذا یہ کوئی شاعرانہ گفتگو نہیں ہے۔ یہ حقائق ہیں جن کا میں اعلان کر رہا ہوں۔ جن کی طرف میں دنیا کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ تو یہ میرا ایمان ہے۔ یہ میرا کردار ہے، یہ میرا اعتماد ہے، یہ میری طاقت اور ہمت ہے۔ جس بنیاد پر تم نے میرے قیام کی اہمیت کو دیکھا ہے اور نتائج ابھی آپ کے سامنے آئیں گے۔  
تو شخصیت کیا ہے یہ دیکھنا ہوگا۔ اس شخصیت کے پاس کتنی طاقت ہے کتنی ہمت ہے۔ کتنا حوصلہ ہے، کتنا ایمان ہے، کیا کردار ہے یہ بھی دیکھنا ہوگا۔

تیسرا مسئلہ قیام اور اقدام اہمیت پیدا کرتا ہے حالات کے اعتبار سے۔ رات کے وقت اپنے کمرہ میں اے۔ سی (A.C.) چلا کے بہترین مصلیٰ چھانکے دور کعت نماز پڑھ لی آپ نے۔ یہ بھی نماز ہے عبادت الہی ہے۔ اسپر بھی انشاء اللہ اجر ملے گا۔ ثواب ملے گا اور بہت ملے گا۔ خدا کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے۔ اجر بے حساب ملے گا۔

لیکن اسی کے برخلاف آپ ظہر کے ہنگام اس میدان میں کھڑے ہو جائیے اور یہاں کھڑے ہو کر ساڑھے بارہ بجے دوپہر میں دور کعت نماز پڑھئے تو ان دونوں نمازوں میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔ بند کمرے کی اے۔ سی میں قالین پر نماز اور بے اور اس زمین پر دوپہر کے وقت جب آفتاب نصف النہار کی منزل سے گذر رہا ہے اس وقت دور کعت نماز پڑھنا اور ہے۔

اس نماز کو کس نے اہم بنایا ہے؟ حالات ہی نے تو اہم بنایا ہے۔ تو وہ بھی ایک قیام نماز ہے جو گھر میں تھا۔ یہ بھی ایک قیام نماز ہے جو آفتاب میں ہو رہا ہے مگر دونوں قیام میں فرق یہ پیدا ہو گیا ہے کہ اس کے حالات سازگار

تھے تو اہمیت گھٹ گئی ہے۔ اس کے حالات ناسازگار ہیں تو اہمیت بڑھ گئی ہے۔ اسی لیے جب اسلام نے لفظوں کو جہاد قرار دیا تو اعلان کیا "افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائز" سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ کلمہ حق کہا جائے لیکن دوستوں کے مجمع میں نہیں، چاہنے والوں کے درمیان نہیں، مخلصوں کے بیچ میں نہیں، ناداروں کے درمیان نہیں، کمزوروں کے درمیان نہیں، بادشاہ جائز و جابر و ظالم کے سامنے اگر کلمہ حق کہا جائے تو یہ کلمہ حق جہاد بنے گا۔  
توجہ کی آپ نے۔ کلمہ حق خطابت بھی بنتا ہے، کلمہ حق تقریر بھی بنتا ہے، کلمہ حق گفتگو بھی بنتا ہے اور کلمہ حق جہاد بھی بنتا ہے اگر سازگار ماحول میں ہو تو تقریر، خطابت، گفتگو اور حاکم ظالم کے سامنے ہو تو اسی کا نام ہو جائے گا جہاد تو اس کے معنی یہ ہیں کہ قیام جتنے سخت ترین حالات میں ہوگا اتنی زیادہ اہمیت پیدا کر لے گا۔

میں پھر تاریخ آپ کو یاد دلاتا چلوں تاکہ مسند آپ کے سامنے واضح رہے میں وہی حوالے دوں گا جو سب کو معلوم ہیں۔ تو ناسازگار حالات کا قیام اور ہوتا ہے اور سازگار حالات کا قیام اور ہوتا ہے۔

واضح لفظوں میں گزارش کروں۔ لشکر کے ساتھ میدان میں جانا، فوجوں کے سہارے میدان میں جانا، اور ہوتا ہے اور جب فوجیں بزدلی کی سند پا کے بیٹھ جائیں تو اکیلے میدان میں جانا اور ہوتا ہے۔ تو جتنے حالات بد تر ہوتے جائیں گے اسی اعتبار سے قیام اہمیت پیدا کر لے گا۔ عظمت پیدا ہو جائے گی۔ اپنے گھر میں چاروں طرف سے گھر گھر لیا جائے اور آدمی مار ڈالا جائے تو ہو سکتا ہے کہ کسی جہت سے اس کے مرنے کی کوئی اہمیت ہو مگر اس کا نام قیام نہیں ہے۔ اس نے کون سا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس نے کون سا کام کیا ہے بلکہ اگر یہ



ثابت ہو جائے کہ مارنے والے حق بجانب تھے تو مسند اور بھی بدتر ہو جائے گا ہر ایک پلٹ کے کہے گا نہ آپ نے بھائی بندوں کو کھلایا ہوتا نہ یہ حشر ہوتا۔ نہ آپ نے یہ غلط کام کیا ہوتا نہ یہ انجام ہوتا۔ نہ آپ نے ایسا کیا ہوتا نہ یہ ہوتا۔ یعنی ہزار مصیبتیں اور سر آجائیں گی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر میں گھر کے مرجانا اور ہوتا ہے اور میدان میں قیام کر کے قربانی دینا اور ہوتا ہے۔

اب یہاں ہر ایک لفظ مجھے کہنا ہے شاید میرے سننے والے اگر اس حقیقت سے باخبر نہیں ہیں تو باخبر ہو جائیں۔ ہم یہاں سے باہر نکلے۔ نہیں جانتے ہیں کہ ادھر ہمارے دشمن بھی ہوں گے۔ خدا نخواستہ چار دشمنوں نے ہمو کو گھیر لیا اور مار ڈالا۔ ہو سکتا ہے کہ اسلام ہمو کو شہید قرار دیدے۔ ہو سکتا ہے مذہب ہمیں شہادت کا ثواب دیدے اسلئے کہ بے گناہ مارے گئے ہیں اور ایک کاربخر سے پلٹ کے آرہے تھے تو مارے گئے ہیں۔ اسکی ایک اہمیت ہوگی ثواب ملے گا۔ اجر ملے گا مگر اسکا نام جہاد ہوگا نہ اسکا نام واقعی شہادت ہوگا۔

یاد رکھئے گا ثواب شہادت الگ ہے اور شہادت الگ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں جو شہادت کے احکام ہیں وہ میدان جہاد تک محدود ہیں گھروں میں نہیں ہیں۔ چھوٹا سا مسند جسکو سب جانتے ہیں اور نہیں جانتے ہیں تو معلوم ہو جائے۔ شہید کے واسطے غسل و کفن نہیں ہے۔ شہید جب شہید ہو جائے گا تو نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور دفن کر دیا جائے گا۔ نہ غسل دیا جائے گا نہ کفن۔ مگر ہم جب مرتے ہیں تو ہمیں، غسل و کفن دیا جاتا ہے اور واجب بھی ہے حالانکہ پیغمبرؐ نے فرمایا تھا کہ ”من مات علی حب آل محمد مات شہیداً“ جو آل محمد کی محبت پر مر جائے وہ شہید مرتا ہے۔ تو اگر ہم سب شہید ہی مرتے ہیں تو ہمیں غسل کیوں دیا جاتا ہے۔ کفن کیوں دیا جاتا ہے؟ مگر یہ فرق یاد رکھئے گا پیغمبرؐ

نے کہا کیا جو محبت آل محمد پر مر جائے وہ ”مات شہیداً“ یعنی مر گیا اور شہید ہوگا۔ مر گیا اور شہید ہو گیا۔ مر کے شہید ہو جانا اور ہے اور شہید ہو کر دنیا سے جانا اور ہے۔ ہم محبت والے جب گھر میں مرتے ہیں تو نبیؐ نے ہمارے لیے لفظ موت استعمال کیا ہے اگر ہم ہی میدان میں جا کر اگر قربان ہو جائیں تو قرآن کہتا ہے لفظ موت استعمال نہ کرنا۔ خبردار! انھیں مردہ نہ کہنا یہ زندہ ہیں۔

اب تو فرق معلوم ہوا کہ شہادت اور ہے ثواب شہادت اور ہے۔ بستر پر مرنے سے ثواب شہادت ملتا ہے اور میدان میں گلا کٹانے سے شہادت ملتی ہے۔ تو شہادت کے احکام الگ ہیں۔ ثواب شہادت کے احکام الگ ہیں۔ تو اگر میں راستہ میں گھر جاؤں۔ مجھے چار آدمی مار ڈالیں تو مجھے ثواب شہادت انشاء اللہ مل جائے گا مگر میرے اس مرنے کا نام شہادت نہیں ہے اسلئے کہ نہ کوئی معرکہ ہے نہ کوئی مقابلہ۔ نہ کوئی جہاد ہے نہ کوئی جنگ۔ حد یہ ہے کہ مجھے اطلاع بھی نہیں ہے اگر یہی معلوم ہو جاتا کہ چار دشمن ہیں اور یہ میرے مخالف ہیں یعنی میرے مذہب کے، اسلام کے مخالف ہیں اور اسلئے مجھے مارنا چاہتے ہیں کہ یہ مسلمان ہے اسلام کا نام بیٹا ہے۔ اسلام کی آواز بلند کرتا ہے اور اس کے بعد میں چلا جاؤں تو ہو سکتا ہے کہ اس کا نام شہادت پڑ جائے۔ کیوں؟ اسلئے کہ میں جانتا ہوں کہ اب اسلام کے نام پر مرنے کا وقت آ گیا ہے۔ دشمن سامنے ہے۔ چونکہ میں سمجھ کے گیا ہوں لہذا میرے مقابلہ کا نام جہاد بھی پڑ سکتا ہے اور مرنے کا نام شہادت بھی ہو سکتا ہے لیکن اگر بے خبری میں مارا جائے تو کتنا ہی ثواب آپ اسکو دیدیں مگر کوئی فقہ اسکو شہید کہنے کیلئے تیار نہیں ہے۔ شہادت کے احکام دینے کیلئے تیار نہیں ہے۔ اسلام کی کوئی فقہ ایسے انسان



پر شہادت کے احکام مرتب کرنے کیلئے تیار نہیں ہے جو بے خبری میں مارا جائے، تو شہادت وہیں پیدا ہوتی ہے جہاں پہلے خبر ہو۔ جہاں جان بوجھ کے میدان میں قدم رکھے۔ جہاں مقابلہ ہر آنے اور اس کے بعد مارا جائے۔ تو یہ فرق یاد رکھئے گا کہ شہادت بے خبری میں نہیں ہوتی ہے۔

نہیں۔ میں پھر اپنے لفظ کو دوہراؤں گا تا کہ ایک ایک بچہ کے ذہن میں بات راسخ ہو جائے اور جہاں تک میری آواز جا رہی ہے لوگ پڑھیں اپنی فکرت پڑھیں اپنا مذہب کہ اگر بے خبری میں مر جائے تو ثواب شہادت مل سکتا ہے مگر اسکا نام نہ شہادت ہوگا نہ شہادت کے احکام ہوں گے۔ شہادت کے احکام میدان جہاد میں اسی لیے رکھے گئے کہ جو میدان میں آیا ہے وہ یہ سمجھ کر آیا ہے کہ جان کی بازی لگانے جا رہا ہوں۔ وہ سمجھ کے آیا ہے کہ یہاں موت آسکتی ہے۔ یہاں گلا گٹ سکتا ہے۔ تو یہ یاد رکھئے گا کہ اسلام میں شہادت کی بنیاد بے خبر اور اطلاع۔ بے خبری میں شہادت نہیں ہے۔ عدم اطلاع میں شہادت نہیں ہے۔ ناواقفیت میں شہادت نہیں ہے۔ اسی لیے شہادت میدان میں ہے کہ میدان میں کوئی بے خبر نہیں آتا ہے۔ میدان میں مجاہد آتا ہے، لڑنے والا آتا ہے، حالت دیکھنے والا آتا ہے، دشمن کو پہچاننے والا آتا ہے تو شہادت کی بنیاد بے خبر اور اطلاع۔

کتنے بے خبر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جب جانتے تھے کہ حالت خراب ہیں تو کیوں گئے تھے۔

اکثر سنتے ہیں آپ۔ کہ جب جانتے تھے کہ ابن طلحہ مسجد میں ہے تو کیوں گئے تھے۔ جب جانتے تھے کہ حالت ایسے ہیں تو پانی کیوں پنی لیا۔ جب جانتے تھے کہ انگور زہر میں بچھائے گئے ہیں تو کیوں کھایا۔ جب جانتے تھے کہ ہنتر ہی آدمی آپ کے پاس ہیں اور ادھر ہزاروں ہیں تو کیوں چلے گئے۔ یعنی اسکا مطلب یہ ہے کہ

بے خبری میں چلے گئے ہوتے تو آپ خوش ہوتے۔ نہ اپنا اندازہ ہوتا نہ دشمن کا اور چلے گئے ہوتے، دھوکہ میں مر گئے ہوتے تو آپ خوش ہو جاتے۔ مگر چونکہ جانتے تھے۔ لہذا آپ پریشان ہیں۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ آپ کی نگاہ میں ایسے ہی مرنے والے ہیں کہ جن کا گلابھی کنا تو دھوکہ میں۔ جو مارے بھی گئے تو ناواقفیت میں۔ حالانکہ اسلام کی بنیاد یہ ہے کہ ناواقفیت میں موت کا نام شہادت نہیں ہے۔

اسی لیے ہم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ امام حسینؑ نے مدینہ ہی سے کتنا شروع کر دیا تھا:

رُخ ہے حالت کا ایک تلخ حقیقت کی طرف

ہر قدم ہے مرا میدان شہادت کی طرف

اسلئے کہ اگر میں مسلسل اپنی آگاہی کا اعلان نہ کروں گا تو مر تو جاؤں گا مگر اسے شہادت نہ کہا جائے گا۔

شہید حالت سے بے خبر نہیں ہوتا ہے۔ شہید میں ارادہ ہے، عزم ہے، ہمت ہے، طاقت ہے، حالت کو جانتا ہے مگر جانتا ہے کہ یہ وقت آ گیا ہے کہ انسان مذہب پر قربان ہو جائے لہذا قربانی کیلئے اٹھا ہے۔ شہادت ناواقفیت کا نتیجہ نہیں ہے۔ دھوکہ میں مر جانے کا نام نہیں ہے۔ شہید، راہ خدا میں قربانی کے عزم و ارادہ سے نکلتا ہے۔ یہ تو خود قرآن مجید نے کہا ہے "یقَاتِلُونِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ"۔ یہی شہادت ہے کہ راہ خدا میں پہلے جہاد کرتے ہیں دشمن کو قتل کرتے ہیں اور آخر میں خود شہید ہو جاتے ہیں۔ پہلے قتال، قتل کرنا اس کے بعد قتل ہو جانا جو لوگ قرآن مجید پڑھتے رہتے ہیں وہ ان نکلتا کو خوب سمجھیں گے اور جب تفسیریں پڑھیں گے تو حالات معلوم ہو جائیں گے۔ یعنی "یقَاتِلُونِ" قتل ہو جانا اسکا مرحلہ تیسرا ہے۔ پہلا مرحلہ "یقَاتِلُونِ" راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں۔ دوسرا مرحلہ



"یقتلون" دشمن کو قتل کرتے ہیں اور آخری مرحلہ ہے "یقتلون" پھر قتل ہو جاتے ہیں۔ آپ نے دیکھا شہادت کو کہاں رکھا ہے اتنے مرحلے گزر جائیں۔ اتنی ہمت کا مظاہرہ ہو۔ کبھی قتال ہو راہ خدا میں۔ کبھی قتل ہو راہ خدا میں اور پھر قتل ہو جائے راہ خدا میں۔ چاہے مسجد ہی میں ہو جائے۔

تو ہم نہیں کی آپ نے۔ میں نے کیا کہا۔ چاہے مسجد میں شہید ہو جائے۔ یہاں معرکہ نہیں ہے مگر اسکا نام شہادت ہے۔

کیوں؟ اسلئے کہ بدر میں دیکھا قتال کرتے ہوئے۔ احد میں دیکھا قتال کرتے ہوئے۔ خندق میں دیکھا جہاد کرتے ہوئے۔ خیبر میں دیکھا جہاد کرتے ہوئے۔ معرکوں میں دیکھا جہاد کرتے ہوئے۔ تو قتال کرتے بھی دیکھا اور دشمن کو قتل کرتے بھی دیکھا تو آخر میں اگر مسجد کو ذی قتل ہوتے دیکھا تو یہ قتل بھی شہادت ہے اسلئے کہ قتال کے بعد ہے قتل کے بعد آخر میں آیا ہے۔ لیکن جسے کبھی قتال کرتے نہ دیکھا ہو جسے کبھی دشمن کو مارتے نہ دیکھا ہو وہ کہیں بھی۔ گھر میں یا مسجد میں مرحلے تو اسکا نام نہ قتل ہوگا نہ شہید ہوتا ہے اسلئے کہ شہادت تو تیسرے مرحلہ پر آتی ہے پہلے کارہائے نمایاں اور آخر میں قربانی جو قرآن مجید نے اپنے انداز سے مسلمان کو سمجھایا ہے۔

تو میں یہ گزارش کر رہا تھا کہ قیام کی اہمیت شخصیت سے ہے۔ قیام کی اہمیت اسمان سے ہے۔ قیام کی اہمیت حالات سے ہے۔

چوتھا مرحلہ قیام کی اہمیت خود قیام کرنے والے کے مزاج اور اسکی ذہنیت سے ہوتی ہے یعنی وہ خود اپنے قیام کے بارے میں کیا سمجھتا ہے؟ خیر۔ کبھی اللہ ایسے حالات اور ایسے مواقع فراہم کرے گا تو میں ان تفصیلات کو آپ کے سامنے گزارش کروں گا فی الحال وقت کم ہے لہذا اجمالاً عرض کرنا چاہتا ہوں۔ خود قیام

کرنے والا اپنے قیام کے بارے میں کیا سمجھتا ہے یہ بھی قیام کی اہمیت ہے یعنی قیام کرنے والا اگر خود ہی اپنے قیام سے مطمئن نہیں ہے تو دوسرے کیا قیمت لگائیں گے۔ کم سے کم خود تو مطمئن ہو، خود تو اعتماد رکھتا ہو۔ اعتماد طاقت والا نہیں۔ میں جواب کہنے جا رہا ہوں وہ جو تمہی بات ہے۔ بلکہ کم سے کم خود اعتماد اور اطمینان رکھتا ہو اور اپنے قیام کو حق بجانب سمجھتا ہو تاکہ دوسروں کو سوچنے کا موقع ملے کہ شاید یہ قیام حق بجانب ہے۔ لیکن اگر وہ خود ہی کہدے کہ میں غلط اٹھا ہوں تو ہم کیا کہیں۔ نہیں سبحان اللہ کیا کہنا آپ کا۔

مثلاً اب میں تقریر کر رہا ہوں ایک صاحب بیچ میں کھڑے ہو گئے۔ مولانا ایک بات سمجھ میں نہیں آئی ہے اگر تین اور چار رکعت میں شک ہو جائے تو کیا کرنا چاہئے۔ میں مسئلہ قیام حسینی کا تذکرہ کر رہا ہوں انھیں تین چار کا شک یاد آ گیا۔ جبکہ اس شک کا صدیوں میں علاج نہیں ہو سکا تو میں دو منٹ میں کیا حل کر دوں گا۔ ساری بلا اسی شک کی لائی ہوئی ہے۔

ہاں نماز میں کوئی شک آدی کو ہوا یا نہ ہو مگر یہ والا کثر ہو جاتا ہے۔ پہلی رکعت میں آدی ٹھیک سے چلتا ہے۔ دوسری رکعت سنبھال کے لے جاتا ہے بس جہاں تین چار کا مسئلہ آیا وہیں کتنی دیر تک بیچارہ سوچا کرتا ہے۔ تین چار تین چار۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ شریعت نے کہا کہ اگر یہ شک ہو جائے تو چارہ بنا کر کھنا۔ تین پر نہیں کر یہی اسلام ہے۔

اول تو دعا کیجئے کہ شک ہونے ہی نہ پائے۔ شک اہل شک کو مبارک ہو ہم سے کیا مطلب ہم تو اس کے دامن سے وابستہ ہو گئے ہیں جو اعلان کرتا ہے کہ اگر سارے پردے ہنادیے جائیں تو یقین میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ تو یہاں شک کا کیا ذکر ہے لیکن اگر کسی کو شک ہو جائے تو اسلام نے اسکو راستہ بتا دیا ہے کہ



بھائی دیکھو جب تین اور چار میں شک ہو جائے تو تین پر نمبر نہ جانا۔ چار پر بنا۔  
رکھنا تاکہ نماز کے صحیح ہونے کا امکان پیدا ہو جائے ورنہ اگر ادھر رہ گئے تو نماز  
بھی گئی۔ خیر

تو میں یہ گزارش کر رہا تھا کہ صاحب قیام، صاحب اقدام کو خود اپنے قیام  
پر اعتماد ہو اطمینان ہو اعتبار ہو یہ ایک بڑی چیز ہے ورنہ اگر ایسا نہیں ہے تو  
کوئی قیمت نہیں ہے۔

تو میں کیا کر رہا تھا کہ وہ کھڑے ہو گئے۔ مسئلہ پوچھ لیا بے چارے نے کوئی  
ناجائز کام نہیں کیا ہے۔ مسئلہ پوچھ لیا ہے۔ اس کے سامنے مسئلہ تھا وہ پریشان  
تھا اتفاق سے یاد آ گیا اب مجلس کے معنی یہ تو نہیں ہیں کہ بیچ میں کوئی بات ہی نہ  
ہونے پائے۔ ارے کوئی بے ربط بات نہ ہو لیکن اللہ رسول کی بات سے تو کوئی  
حرج بھی نہیں ہے۔ اس نے مسئلہ پوچھ لیا۔ میں نے بتا دیا۔ مگر جیسے ہی اس نے پوچھا  
چاروں طرف سے لوگوں نے انہی تند نگاہوں سے دیکھا کہ اگر واقعاً نظر کوئی کام  
کرتی ہوتی تو یہ پچھارہ کب ہارٹ انیک اور ہارٹ فیل اور خدا نہ جانے کن کن  
منزلوں سے گذر چکا ہوتا۔ مسئلہ پوچھا شرعی مسئلہ پوچھا۔ غلط کام نہیں کیا۔ اب پچھا  
کیا یا برا کیا۔ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ ٹھیک نہیں کیا۔ یہ نہیں کرنا چاہئے تھے۔ بڑا  
شوق تھا آپ کو۔ تو یہ تو اتریں گے ابھی منبر سے۔ پوچھ لینا اور میں تو منبر پر آنے  
سے پہلے اور منبر سے اترنے کے بعد بھی اسی لیے کافی دیر تک یہاں بیٹھتا ہوں کہ  
اگر مومنین کی نظر میں کوئی مسئلہ ہے تو روز روز تو آتے نہیں ہیں نہ آسکتے ہیں  
دور دراز رہنے والے ہیں اگر کوئی مسئلہ ان کے سامنے ہے تو دریافت کر لیں۔  
میں اسی لیے یہاں بیٹھتا ہوں اور میں تو رہتا ہی ہوں جب بھی آپ چاہیں مسئلہ  
دریافت کر سکتے ہیں۔ مجھے تو کوئی ایسی پریشانی نہیں ہے کہ جو چاہو کہو اور نکل

جاؤ۔ میں تو سال بھر یہیں رہوں گا جب چاہیں آپ میرے پاس چلے آئیں جب  
چاہیں دریافت کر لیں۔ خیر۔

تو میں یہ گزارش کر رہا تھا کہ اب ہر آدمی پریشان ہے۔ کوئی کہتا ہے  
ٹھیک ہی ہے شریعت کی بات پوچھی ہے۔ کیا برا کیا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں مگر کوئی  
ٹھیک نہیں ہے یہ کیا موقع ہے پوچھنے کا۔ اب یہ بحث چل رہی ہے۔ یہ ان کا اٹھنا یہ ان  
کا قیام، یہ ان کا سوال، صحیح ہے یا غلط۔ یہ بحث چل رہی تھی جیسے ہی میں منبر سے اُترا  
اب وہ لوگ جو سمجھ رہے تھے کہ ٹھیک کیا۔ کم از کم انھوں نے سوال کیا تو ہم  
سب کو مسئلہ تو معلوم ہو گیا۔ بڑا اچھا کام کیا وہ آگے بڑھ رہے تھے تعریف  
کرنے کیلئے۔ شاباش بینا تم نے ایک کام کیا۔ ایک مسئلہ پوچھ لیا ہم سب کو معلوم  
ہو گیا۔ وہ ابھی جا رہے تھے تعریف کرنے کیلئے کہ وہ خود آئے میرے پاس مولانا  
معاف کیجئے مجھ سے غلطی ہو گئی۔

ہم جا رہے تھے تعریف کرنے کیلئے شاباش ٹھیک کیا تم نے آجکل کے  
نوجوانوں میں مذہب کا جذبہ زیادہ ہے۔ ہونا چاہئے لیکن ان کی تعریف کرنے سے  
پہلے وہ خود ہی کہنے لگے معاف کیجئے گا مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے نہیں اٹھنا چاہئے تھا تو  
جب وہ خود ہی کہیں گے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی مجھے نہیں اٹھنا چاہئے تھا تو بے  
چارے تعریف کرنے والے بھی شرمناکے چپ ہو جائیں گے۔

تو قیام کرنے والا جب انہی بات پر قائم رہتا ہے تب حمایت کرنے والوں  
کو حمایت کرنے کا موقع ملتا ہے۔ لیکن اگر اسے خود ہی یہ خیال پیدا ہو جائے کہ میں  
نے غلط کیا اور زندگی بھر اسی شرمندگی میں سر جھکائے رہے تو اب پچھارے تاویل  
کرنے والے کیا کریں۔ تعریف کرنے والے کیا کریں۔ اس سے زیادہ میرے  
پاس وقت نہیں ہے۔ بات پردہ کی ہے تو پردہ ہی میں رہ جائے۔ زیادہ بہتر ہے۔



یہ میں نے اسلئے کہا کہ بات پردہ کی ہے پردہ ہی میں رہ جائے کہ میں بات پردہ کی پردہ ہی میں کرتا ہوں۔ اب زیادہ وضاحت سے گفتگو کی جاتی ہے تو خواتین ناراض ہو جاتی ہیں کہ ان کے پاس مجلس میں سوائے پردہ اور داڑھی کے کچھ ہے ہی نہیں تو اگر میرے پاس صرف پردہ اور داڑھی ہے تو مسئلہ آسانی سے ختم ہو جائے گا۔ آپ مجھ سے لے لیجئے خواتین پردہ لے لیں اور مرد داڑھی لے لیں قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔

تو میں یہ گزارش کر رہا تھا کہ قیام کرنے والا اگر خود اپنے قیام مطمئن ہے تو دوسرے آدمی کو بہر حال حمایت کرنے کا موقع ملتا ہے لیکن اگر قیام کرنے والا خود ہی اپنے قیام سے مطمئن نہیں ہے۔ وہ خود ہی کہتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ انھنا میرا کام ہی نہیں تھا یہ تو بزرگوں کی بات تھی ہم بچہ ہو کر کہاں بیچ میں کھڑے ہو گئے۔ ہم درمیان میں کہاں سے اٹھ گئے تو اگر خود اس میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ میرا قیام صحیح نہیں ہے تو دوسرا آدمی اس کے قیام کی کیا تفسیر کرے۔ کیا اسکی تعریف کرے۔ کیا اسکی تاویل کرے۔ لہذا خود اسکا اطمینان ضروری ہے۔ تو یہ چوتھا مرحلہ ہے۔

اور آخری مرحلہ جو آج گزارش کرنا ہے یہ ہے کہ قیام کی اہمیت پیدا ہوتی ہے نتائج کے اعتبار سے۔ قیام اہم ہوتا ہے نتائج کے اعتبار سے۔ لوگوں نے کہا نتیجہ کیا نکلا۔ یہ نہیں کہ خود کیا کہتا ہے نتیجہ میں سب کیا کہتے ہیں اور یہ بات ہر مسلمان آسانی سے سمجھے گا۔ فرق پہچانے گا دعوت ذوالعشرہ میں جتنے تھے، جو بلائے گئے تھے کوئی ایک تعریف کرنے والا نہیں تھا۔ کوئی ایک یہ کہنے والا نہیں تھا کہ بالکل صحیح قیام کیا۔ ہمکو ضرورت تھی ایک رہنما کی۔ ہمکو ضرورت تھی ایک پیغمبر کی۔ کوئی ایک تعریف کرنے والا نہیں تھا یہ ابتدائے قیام ہے کہ سارا مجمع جادو گر اور

دیوانہ کہنے لگا۔ جب نتائج سامنے آئے تو ہم نے دیکھا کہ جس نے کل مجنون کہا تھا وہ اسی تہ میں فتح مکہ کے موقع پر اسی مجنون کا کلمہ پڑھنے لگا۔ تو یہ نہ دیکھو کل دنیا نے کیا کہا تھا یہ دیکھو انجام کیا سامنے آیا۔ ابوسفیان کا کلمہ پڑھا لینا اس بات کا اعلان ہے کہ کل جسکو دیوانہ کہا گیا تھا وہ دیوانہ نہیں تھا۔ جو دیوانہ کہہ رہا تھا وہ دیوانہ تھا۔ تو یہ تو نبی کی تاریخ ہے کہ قیام کی ابتدا میں نبی کی تعریف کرنے والا کوئی نہیں ملا مگر جب نتیجہ سامنے آیا تو بدترین دشمن بھی تعریف کرنے والے ہو گئے۔

اب اگر قیام حسین کی عظمت کو پہچانا ہے تو دور نہ جائیے یہیں پر آکے پہچان لیجئے کہ امام حسین آخری سانسوں میں جب نرف اعداء میں گھرے ہوئے تھے اور جسم پر انیس سوا کیا دن زخم تھے جب بھی امام حسین نے یہ نہ کہا کہ اگر مجھ یہ حالت معلوم ہوتے تو کبھی نہ اٹھتا۔ یہ میں نے کیا کیا۔ مجھے یہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ میرا سارا گھرا جڑ گیا، ایسے سخت ترین حالات میں بھی امام حسین نے یہ نہ کہا۔ اور جب پورے لشکر کو فتح مل گئی۔ فتح کے شادیا نے بج گئے۔ جب سارا دربار آراستہ ہو گیا۔ وزراء سفراء اکٹھا ہو گئے تب بھی حاکم کہہ رہا ہے۔ حسین نے میرا کیا بگاڑا تھا۔ تو سارے حالات کا حسین کے ساتھ چلا جانا اور سارے دربار کا یزید کی مذمت کر کے یزید کو شرمندگی پر آمادہ کر دینا یہ اعلان ہے کہ حسین فاتح اعظم ہیں۔ حسین نے یزید کے دربار کو فتح کیا ہے اور یزید اپنے دربار میں ہار گیا ہے۔

موقع نہیں ہے ورنہ میں سارے نتائج عرض کرتا کہ واقعہ کربلا کے بعد جو نتائج سامنے آئے ہیں ان نتائج نے اس قیام کو اتنا اہم اور قیمتی بنا دیا ہے کہ تاریخ میں بہت سے راہ خدا میں قربان ہونے والے ہیں۔ بہت جان دینے والے ہیں اور



واقعاً شہید ہونے والے ہیں اس سے انکار نہیں ہو سکتا ہے بلکہ سلسلہ شہادت آج تک برقرار ہے اور راہ خدا میں جان دینے والے جان دے رہے ہیں۔ مگر جن نتائج کو امام حسینؑ نے اپنے قیام اور اقدام سے حاصل کیا ہے۔ ان نتائج کو تاریخ میں نہ اس کے پہلے دیکھا گیا ہے نہ اس کے بعد دیکھا گیا ہے اور میں کیا میری نگاہ کیا۔ ان نتائج کو واقعہ سے پہلے نگاہ پیغمبرؐ نے دیکھا۔ تو مجھ کر رہے ہیں۔ ان نتائج کو واقعہ سے پچاس سال پہلے نگاہ پیغمبرؐ نے دیکھا کہ اگر قیام حسین کے یہ نتائج پیغمبرؐ کی نگاہ کے سامنے نہ ہوتے تو کبھی نہ کہتے "انا من الحسین" میں حسینؑ سے ہوں۔ یہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ جب میرا حسینؑ اٹھے گا تو چاہے وہ نہ رہ جائے میرا دین رہ جائے گا۔ میرا اسلام رہ جائے گا۔ میرا مذہب رہ جائے گا۔ اور واقعہ رہ گیا حسینؑ سے۔ کہ حسینؑ نے اگر حج کو عمرہ سے تبدیل نہ کیا ہوتا تو زمین حرم کی حرمت نہ رہ جاتی۔ حسین نے اگر درباروں تک اپنے اہل حرم کو نہ پہنچا دیا ہوتا تو وہاں وحی بے بنیاد ہو جاتی۔ خبر کا انکار ہو جاتا۔ اسلام بنی ہاشم کا کھیل ہو جاتا اور کوئی اسلام کا نام لینے والا نہ ہوتا۔ یہ حسینؑ کا قیام تھا اہل حرم کے ساتھ کہ جس نے اسلام کو زندہ کیا۔ اگر حسینؑ نے نوک نیزہ پر تلاوت نہ کی ہوتی تو آج کسی کو عظمت قرآن کا احساس نہ پیدا ہوتا۔ گھروں میں، قالینوں پر، مسجدوں میں، راحت کدو میں، عشرت کدو میں، بہترین دُھنیں بنا کے، بہترین انداز سے، بہترین لہجہ میں قرآن پڑھ لینا اور ہے اور سر کٹانے کے بعد نوک نیزہ پر جا کر تلاوت کرنا اور ہے۔

یہ آج کے حافظان قرآن کا کام ہے وہ کل کے حافظ قرآن کا کام تھا۔ وہ حسینؑ بن علیؑ کا کار نامہ تھا جس نے عظمت قرآن کو بچا لیا۔ یہ سارے نتائج ہیں اس قیام کے۔ جس نے یہ نتائج عالم انسانیت کے سامنے پیش کئے ہیں کہ عالم انسانیت شرمندہ احسان حسینؑ بن علیؑ ہے۔

میں اللہ اور رسول کے ارشادات گرامی کے مقابلہ میں اہل دنیا کے اقوال کا کیا ذکر کروں اور ان کی کیا حیثیت ہے لیکن اعترافات کے اعتبار سے تو دنیا نے اس حقیقت کو پہچان لیا ہے کہ حسینؑ تنہا اسلام کیلئے بلکہ عالم انسانیت کے واسطے ایک محسن کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آپ کو تاریخی واقعات تو معلوم ہیں کہ ہندوستان کی آزادی کے واسطے ایک غیر مسلم نے قدم اٹھایا، ایک کافر نے، مشرک نے، جو خدا اور بت کافر نہیں جانتا تھا۔ جب اس نے آواز اٹھائی تو اپنے ساتھ بہتر آدمیوں کو لیا۔ لوگوں نے کہا کہ انگریز کی اتنی بڑی طاقت، اتنا رعب و دبدبہ، جاہ و جلال اس کے مقابلہ میں یہ چند آدمی جو آپ لیکر اٹھے ہیں۔ یہ کیا کریں گے؟ تو کہا کہ تم نہیں جانتے ہو۔ یہ فیکر ایسی ہے کہ جو کامیابی کی ضمانت ہے۔

گاندھی کا یہ فقہ مشہور ہے۔ یہ عدد ایسا ہے کہ جو کامیابی کی ضمانت ہے۔ تم نے کیسے پہچان لیا کہ بہتر آدمی کھڑے ہو جائیں گے تو اتنی بڑی باطل کی طاقت کو ہرا دیں گے اور ملک سے نکال باہر کریں گے۔

کہا تم نے کہ بلا کا واقعہ نہیں پڑھا امام حسینؑ نے دو سبق دیئے ہیں۔ یہ بتایا ہے کہ ظلم کا مقابلہ کبھی ظلم سے نہ کرنا۔ ظلم کا مقابلہ ہمیشہ مظلومیت سے کرنا اور جب ظلم کے مقابلہ میں اٹھنا تو افراد پر زور نہ دینا۔ تھوڑے سے مخلص بھی اگر پیدا ہو جائیں تو ظلم کا مقابلہ کرنے کیلئے کافی ہیں۔

حجرت ہے کہ ایک کافر، ایک مشرک، ایک بت پرست انسان وہ قیام حسینؑ کی عظمت کو کچھ تو پہچانتا ہے اور عالم اسلام میں یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ حسینؑ کیوں اٹھے؟ اسلئے کہ ساری فکر یہ ہے کہ نہ اٹھے ہوتے تو جیسے کل یزید کے دربار میں دو رچل رہا تھا آج بھی پلٹا۔ کل جو کاروبار ہو رہا تھا وہ آج بھی ہوتا۔



پریشانی تو یہی ہے کہ اب اسلام کے نام پر کوئی کاروبار نہیں ہو سکتا ہے۔ اب اسلام کے نام پر کوئی بے دینی نہیں ہو سکتی ہے۔ بے دین تو سب کچھ کر سکتا ہے لیکن اسلام کے نام پر بے دینی۔ اب اسکا امکان نہیں رہ گیا ہے۔ یہ حسین بن علی کا کارنامہ ہے۔ یہ قیام حسین کے شایع ہیں۔ جس نے اسلام، قرآن، کعبہ سب کی عظمتوں کا تحفظ کیا ہے۔

اس لیے نہ یہ ہمارا کوئی کارنامہ ہے نہ آپ کا کوئی کارنامہ ہے۔ نہ کسی بھی مسلمان کا کارنامہ ہے۔ یہ قرآن ہے جو حسین کو بچائے ہوئے ہے۔ یہ کعبہ ہے جو عظمت حسین کو بچائے ہوئے ہے۔ یہ اسلام ہے جو عظمت حسین کو بچائے ہوئے ہے۔ یہ پیغمبر اسلام کی دعائیں ہیں جو عظمت و قربانی حسین کو بچائے ہوئے ہیں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ ہماری راہ میں مر کے تو دیکھو ہم زندہ جاوید بناتے ہیں یا نہیں۔ یہ زندگی جاوید جو حسین بن علی کو حاصل ہوئی ہے یہ علامت ہے کہ حسین نے راہ خدا میں جان دی ہے اور اگر کسی کو یہ زندگی نہیں ملی ہے تو یہ علامت ہے کہ راہ خدا میں قربانی نہیں دی ہے۔ راہ خدا میں قربانی کا انداز ہی کچھ اور ہوتا ہے۔

امام حسین جب انھے راہ خدا میں قربانی دینے کیلئے تو اس عزم کے ساتھ، اور اس ارادہ کے ساتھ کہ جو کچھ ہوگا سب راہ خدا میں قربان کر دوں گا۔

ایسا نہیں ہے کہ امام حسین کے سامنے یہ حالات نہیں پیدا ہوئے تھے کہ آپ کے بچنے کے امکانات نہیں ہیں۔ آپ کے زندہ رہنے کے امکانات نہیں ہیں۔

غیروں کا کیا ذکر ہے جب امام حسین مدینہ سے نکلے اور مصلحت اسلام کی بنیاد پر چند افراد کو مدینہ میں چھوڑ دیا مثلاً جناب محمد بن حنفیہ مدینہ میں رہ گئے۔ جناب عبداللہ بن جعفر مدینہ میں رہ گئے۔ کچھ خواتین مدینہ میں رہ گئیں۔

تو جناب عبداللہ بن جعفر نے حالات کا اندازہ کیا اور حالات کو دیکھنے کے بعد

انہوں نے حاکم وقت اور علاقہ کے گورنر سے گفتگو کی اور اس کے بعد اپنے فرزندوں کے ذریعہ امام حسین تک یہ پیغام پہنچوایا کہ اگر آپ حالت کو ناسازگار اور نامناسب سمجھتے ہیں تو میں نے آپ کیلئے امان نامہ حاصل کر لیا ہے۔ آپ اطمینان سے رہیں۔ کوئی آپ کیلئے خطرہ نہیں ہے۔

امام حسین نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ امان نامہ مل جائے اور آپ یہ کہیں کہ میرے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ لیکن مسند میرے خطرہ کا نہیں ہے اسکی ضمانت کون دے گا کہ اسلام کو خطرہ نہیں ہے۔ اسکی ضمانت کون دے گا کہ دین خدا کو خطرہ نہیں ہے۔ جب تک حاکم امان نامہ لکھتا رہے گا یہ خود اس بات کی علامت ہے کہ اسلام کو خطرہ ہے اسلئے کہ امان نامہ وہی تو لکھے گا جو حاکم ہوگا۔ امان نامہ وہی تو لکھے گا جو برسر اقتدار ہوگا اور جب تک ایسے فاسق و فاجر برسر اقتدار رہیں گے جن کے لئے خود امام حسین نے یہ لفظ استعمال کیا ہے "الان الدعی بن الدعی" ایک نا تحقیق کے نا تحقیق بچے نے مجھے ایسی منزل مصیبت میں لا کر کھڑا کر دیا ہے "بین السلتہ والذلتہ" جہاں ایک طرف یہ ہے کہ میں تلوار چھیچھوں اور ایک طرف یہ ہے کہ میں ذلیل ہو جاؤں "وھیجات منا الذلتہ" اور میں ذلت برداشت نہیں کر سکتا ہوں تو ایسے بدترین افراد اگر تحت اقتدار رہیں اور امان نامے لکھتے رہیں تو ان کا تخت پر رہنا ہی دین اسلام کیلئے عظیم ترین خطرہ ہے۔

غور کیا آپ نے۔ تو امان نامہ مجھے مل سکتا ہے۔ امان مجھے دی جا سکتی ہے لیکن اسلام کو کون امان دے گا۔ دین خدا کو کون بچائے گا۔ اسکی بقا کی ضمانت کون دے گا۔ میں دین خدا کی امان کیلئے اٹھا ہوں میرے سامنے مسند میری زندگی کا نہیں ہے۔

جب جناب عبداللہ بن جعفر نے یہ دیکھا یا اور دنیا پر یہ واضح کر دیا کہ حسین پناہ گاہ کی تلاش میں نہیں نکلے ہیں، حسین راہ خدا میں قربانی کے قصد سے نکلے ہیں



تو کہا کہ فرزند رسول جب آپ نے یہ طے کر لیا ہے کہ آپ راہ خدا میں قربانی دینے جا رہے ہیں اور آپ مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جا رہے ہیں تو کم سے کم میرے بچوں کو لیتے جائیے۔

آپ نے اس عزم کا اندازہ کیا۔ خدا نگر وہ آج اگر ہم پر آپ پر کوئی مصیبت آجائے کہ ایک طرف ہم ہوں ایک طرف ہماری اولاد ہو۔ ایک طرف ہم ہوں ایک طرف ہماری گود کے پالے ہوں تو ہر انسان یہ کہے گا کہ بیٹا تم تجھے ہٹ جاؤ۔ ہم آگے جاتے ہیں۔ پہلے مرنا ہے تو ہم مر جائیں تم بچ جاؤ۔ مگر یہ راہ خدا میں قربانی دینے والے ہیں کہ اگر مصلحت نہیں ہے اور مجھے نہیں لے جاتے ہیں اور شہادت میرا مقدر نہیں ہے تو یہ بچے آپ کے ساتھ جائیں گے تاکہ دین خدا پر اگر وقت پڑے تو یہ راہ خدا میں قربان ہو جائیں۔

یہ حوصلہ تھا جناب عبد اللہ بن جعفر کا۔ یہ حوصلہ تھا ان بندگان خدا کا کہ جنکو مصلحت اسلام نے منزل شہادت تک نہیں جانے دیا تو ہر ایک نے اپنا اپنا فدیہ ساتھ کر دیا۔

بس عزیزو! آپ متوجہ ہو گئے اور میں بیان کو آخری منزل تک لے آیا۔ اب تو ماہ حرم کے پانچ دن بھی گزر گئے لہذا چاہتا ہوں کہ یہ تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ ہو جائے۔

کربلا میں دونوں کام ہو رہے تھے۔ مجاہدین خود اپنی قربانی کیلئے پھین تھے اور جو نہ آسکے انھوں نے کربلا کیلئے اپنے نمائندے بھیجے۔ اگر ام البنین نہیں آئیں تو اپنی گود کے پالے چار بیٹے مولا کے ساتھ کر دیئے۔ میرے شہزادو، میرے بچو! اگر مولانا وقت پڑ جائے تو پہلے تم قربان ہو جانا۔ مجھے شہزادی کائنات کے سامنے شرمندہ نہ ہونے دینا۔

اگر حسن مجتبیٰ کو معلوم تھا کہ میں کربلا میں نہ رہوں گا تو وصیت نامہ مرتب کر دیا۔ بیٹا قاسم تم تو رہو گے۔ تم میرے بھیا پر قربان ہو جانا۔ اگر عبد اللہ بن جعفر کربلا تک حسین کے ساتھ نہ آسکے تو عون و محمد کو ساتھ کر دیا۔ بچو! جب مولانا وقت پڑ جائے تو تم قربان ہو جانا۔ آقا پر آج نہ آنے پائے۔

یہ کربلا میں عجیب و غریب اہتمام و انتظام ہے کہ جو نہ آسکے انھوں نے اپنے فدیے بھیجے۔ انھوں نے اپنے نمائندے بھیجے۔ انھوں نے مولانا قربان کرنے کیلئے اپنی گود کے پالے اور اپنے دل کے نکلے امام کے ساتھ کر دیئے۔ یہاں تک کہ کربلا آنے کے بعد وہ وقت آیا جسے عاشور کی رات کہا جاتا ہے۔ جس رات کے بعد یہ طے ہو گیا کہ صبح کو قربانیاں پیش ہونے والی ہیں۔ آخری گفتگو ختم ہو گئی ہے۔ صلح کے راستے مسدود ہو گئے ہیں امام حسینؑ خیمہ میں داخل ہوئے۔ ثانی زہرا نے ہلچل بھیا کیا طے ہوا۔ آخری گفتگو کا کیا نتیجہ نکلا۔

کہا بہن مختصر یہ ہے کہ بس یہ آخری رات ہے۔ اس کے بعد بہن اور بھائی میں جدائی ہو جائے گی۔ اے بہن کل قربانی کا دن ہے۔ کل شام ہوتے ہوتے جب عاشور کا سورج ڈوبے گا تو ہمارے سارے سورج خاک و خون میں ڈوب چکے ہوں گے۔ کل آل محمد کی قربانیوں کا وقت ہے۔

اب جو مولانا کی طرف سے یہ اعلان ہو گیا تو ہمیں اپنے بچوں کو آمادہ کرنے لگیں۔ ہر ماں بچوں میں حوصلہ جہاد پیدا کرانے کیلئے اپنے لال سے ایک عجیب انداز میں گفتگو کر رہی ہے۔ شہزادی بھی عون و محمد کو اپنے گود کے پالوں کو بھانے ہوئے فہما رہی ہیں۔ بیٹا اتنا تو یاد ہے کہ جعفر طیار کے پوتے ہو۔ لال اتنا تو معلوم ہے کہ حیدر کرار کے نواسے ہو۔ تمہیں اپنے نانا کی جنگ بھی معلوم ہے۔ تمہیں اپنے دادا کا جہاد بھی معلوم ہے اور ہمیں شہزادی کا دیا ہوا حوصلہ تھا کہ جب عاشور کا



دن آیا اور اس قربانی کا موقع آ گیا کہ اب چھوٹے بچے بھی راہ خدا میں قربان ہو جائیں تو عزادارو ایک مرتبہ شہزادے مولا کی خدمت میں آ گئے کہ اذن جہاد مل جائے اور جا کے ماموں پر قربان ہو جائیں۔ مگر کوئی مولا کے دل سے پوچھے کہوں کو سر سے پر تک دیکھا۔ یہ معلوم ہے کہ سبکو قربان ہونا ہے مگر مرنے کی اجازت دینا، مرنے کیلئے میدان میں بھیجنا کوئی اتنا آسان کام نہیں ہے جس پر یہ وقت پڑتا ہے وہی جاتا ہے۔ جس نے اس مصیبت کا سامنا کیا ہے وہی اس مصیبت کو پہچانتا ہے۔ ایک مرتبہ جب شہزادی نے یہ منظر دیکھا تو روایات میں یہ فقہ ملتا ہے کہ آئیں اور آ کے مانجائے کے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ بھائی سے زیادہ بہن کے انداز کو کون پہچانے گا۔

فرمایا۔ زینب خیر تو ہے۔ کچھ کہنا چاہتی ہو۔

کہا۔ ہاں بھیا کچھ کہنا ضرور چاہتی ہوں اور اس اعتماد کے ساتھ کہنا چاہتی ہوں کہ آج تک میں نے آپ سے جو کچھ کہا ہے۔ آپ نے کبھی میری بات کو نالا نہیں ہے۔ آپ نے میری بات کو ٹھکرایا نہیں ہے۔

کہا ہاں ہاں؟ مگر کیا کہنا چاہتی ہو۔ کہا بھیا بس ایک گزارش ہے کہ ان میرے دل کے ٹکڑوں کو۔ ان میری گود کے پالوں کو مرنے کی اجازت دیدیجئے۔ یہ میرے بچے میدان میں جائیں اور آپ پر قربان ہو جائیں۔

بہن نے ایسی بات کہی کہ بھائی کیسے انکار کرے۔

کہا اچھا بہن اگر تم یہ کہتی ہو تو لو میں نے اجازت دیدی۔

عون و محمد میدان میں جانے کیلئے تیار ہو رہے ہیں۔ عباسؓ جیسے استاد نے عونؓ و محمدؓ کو سجا کے تیار کیا۔ کہوں کو گھوڑے پر بٹھایا۔ میدان کی طرف رخصت کیا۔ اس مقام پر بعض شعراء نے صرف حالات کی ترجمانی کرنے کیلئے جو واقعہ شہزادی کے

دل کے سچے جذبات ہیں عجب بات کہی ہے۔

جب بیٹے رخصت ہو کر چلنے لگے تو ماں نے کہوں کو ہدایت کی کہ جاؤ میرے لال لڑو، قربان ہو جاؤ، جہاد کرو، ماموں پر فدا ہو جاؤ۔ مگر بیٹا خیال رکھنا اگر لڑتے لڑتے فرات تک پہنچ بھی جاتا تو دیکھو پانی کو ٹڑکے زد دیکھنا۔ ابھی تمہارا بھیا علی اصغرؓ پیاسا ہے۔ ابھی سکینہ پیاسی ہے۔ کہوں کو پانی نہیں ملا ہے ہر طرف سے العطش العطش کی آواز میں بلند ہو رہی ہیں۔

شہزادے میدان میں آئے۔ ایک طرف عون کا جہاد۔ ایک طرف محمد کا معرکہ۔ روایات میں دونوں کے رجز کا ذکر ہے۔ ایک طرف سے آواز آتی ہے تم نے کیا سمجھا ہے کیا۔ دین خدا لاوارث ہو گیا ہے۔ جب تک ہم زندہ ہیں دین خدا لاوارث نہیں ہو سکتا ہے۔ میں اپنے ماموں پر قربان ہو جاؤں گا۔

دوسری طرف سے آواز آرہی ہے۔ ارے تظالمو تم نے میرے جوش جہاد کو نہیں پہچانا ہے۔ جعفر طیار میرے دادا کا نام ہے۔ ہمکو معلوم ہے جب ہمارے دادا نے راہ خدا میں قربانی دی تو اللہ نے انھیں دوہر عطا کر دیے اور وہ جنت میں ہم روز کر رہے ہیں۔ ہم بھی اگر قربان ہو جائیں گے تو پھر درگاہ عالم ہمکو پھر پرواز عطا کرے گا۔ ادھر ایک بھائی کا جہاد ادھر دوسرے بھائی کا جہاد۔ مشغول جہاد ہیں۔ چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ ادھر سے تلوار چل رہی ہے ادھر سے زخموں پر زخم لگ رہے ہیں۔ وارہر وار ہو رہا ہے کہ ایک مرتبہ زخموں سے چور ہو کر بچے گھوڑے سے گرنے لگے اور مقتل سے ایک آواز آئی۔ مولا مولا۔

بس جیسے ہی آقا کے کانوں میں آواز آئی۔ کہا بھیا عباس انھو چلو میرے ساتھ حسینؓ عباسؓ کو لیکر میدان میں آئے۔ ادھر عون کا جنازہ ادھر محمد کا لاشہ۔ بھیا آؤ میں اکیلے دونوں کو زانٹھا سکوں گا۔ عباس تم میرے ساتھ چلو مقتل میں آئے ایک کو



حسین بن علیؑ نے انھایا۔ ایک کالا شرعباں نے انھایا لیکر چلے خیمہ میں لا کر درخیمہ کے قریب دو نونہجوں کے لاشوں کو رکھ دیا۔ ایک مرتبہ فضلہ آئیں شہزادی کچاس اور آ کے گزارش کی چلنے آپ کے لال آئے ہیں۔ چلنے عون و محمد آئے ہیں۔ شہزادی خاموش۔

فضلہ نے کہا چلنے بی بی عون و محمد آئے ہیں۔ آپ کے لال واپس آئے ہیں۔ فرمایا میں زجاؤں گی۔ میں نے کیا انھیں اسلئے بھیجا تھا کہ یہ میدان سے واپس آجائیں۔ میں نے تو بھیجا ہر قربان ہونے کیلئے بھیجا تھا۔ فضلہ نے کہا بی بی پل کے ذرا دیکھ تو لیجئے۔ اب جو شہزادی آئیں۔ دیکھا ہجوں کے لاشے۔ ایک مرتبہ سر سجدہ میں رکھ دیا۔

پروردگار تیرا سکر ہے کہ میرے بچے میرے بھیجا ہر قربان ہو گئے۔ بہن بھائی کے سامنے شرمندہ نہ ہوئی۔ شاباش میرے ہجو تم نے میری تربیت کی لاج رکھ لی۔ تم نے ماں کو بھائی کے سامنے سر خر و بنا دیا۔

إنا لله وانا إليه راجعون سيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون

## مجلس

اے نفس مطمئن پلٹ آ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں۔ تو ہم سے راضی ہے ہم تجھ سے راضی ہیں آمیرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ سورہ مبارکہ فجر کی ان آخری آیات کریمہ کے ذیل میں "کر بلا شناسی" کے عنوان سے جو معروضات آپ کے سامنے پیش کئے جا رہے تھے آج ان کے ساتویں مرحلہ پر انصار امام حسینؑ کے بارے میں کچھ باتیں آپ کے سامنے گزارش کرنا ہیں۔ مسائل سب تفصیل طلب ہیں اور وقت بہر حال مختصر اور محدود ہے اسلئے میں حسب روایات اپنی گفتگو کا ایک خاکہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں تفصیلات پر آپ غور کریں اور کتابوں کا مطالعہ کریں تاکہ واقعاً اس عظمت سے باخبر ہو سکیں جو عظمت اپنے کردار سے انصار حسینؑ بن علیؑ نے حاصل کی ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ دنیا میں ہر انسان کے ساتھیوں میں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں اور بُرے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ کچھ صاحبان کردار ہوتے ہیں جو کردار کی بنا پر اچھے لوگوں کے ساتھ آجاتے ہیں اور کچھ صاحبان غرض ہوتے ہیں جو بڑی شخصیتوں سے اپنے مفادات کیلئے وابستہ ہو جاتے ہیں اور بڑی شخصیتوں کیلئے بھی اکثر اوقات یہ دشواری پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ نیتوں کو پہچانتے کے بعد بھی انھیں اپنے سے الگ نہیں کر سکتے ہیں۔ اسلئے کہ



جانتے ہیں کہ ان کے رہنے میں بھی فساد ہے اور الگ کر دینے میں بھی فساد ہے۔ مگر شاید الگ کر دینے میں فساد زیادہ ہوگا۔ ساتھ رکھنے میں اتنا بڑا فساد نہ ہوگا اسلئے کہ جب تک اپنے قبضہ میں رہیں گے کسی نہ کسی مقدار میں تو کردار کنٹرول میں رہے گا۔

یہ میں نے اسلئے گزارش کی ہے تاکہ میں اس کے بعد جو قرآن مجید کے آیات کریمہ کے ذیل میں تاریخ نصرت آپ کے سامنے پیش کروں تو کسی انسان کو یہ غلط فہمی نہ ہو جائے کہ نعوذ باللہ ہم انبیائے کرام کے ساتھ رہنے والوں سے یا انبیاء کرام کی محفل میں حاضر ہونے والوں سے کوئی خصوصی اختلاف رکھتے ہیں۔ نہیں۔ ہر نبی کے ساتھ، ہر ولی کے ساتھ اور دنیا کے ہر بڑے آدمی کے ساتھ دونوں طرح کے کردار ہمیشہ رہتے ہیں۔ جو اچھے کردار والے ہیں وہ بھی نظر آتے ہیں۔ جو بُرے کردار والے ہوتے ہیں وہ بھی دکھائی دیتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی اچھے کردار والے نمایاں ہو جاتے ہیں اور کبھی بُرے کردار والے نمایاں ہو جاتے ہیں۔ کبھی اچھے کردار والوں کا اچھا کردار نمایاں ہوتا ہے اور کبھی بُرے کردار والے بھی نیک کردار بن کر سامنے آ جاتے ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآن مجید کو ایک مکمل سورہ نازل کر کے حقائق کو بے نقاب کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

جو تاریخ ہمارے سامنے پیغمبران اولوالعزم، اولیائے خدا، خاصان پروردگار اور ان کے ساتھیوں کی ہے اس میں ایک بڑا عجیب و غریب مرحلہ ہے جس کا عرض کرنا بھی بعض اوقات شاید مصالِح کے خلاف ہو جائے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ قرآن مجید نے جب جب انبیاء کے ساتھیوں کا جنکو اصطلاحاً اصحاب کہا جاتا ہے یا ان کے مددگاروں کا یا ان کی محفل میں حاضر ہونے والوں کا تذکرہ کیا ہے تو کہیں یہ

صفحہ ۱۹۲ کے بعد صفحہ ۱۹۳ سے پڑھیں۔



اعتیاد نہیں برتی گئی ہے کہ جو اچھے ہیں ان کے تذکرے کو نقل کیا جائے اور جو بُرے ہیں ان کے تذکرے کو دبا دیا جائے حالانکہ ہماری آپ کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اگر ہمارے ساتھ کچھ لوگ جو نامناسب افراد ہیں اور ساتھ لگ گئے ہیں اور ہمیں ان کا ساتھ رہنا چھانہیں لگتا ہے مگر مصلحتاً ہم ان کو ہٹانا بھی نہیں چاہتے ہیں، انکو دور کرنا بھی نہیں چاہتے ہیں تو ہم یہ نہیں چاہتے ہیں کہ جہاں ہمارا ذکر کیا جائے وہاں ان لوگوں کا بھی ذکر کیا جائے اسلئے کہ مبادا کسی کو ان کا ذکر سننے کے بعد ہمارے بارے میں غلط فہمی ہو جائے کہ یہ کیسے عالم دین ہیں جن کے ساتھ یہ جملہ لگے ہوئے ہیں۔ یہ کیسے نمازی، متقی، پرہیزگار ہیں جن کے ساتھ ایسے بد کردار لگے ہوئے ہیں تو ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ اگر غلط افراد کسی بنیاد پر آگئے ہیں اور ہمیں پسند نہیں ہیں تو ہمارے تذکرے کے ساتھ جو نیک کردار ہیں ان کا ذکر کیا جائے لیکن جو بُرے کردار والے ہیں ان کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا ذکر ہمارے واسطے باعث بدنامی ہو جائے مگر نہ جانے کیا مصلحت کردگار ہے کہ پروردگار نے جب بھی اپنے نیک بندوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کے ساتھ رہنے والے اگر نیک کرداروں کا ذکر کیا ہے تو ان کے ساتھ لگ جانے والے بد کرداروں کا بھی ذکر کیا ہے ورنہ کتنی آسان سی بات تھی کہ پروردگار عالم مذکرہ آدم میں ہابیل کے کمالات، ان کے تقویٰ، ان کے تقدس، ان کی پاکیزگی، نفس کا ذکر کرتا اور یہ بتاتا ہی نہیں کہ آدم کا ایک بیٹا ہابیل بھی تھا۔

اسلئے کہ ظاہر ہے کہ آج ہمارے ساتھ اتنی آسانی ہے اگر ہمارا کوئی بیٹا غلط نقل جائے نالائق نکل جائے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کیا کریں ہم تو مجلسوں میں لگے رہ گئے وہ ظاہر ہے کہ لڑکوں کے ساتھ رہا۔ لوگوں کے ساتھ رہا۔ لوگوں نے

بہکا دیا۔ گمراہ کر دیا۔ یعنی ہزار تاویل کر کے اپنا بھرم باقی رکھ سکتے ہیں مگر جناب آدمؑ کیا کہیں۔ اگر کوئی جناب آدمؑ سے پوچھے کہ آپ کا بیٹا نالائق، قاتل، اپنے بھائی کا خون بہانے والا ایسا نکل گیا تو جناب آدمؑ کیا کہیں؟ ماحول بہت خراب تھا۔ سوسائٹی بہت خراب تھی۔ اسکول کے لڑکوں نے گمراہ کر دیا۔ دفتر والوں نے بہکا دیا۔ وہاں تو نہ کوئی اسکول ہے نہ کالج ہے۔ نہ دفتر ہے نہ ماحول ہے۔ نہ سوسائٹی ہے۔ ایک باپ ایک ماں۔ وہ معصوم یہ پاکیزہ کردار خاتون وہ نبی خدا خلیفۃ اللہ اور یہ بھی ایک انتہائی نیک کردار خاتون۔ ایسی جگہ پر رہنے والا انسان قاتل اور وہ بھی غیروں کا قاتل نہیں۔ اپنے بھائی کا قاتل نکل جائے تو ظاہر ہے کہ جناب آدمؑ سے اگر کوئی پوچھے تو کیا صفائی دیں وہ ہماری طرح کی تقریر تو نہیں کر سکتے ہیں۔ ہماری طرح کے بہانے بھی نہیں بیان کر سکتے ہیں مگر پروردگار عالم نے اس کے بعد بھی جہاں تذکرہ کیا۔ وہاں یہ اعلان کیا کہ ہم آدم کے دونوں بیٹوں کا ذکر کر رہے ہیں "اذقر باقر باناً" جب دونوں نے قربانی پیش کی اور اس کے بعد اگر ہابیل کے نیک کردار ہونے کا ذکر ہے تو ہابیل کے بدترین کردار اور اسکی سفاکیت اور جلادیت کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی قدرت یہ واضح کر دینا چاہتی ہے کہ چاہے تمہیں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ ایک ایسا نیک بندہ بھی تھا کہ جسکا بیٹا نالائق نکل گیا مگر ہم روز اول سے اس بات کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ کوئی رشتوں کے دھوکے میں نہ آجائے کسی کو یہ خیال نہ پیدا ہو جائے کہ اب تو یہ نبی کا بیٹا ہے۔ اسکو تو مقدس ہونا ہی چاہئے۔ نہیں ہر ایک کے کردار کو الگ الگ جانچ کے دیکھو۔ ہر ایک کے کردار کو ہر کے دیکھو۔ ہو سکتا ہے کہ آدمؑ جیسے معصوم کا بیٹا ہو مگر نالائق ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ کسی نالائق باپ کا بیٹا ہو مگر ایسا ہو جو اپنا بنا لینے کے قابل ہو۔



لہذا تاریخ جناب آدمؑ میں اللہ نے جناب آدمؑ کے اس بیٹے کا تذکرہ بھی کیا جو قاتل تھا سفاک تھا خون ریز تھا، جلاد تھا، نابل تھا۔ اس کے بعد تاریخ جناب آگے بڑھی، جب جناب نوحؑ کا ذکر آیا تو وہاں بھی اللہ نے ایک تذکرہ اور بڑھا۔ اور جب نالائقوں کا تذکرہ شروع کیا تو ایک تذکرہ اور بڑھا دیا۔ اب صرف نوحؑ کے بیٹے کا ہی ذکر نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کہتا ہے۔ پروردگار عالم نے یہ دو مثالیں بیان کی ہیں "امراہ نوح و امراہ لوط نوح کی بیوی اور لوط کی زوجہ" کا تحت عبدین من عبادنا صالحین یہ ہمارے دو نیک کردار بندوں کے گھر میں تھیں "فما نساھما" انھوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی "فلم یغنیا عنھما من اللہ شیئاً" تو زوجیت سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔

تو پروردگار ۱ اگر نوحؑ کا بیٹا نالائق نکل گیا تھا تو اسی کے تذکرہ کو دبا دیا ہوتا اور اگر بیٹے کا ذکر نہیں دے سکتا تھا اور نالائق نے ذبح ہی نہیں دیا کہ کہیں پستی میں ڈوب گیا ہوتا تو شاید بات دب جاتی مگر پہاڑ پر جا کر خود ہی اپنے کو نمایاں کر دیا ہے تو اب کہاں کیسے کوئی دبائے۔ پہاڑ تک اگر نہ گیا ہوتا تو ہم جیسے باخلاق لوگ کوئی نہ کوئی تو دبائے کا انتظام کر ہی لیتے مگر پہاڑ پر جا کر اپنے کو اتنا نمایاں کر دیا کہ اب اسکو دبا دینا نہ ہمارا کام ہے نہ آپ کے بس کا کام ہے نہ تاریخ یہ کام کر سکتی ہے نہ محدث یہ کام کر سکتا ہے۔ اب اسکو دبانے کا ایک موجدوں کے بس میں تھا انھوں نے دبا دیا۔ ایک طوفان کے امکان میں تھا اسنے دبا دیا تو خیر نوحؑ کا بیٹا تو نمایاں ہو گیا تھا وہ نمایاں رہ جاتا مگر جو بات پردہ کی تھی وہ تو پردہ میں رہ جاتی۔ زوجہ کا ذکر تو قرآن میں نہ آتا کہ زوجہ بھی نالائق تھی اسلئے کہ وہ تو واقعاً بات پردہ کی تھی تو پردہ کی بات پردہ ہی میں رہ جاتی، مگر پروردگار عالم نے کہا اگر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جس سے نسب رشتہ ہے۔ اگر میں نوحؑ کے بیٹے

کا ذکر کر کے یہ اعلان کر سکتا ہوں کہ جس سے نبی کا نسب رشتہ ہے وہاں نسب رشتہ کردار کی ضمانت نہیں بن سکتا ہے تو زوجہ سے تو کوئی نسب رشتہ بھی نہیں ہوتا ہے وہ تو سببی رشتہ ہوتا ہے۔ آج قائم ہوا کل نوٹ بھی سکتا ہے۔ لازم نہیں ہے کہ نوٹ جائے مگر نوٹ بھی سکتا ہے۔

مگر بیٹا چاہے بیٹا مر جائے، چاہے باپ مر جائے رشتہ نہ نونا ہے اور نہ نونے والا ہے اسی لیے آج تک اس نالائق کو نوحؑ کا بیٹا ہی کہتے ہیں۔ اتنی دیر سے میں پسر نوحؑ ہی کا ذکر کر رہا ہوں۔ یعنی اتنا زمانہ گزر گیا۔ ہزاروں سال گزر گئے وہ ڈوب گیا مگر کہا جاتا ہے کہ پسر نوحؑ۔ یہ رشتہ نونے والا نہیں ہے۔ مگر زوجیت کا رشتہ تو اتنا آسان ہے کہ دو لفظوں میں آتا ہے اور دو لفظوں میں چلا جاتا ہے، بلکہ ہم نے تو یہاں تک دیکھا ہے کہ آنے میں لفظوں کی ضرورت ہوتی ہے جانے میں تو اتنی ضرورت بھی نہیں ہوتی ہے۔ خالی غصہ آجائے دو پتھر بھی توڑ دو۔ جب بھی یہ کام ہو ہی جائے گا۔ تو ایک ایسا رشتہ جو اتنی آسانی سے نوٹ جاتا ہو اسکی نسب کے مقابلہ میں کیا اہمیت ہے۔ اسکا کیا وزن ہے۔ تو ظاہر ہے کہ پسر نوحؑ کا تذکرہ اس بات کی علامت ہے کہ ایمان و کردار نہیں تو نسب رشتہ بیکار ہے اور زوجہ نوحؑ کا تذکرہ اس بات کی علامت ہے کہ ایمان اور کردار نہیں تو سببی رشتہ بھی کام آنے والا نہیں ہے۔

تو پروردگار عالم نے جب ہر جگہ دونوں طرح کے تذکرے کئے ہیں اور دامن قرآن میں ان کرداروں کو محفوظ کر دیا ہے تو ایک خالی ہم ہی سے کیا مطالبہ ہے کہ جتنے اچھے کردار ہیں بیان کیجئے اور جو نالائق ہیں ان کا ذکر نہ کیجئے ورنہ حضور بدنام ہو جائیں گے۔ یہ آج ایک نیا فلسفہ نکلا ہے۔ گو حضور کے ساتھ کچھ منافقین لگ گئے تھے۔ جنکو تاریخ پہنچاتی ہے اور نہیں پہنچاتی ہے تو قرآن پہنچا رہا ہے "اذا



جانک المنافتون ان کا تذکرہ چھوڑ دو۔ ان کی بات نہ کرو۔ ورنہ حضور کی بدنامی ہو جائے گی کہ یہ کیسے پیغمبر تھے کہ ان کے ساتھ منافقین آکے بیٹھ جاتے تھے۔ میں نے کہا بھائی اگر بدنامی کا راستہ یونہی کھل گیا تو یہ خالی ایک پیغمبر کی بات نہیں ہے۔ خدا سے پوچھو کہ اگر زور و نوح و لوط کا ذکر آگیا تو دنیا کے گی کہ یہ کیسے پیغمبر تھے کہ ان کی زور و نوح اور ہوسر آدم کا ذکر آئے گا تو دنیا کے گی کہ یہ کیسے پیغمبر تھے جن کا پینا لسا ہو گیا۔ جب کعبہ میں بتوں کے قبضہ کا ذکر آئے گا تو دنیا کے گی یہ کیسا اللہ کا گھر ہے جس میں بت آکے بیٹھ گئے۔ جب آسمان پر ملائکہ کا ذکر آئے گا تو دنیا کے گی کہ یہ کیسے معصوم فرشتے تھے کہ ابلیس ان کے ساتھ آکے بیٹھ گیا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابلیس کو پاکیزہ کردار کہو کہ ملک بدنام نہ ہونے پائے۔ بتوں کو خدا کہدو تاکہ کعبہ بدنام نہ ہونے پائے۔ بد کرداروں کو نیک کردار کہدو تاکہ نیک کردار بدنام نہ ہونے پائیں۔ یہ تو ایک اٹھائی بچکانہ مطالبہ ہے۔ طفلانہ فکری ہے جسکی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لیکن پروردگار عالم نے یہ چاہا کہ انسانیت کو ہوشیار کر دیا جائے اور انسان کو بتا دیا جائے کہ جس کردار کو دیکھنا ہو اسکا اپنا کردار دیکھو اس کے اپنے اعمال دیکھو۔ اسکا اپنا ایمان دیکھو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نسبی شرافت ایک شرافت ہے مگر اس کے بجائے کی ذمہ داری خود صاحب نسب پر ہے۔ سببی شرافت بھی ایک شرافت ہے۔ کسی بڑے شوہر کی زور ہونا کوئی معمولی کام نہیں ہے یا کسی بڑی زور کا شوہر ہونا یہ بھی کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ کتنے شوہر اپنی زور سے پہچانے جاتے ہیں اور کتنی زور اپنے شوہر سے پہچانی جاتی ہیں۔ یہ اپنا اپنا مقدر ہے۔ یہ بھی ایک شرف ہے انسان کا مگر اس شرف کا پچانا اس شوہر کی اپنی ذمہ داری ہے۔ اس شرف کا پچانا اس زور کی اپنی ذمہ داری ہے۔ یہ

ہماری ذمہ داری نہیں ہے کہ ہر اچھی زور کے شوہر کو نیک کردار بنائیں یا ہر اچھے شوہر کی زور کو پاکیزہ کردار بنائیں۔ یہ اس شوہر یا زور کی ذمہ داری ہے کہ اگر بن جائے گا تو ہم اس کے نیک کردار کا اعلان کر دیں گے اور نہیں بنے گا تو ہم اعلان نہ بھی کریں تو ہمارے نہ کہنے سے وہ پاکیزہ کردار نہیں ہو جائے گا۔ ہر دور میں دونوں طرح کے کردار رہے ہیں انبیاء کے ساتھ، اولیاء کے ساتھ، مرسلین کے ساتھ، خاصان خدا کے ساتھ، ہر جگہ دو طرح کے کردار رہے ہیں اور قرآن مجید نے دونوں طرح کے کرداروں کا ذکر کیا ہے۔ میں ساری تفصیلات نہیں گزارش کروں گا۔ اسی لیے میں نے یہ تمہید عرض کی ہے تاکہ اس نکتہ کو روز اول آپ ذہن میں رکھیں کہ ہر اچھے انسان کے ساتھ، ہر بڑے انسان کے ساتھ، نبی کے ساتھ، ہر ولی کے ساتھ، کذک جعلنا لکل نبی عدوا ہر نبی کے ساتھ دشمن لگے ہوتے ہیں۔ شیاطین جن، شیاطین انس، ہر طرح کے لوگ۔ تو ہر اچھے انسان کے ساتھ دونوں طرح کے لوگ پائے گئے اور قرآن مجید نے بار بار دونوں طرح کے انسانوں کا ذکر کیا تاکہ انسان ہوشیار رہے اور اسے معلوم رہے کہ آدم بہترین تھے مگر ان کا ایک بیٹا نالائق تھا۔ نوح بہترین تھے مگر ان کا بیٹا اور ان کی زور نالائق تھی اور آگے جہاں تک آپ چلے جائیں گے تذکرے آپ کو دونوں طرح کے ملیں گے۔ میں ساری تاریخ اگر قرآن کی سناؤں گا تو شاید دس بیس دن بھی کم پڑ جائیں گے۔ ایک گھنڈ کی ایک تقریر میں تو یہ مسائل حل بھی نہیں ہو سکتے ہیں۔ لیکن اب ان دونوں تذکروں کے ساتھ میں جلدی جلدی آپ کو دوچار مواقع سنا دینا چاہتا ہوں جو قرآن مجید میں ہیں تاکہ نہ تاریخ کا جھگڑا رہے۔ نہ حدیث کا۔ حدیث میں ایک پریشانی یہ ہے کہ ضعیف ہے یا قوی۔ معتبر ہے یا غیر معتبر۔ تاریخ میں جھگڑا ہے کہ ان کی لکھی ہوئی ہے یا ان کی لکھی ہوئی ہے۔ قرآن تو اللہ ہی کا لکھا ہوا ہے جسکو



ماننا ہو مانے نہ ماننا ہو نہ مانے۔ اللہ کی کتاب ہے۔ اس میں نہ کوئی آیت ان کی لکھی ہوئی ہے نہ کوئی آیت ان کی لکھی ہوئی ہے۔ قرآن مجید کا تقدس یہ ہے کہ اس میں ایک کلمہ کا نہ اضافہ ہوا ہے اور نہ ایک کلمہ کی کمی ہوئی ہے اور نہ ہو سکتا ہے "انار لِحافطون" اگر یہ دو دو پیسے کے انسان۔ اگر یہ معمولی انسان، یہ جاہل انسان، اگر یہ حافظ قرآن ہوتے واقعا سب بدل گیا ہوتا لیکن خدا نے کہا یہ تو حافظ قرآن بن جاتے ہیں "انار لِحافطون" اس کے واقعی حافظ تو ہم ہیں۔ اس کے واقعی حفاظت کرنے والے ہم ہیں۔ یہ حفظ کر کے حافظ بنتے ہیں ہم حفاظت کر کے حافظ ہیں۔ لہذا قرآن کے حافظ حقیقی ہم ہیں۔ بچانے والے ہم ہیں۔ نہ اس میں کوئی اضافہ ہو سکتا ہے نہ کمی ہو سکتی ہے۔

اگر کہیں تم سنو۔ اگر کہیں یہ باتیں تمہارے سامنے آئیں چاہے تاریخ میں ہوں چاہے حدیث میں ہوں۔ چاہے صحیح کتاب میں ہوں چاہے غلط کتاب میں ہوں جہاں ایسی کوئی بات آئے سمجھو جھوٹ ہے۔ اگر کتاب صحیح بھی ہے تو بات غلط ہے۔ جہاں قرآن مجید میں کمی یا زیادتی کی بات کی جائے وہ یقیناً غلط ہے۔ یقیناً ہمہل ہے۔ اسلام میں کوئی گنجائش اس بات کی نہیں ہے کہ قرآن مجید میں ایک لفظ کے اضافہ کا عقیدہ پیدا کیا جائے یا ایک لفظ کی کمی کا عقیدہ پیدا کیا جائے۔ انسان یہ کام نہیں کر سکتے ہیں۔ جا نور بے چارے کیا کریں گے۔

بعض نادان تو یہاں تک سوچ لیتے ہیں کہ جانوروں نے قرآن کو کم کر دیا ہے۔ استغفر اللہ انسانوں کے بس کا کام نہیں۔ سلاطین کے بس کا کام نہیں ہے۔ حکام کے بس کا کام نہیں ہے۔ جنھوں نے سب کچھ بدل ڈالا وہ بھی قرآن کو نہ بدل سکے۔ جنھوں نے ساری دنیا میں طرح طرح کے انقلابات پیدا کر دئے وہ بھی قرآن مجید میں کوئی تغیر نہیں پیدا کر سکے۔ اس کا حافظ حقیقی اور اس کا حافظ حقیقی پروردگار ہے۔

تو قرآن مجید میں تیز کرے جو موجود ہیں ان کا ایک ہلکا سا خاکہ آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مگر ایک لفظ ہے اگر آپ متوجہ ہو جائیں۔ پڑھئے قرآن مجید تیز کرہ جناب آدم کے ساتھ تو اصحاب کا ذکر آتا بھی نہیں ہے اسلئے کہ ان کے ساتھ کہاں ساتھی، ان کے ساتھ کہاں غلصین یا منافقین، دو بیٹے تھے ایک کا حال وہ اور ایک کا حال یہ۔ آپ جانتے ہی ہیں۔ اس کے بعد اللہ نے جناب شیث جیسا پیدا دیا اور نسل آدم آگے بڑھ گئی۔ لیکن اس کے بعد جو نمایاں تاریخ اور نمایاں تذکرہ قرآن مجید میں ملتا ہے انبیاء میں وہ جناب نوح کا تذکرہ ہے کہ جناب نوح کے ساتھ جو افرات تھے۔ طوفان کو دیکھا۔ پانی اُبل رہا ہے۔ پانی برس رہا ہے۔ قیامت آرہی ہے۔ ایسے حالات میں یہ ایک لکڑی کی کشتی کیا کرے گی۔ اس طوفان سے یہ لکڑی کی کشتی کیا بچائے گی۔ یہ یہی سوچتے رہ گئے۔ اور جتنی دیر میں سوچتے رہے۔ اتنی دیر میں طوفان نے اپنا کام کر دیا۔ لیکن کچھ وہ تھے جنھوں نے لکڑی کی کشتی سہی، چھوٹی سہی، معمولی سہی، مگر اعتبار کیا۔ بنانے والا نبی اور بن رہی ہے حکم خدا سے خود یہ بھی قرآن مجید میں ہے کہ اللہ نے جناب نوح کو وحی بھیجی "ان اصنع الفلک" کشتی بناو کیسے بناو۔ ہمارے اشارہ سے۔ ہماری نگاہوں کے سامنے۔ ہماری نگرانی میں تو بنوانے والا خدا اور بنانے والا نبی۔ یہی راز تھا نجات دلانے کا۔ یہی راز تھا جو کشتی و بخت بن گئی۔ ورنہ جو جہاں تھا سب ڈوب گئے۔ سب ہلاک و برباد ہو گئے۔ مگر جو کشتی میں آگئے وہ نجات پا گئے اور قرآن مجید نے جواب نجات کا اعلان کیا تو یہ ایک لفظ ہے میری طرف سے یاد رکھئے گا۔ میرا لفظ نہیں قرآن کا ہے۔ لیکن جس رخ کی طرف میں متوجہ کرنا چاہتا ہوں اس طرف متوجہ رہیں۔ کتنے ڈوبے۔ مجھے نہیں معلوم۔ کتنے ہلاک ہوئے۔ مجھے نہیں معلوم۔ یہ معلوم ہے کہ جو بچے ہیں وہ اقلیت میں تھے۔ یہ طے ہے جو بچ گئے ہیں وہ اقلیت میں تھے جو ڈوبے ہیں وہ اکثریت میں تھے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں



ہو سکتا ہے اور طوفانِ نوحِ آبِجک آواز دے رہا ہے کہ اکثریت کے دھوکے میں نہ رہنا۔ اکثریت کے غرور میں نہ رہنا۔ نوح کے ساتھیوں کا حشر دیکھ لیا۔ اب جو آگے وہ بچ گئے مگر جب ان کے بچ جانے کا ذکر قرآن مجید نے کیا تو لفظیں بدل دیں۔ "فانجیناہ" ہم نے نوح کو بچایا۔ اس کے بعد میں منتظر تھا کہ شاید پروردگار "فانجیناہ و اصحابہ" کہے گا کہ ہم نے نوح کو اور اصحابِ نوح کو بچایا مگر اب جو قرآن دیکھا تو لفظیں بدل گئیں یہ نہیں ہے کہ ہم نے نوح کو اور ان کے اصحاب کو بچایا۔ نہیں "فانجیناہ و اصحاب السیفینہ" ہم نے نوح کو نجات دی اور سفینہ کے اصحاب کو بچایا۔ تو سفینہ کسی پیغمبر کا نام تو نہیں ہے۔ سفینہ کسی ولی خدا کا نام تو نہیں ہے۔ سفینہ ایک کشتی ہے۔ تو جو سفینہ پر آگئے تو وہ نوح ہی کے اصحاب تو ہیں۔ پروردگار نے کہا۔ ہیں تو انھیں کے اصحاب۔ لیکن جب نجات کا اعلان کروں گا تو اصحابِ نوح کہہ کر نہیں۔ اصحابِ نبی کہہ کر اعلان نہیں کروں گا۔ اصحابِ سفینہ کہہ کر اعلان کروں گا تاکہ قرآن پڑھنے والے جب نجات تلاش کریں تو پہلے اپنے کو اصحابِ سفینہ بنائیں اس کے بعد نجات تلاش کریں۔ اب میں کہوں گا سرکارِ دو عالم! اگر ہم اصحابِ سفینہ میں شامل ہونا چاہیں تو ہم کیا کریں۔ پیغمبر نے کہا۔ "مثل اہل بیتی کمثل سفینہ نوح" میرے اہل بیت کی مثال سفینہ نوح کی ہے۔ اگر اصحابِ سفینہ بنا چاہتے ہو تو آجاؤ۔ اس کشتی نجات پر سوار ہو جاؤ۔ نجات تمہارے واسطے ہے۔

تو نجات روز اول جنابِ نوح ہی کے اصحاب کیلئے تھی کسی غیر کے اصحاب کیلئے نہیں۔ مگر وہ اصحابِ نوح جنکو قرآن نے اصحابِ سفینہ بنا دیا ہے تو جب نجات دینے کا اعلان کرنا ہوا تو جب تک اصحابِ نبی کو اصحابِ سفینہ نہ بنا دیا اس وقت تک نجات کا اعلان نہیں کیا۔ ہم آج اسی اعلان کو دہرا رہے ہیں اور جو قرآن مجید نے کہا ہے وہی کہہ رہے ہیں۔ جو قرآن نے سکھایا ہے وہی ہم نے سیکھ لیا ہے۔ اب کسی نے قرآن

سے ہٹ کے کوئی طریقہ تو ریت یا انجیل سے سیکھا ہو تو ہمیں نہیں معلوم ہے۔ قرآنی طریقہ یہی ہے کہ جب نجات کا اعلان ہوتا ہے تو اصحابِ سفینہ کہہ کر اعلان ہوتا ہے تاکہ اندازہ ہو جائے کہ اچھے بھی تھے۔ بُرے بھی تھے مگر جو اصحاب میں اصحابِ سفینہ نہ بن سکے وہ غرق ہو گئے اور جو سفینہ والے بن گئے وہ نجات پا گئے۔

دوسرا ذکر قرآن مجید نے کیا جنابِ موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کا۔ جب جنابِ موسیٰ بنی اسرائیل کو لیکر چلے۔ شہرِ فرعون سے بچانے کیلئے اور فرعون نے تعاقب کیا۔ اب آگے آگے موسیٰ اپنے ساتھیوں کے ساتھ۔ چھپے چھپے فرعون اپنے لشکر کے ساتھ۔ چلتے چلتے وہ جگہ آگئی جہاں سامنے دریا دکھائی دیا۔ اب اصحابِ موسیٰ کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ آگے دریا چھپے فرعون اب جائیں کہاں۔ ہر پتھرے فوجی کے واسطے یہی پریشانی ہوتی ہے کہ میدان جنگ میں جانے کے بعد آگے بڑھے تو ادھر والے ماریں گے اور چھپے ہوئے تو ادھر والے۔ یہ بھی ایک قانون ہے کہ فوجی کو بھاگنے کا اختیار نہیں ہے اگر کوئی فوجی محاذ جنگ پر جانے کے بعد بھاگنے کا ارادہ کرے تو جو کمانڈر یا ذمہ دار ہوتا ہے وہ اسکی اجازت نہیں دیتا ہے کہ آپ جانا چاہتے ہیں تو تشریف لے جائیے۔ ابجک ہم نے جو آپ کو حرام کی روٹی کھلائی ہے جائیے معاف کر دیں گے۔ ایسا کوئی قانون نہیں ہے۔ اگر آپ بچ کر بھاگنا چاہیں گے تو جو آپ ہی والے ہیں وہی آپ کو زندہ نہیں جانے دیں گے۔ اسلئے کہ ہم میدان تک لے آئے ہیں ملک کو بچانے کیلئے۔ ملک کیلئے قربانی دینے کے واسطے۔ آگے بڑھو۔ چاہے مارے جاؤ ہم بھاگنے نہیں دیں گے۔ آج ساری دنیا کا قانون یہی ہے۔ آج کوئی حق نمک کو فراموش کرنے کیلئے تیار نہیں ہے کہ جب تک کھانے کا وقت آئے اطمینان سے کھاتے رہو اور جب میدان میں لڑنے کا وقت آئے تو جب چاہے چھوڑ کر چلے جاؤ۔ آج دنیا میں کہیں کسی ڈفنس منسٹری



میں اتنی گنجائش نہیں پائی جاتی ہے لہذا انسان آئے میدان جماد میں تو جماد کرے۔

اب جو اصحاب موٹی پٹے تو ان کے لیے ایک پریشانی پیدا ہو گئی کہ پیچھے نہیں تو لشکر فرعون آرہا ہے آگے جائیں تو گویا کہ ان کے خیال میں ڈوب مریں۔ اب کیا کریں۔ لہذا گھبرا گئے۔ اب قرآن مجید نے ہمیں پر اس لفظ کو دوہرایا ہے۔ گھبرا کے اصحاب موٹی نے موٹی سے کہا۔ "موٹی! اتنا مدمر کون ہم تو پکڑ جائیں گے۔ اب تو ہم فرعونوں کی گرفت میں آگئے۔ اسلئے کہ آگے جانے کا راستہ نہیں ہے اور پیچھے جائیں کہاں۔ فرعون آرہا ہے۔ ہم پکڑ جائیں گے یعنی ساری پریشانی یہ ہے کہ دشمن کے قبضہ میں آجائیں گے۔ دشمن کے محاصرہ میں آجائیں گے۔ دشمن کے گھیرے میں آجائیں گے۔ تو آجاؤ گے تو آجاؤ مار ہی تو ڈالے گا۔ اسمان تو نہیں چھین لے گا۔ صحابیت تو نہیں چھین لے جائے گا۔ کردار تو نہیں چھین لے جائے گا۔ ارے جان ہی تو لے جائے گا جانے دو جان کو۔ ایک دن اسکو جانا ہے ہی۔ آج نہیں تو کل مر جاؤ گے۔ غنیمت جانو کہ اسمان کی راہ میں مرو گے۔ کردار کی راہ میں مرو گے۔ صحابیت کی راہ میں مرو گے مر جانے میں کیا پریشانی ہے۔ مگر گھبرا کے کہا۔ موٹی! اب بچانے کی کوئی تدبیر کرو یعنی آئے ہیں موٹی کے ساتھ مگر فکر فقط اپنی جان کی ہے۔ جناب موٹی نے نیل میں راستے بنا دیئے حکم پروردگار سے۔ اور بچ کے نکل گئے۔ خوش ہیں الحمد للہ۔ جان بچ گئی۔ غور کیا آپ نے یہ خوشی ہے کا ہے کی۔ کہ جان بچ گئی۔ یعنی یہ پرانے دور سے پلا آرہا ہے کہ کسی کے ساتھ بھی رہو مگر غالی اپنی جان کی رکھو۔

تو "قال اصحاب موٹی" اصحاب موٹی نے کیا کہا "اتنا مدمر کون" اب تو ہم گرفت میں آگئے۔ گھیرے میں آگئے۔ پکڑ جائیں گے۔ ظالم تو ہونچ ہی رہے ہیں۔

بس ہمیں لے لیں گے۔ اب کیا کریں گے؟ موٹی نے بچانے کا ایک راستہ بنا دیا۔ وہ بھی عجیب راستہ بنایا۔ دریا میں راستہ بنایا۔ اور بارہ راستے بنائے تو آپ جانتے ہی ہیں کہ یہی بچنے کا راستہ ہے کہ اس میں کچھ کمی بیشی نہیں ہو سکتی ہے۔ بہر حال تھوڑی دیر کیلئے سہی۔ لوگ بچ کر نکل گئے۔ اب اس کے بعد جو بھی ان کا حشر ہوگا خدا بہتر جانتا ہے۔ خوف، پہچان ہے اصحاب موٹی کی یعنی کچھ افراد کی جن کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے۔ خوف کے اعتبار سے۔

اب آئیے ذرا حرص، لالچ اور طمع کو دیکھیں کہ قارون نے اپنا جلوس نکالا اب جو چلا ستر اونٹوں پر جس کے خزانوں کی کنجیاں لادی جاتی ہوں کس شان سے، کس جاہ و جلال سے جلوس نکلا۔ ادھر قارون اپنا جلوس لیکر جا رہا تھا اپنی دولت، اپنی ثروت، اپنے مال، اپنے جاہ کا مظاہرہ کرنے کیلئے۔ ادھر نبی خدا حضرت موٹی بن عمران کے اصحاب کرام نے دیکھا "یا لیت لنا مثل ما اوتی قارون انه لذو حظ عظیم" اے کاش یہی مال ہمکو مل جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔ ارے دیکھو کتنا نصیب والا ہے۔

ڈوب مرو۔ تم صحابی وہ پیسہ والا۔ وہ تم کو نصیب والا دکھائی دے رہا ہے۔ یعنی بجائے اس کے کہ قارون کے لشکر والے کہتے ہائے کیا مقدر ہمارا ہے۔ ہماری قسمت میں غالی پیسے لکھے ہوئے تھے۔ یہ موٹی کے صحابی بن گئے۔ اے قارون نالائق کمبخت تیرے ساتھ آنے کے بعد ہمکو کیا ملا۔ یہ مال دنیا جو کل فنا ہو جائے گا۔ یہ موٹی کے صحابی ہو گئے ہیں۔ صحابیت تو نجات دلاتی ہے۔

بجائے اس کے کہ قارون والے کہتے کہ مقدر ان کا ہے کہ جنکو شرف صحابیت مل گیا ہے۔ ہماری قسمت میں تو غالی مال تھا ادھر سے کوئی آواز نہیں آئی۔ آواز اس پارٹی سے آرہی ہے۔ اس جماعت سے کاش ہمکو وہ مال مل جاتا۔ اور کیا سندی



ہے لشکر قارون کو اصحاب موسیٰ نے "اَزْ لَدُو حِطِّ عَظِيمٍ" بڑے نصیب والا ہے۔ یہ حضرات جو جناب موسیٰ کے ساتھ ہیں۔ ان کو بڑا نصیب کہاں دکھائی دیا؟ مال دنیا میں۔ اب آپ نے پہچان لیا ان ساتھیوں کو۔ ان کو وہی بڑا دکھائی دیتا ہے جو مالدار ہو۔ اردو زبان میں۔ عربی زبان میں اسی کو غنی کہا جاتا ہے۔

یہ دولت و طمع حرص کے اعتبار سے عالم ہے اور طاقت کے اعتبار سے وہ عالم ہے۔ پیسہ سامنے آجائے تو یہ قارون بننے کے واسطے بھی بے مین ہو جائیں۔

اب میں یہیں پر ایک لفظ کہوں گا جو برابر آپ سنتے رہتے ہیں صرف ایک اشارہ ہے اسے آپ پہچان لیں گے۔ جناب موسیٰ جب کوہ طور پر گئے تو جناب موسیٰ نے اپنی جگہ پر جناب ہارون کو چھوڑا اور چلے گئے۔ کیوں چلے گئے؟ قوم کے درمیان ہارون کو ذمہ دار بنا کے گئے یعنی گویا موسیٰ یہ چاہتے ہیں کہ جو میری قوم ہے جو میرے اصحاب ہیں۔ میں کہیں بھی رہوں یہ قوم میں رہیں۔ اپنے گھر میں رہیں اور ہارون بن کے رہیں اسی لیے تو ہارون کے حوالے کر کے گئے تھے۔ ہارون کو ذمہ دار بنا کے گئے تھے تو موسیٰ یہ چاہتے تھے کہ ہمارے اصحاب اور ہماری قوم ہارون بن کے رہے۔ اصحاب کی آرزو کیا ہے کہ جنیں تو ہارون بن کے جنیں۔ غور کیا آپ نے اسی لیے قرآن مجید نے تنقید ضروری سمجھی اور اس تذکرہ کو بیان کرنا اور محفوظ رکھنا ضروری سمجھا تا کہ دنیا کو اندازہ ہو جائے کہ نیک کردار اور اچھے لوگ اور بڑی صحبتوں میں رہنے والے قارون ہونے کو پسند نہیں کرتے ہیں ہارون ہونے کو پسند کرتے ہیں۔

تو اے سرکارِ دو عالم اب ہمکو تو معلوم ہو گیا کہ جو صنایع قریش کے ساتھ چلے جائیں گے جو مکہ کے دولت مندوں کے ساتھ چلے جائیں گے وہ تو قارون ہو جائیں گے۔ آپ نے کوئی ہارون بنانے کا بھی انتظام کیا ہے تو غنیمتِ بڑی آواز

دیں گے۔ ہاں ہاں۔ میں انتظام کر کے جا رہا ہوں۔ یا علی انت منی بمنزلة ہارون من موسیٰ۔ اے علی تم میرے لیے ویسے ہی ہو جیسے موسیٰ کیلئے ہارون تھے۔ اب جسے جسے ہارون بنانا ہے وہ علی والا بن جائے۔

یہ تیسرا تذکرہ۔ چوتھا تذکرہ۔ بس جلدی جلدی دوہی لفظیں اور گزارش کرنا ہیں ورنہ زند کرے تو بہت ہیں۔

قوم کو ظالموں نے اپنے ظلم سے پریشان کیا اور قوم نے وقت کے نبی سے آکر کہا آپ پروردگار سے دعا کریں کہ پروردگار کوئی سردار لشکر ہمارے لیے فراہم کر دے اور ہم اس کے ساتھ جا کر اس ظالم سے جنگ کریں اسلئے کہ یہ ظالم ہمکو جینے نہیں دے گا۔ ہمکو رہنے نہیں دے گا۔ نبی خدا نے کہا گھبراؤ نہیں۔ ان اللہ بعث اللہ نے تمہارے واسطے طالوت کو بادشاہ بنا کے سردار بنا کے بھیج دیا ہے۔ اب جاؤ طالوت کے ساتھ ملکر جنگ کرو۔ ان کے ساتھ جنگ کرو گے تو خدا تمہیں فتح دے گا اور اس ظالم کے شر سے نجات پا جاؤ گے۔

لوگوں نے سوال اٹھا دیا کہ یہ طالوت کو بنا کے خدا نے بھیج دیا؟ انی یكون له المملک علینا؟ یہ کیسے سردار ہو جائیں گے یہ کیسے ماکم ہو جائیں گے؟ ولم یوت سحر من الممال ان کے پاس تو مال نہیں ہے۔

وہی مال۔ ان کے پاس تو مال نہیں ہے۔ نبی خدا نے سمجھایا ارے مال کی کیا بات ہے؟ ان اللہ اصطفاہ علیکم اللہ نے چنا ہے۔ عجیب بات ہے کہ نبی سمجھا رہا ہے کہ شرف یہ ہے کہ اللہ نے چنا ہے۔ قوم یہ سوچ رہی ہے کہ شرف یہ ہے کہ پیسے والا ہو۔ پیسے والا ہے تو سب کچھ ہے۔ چاہے کسی نے چنا ہو غور کیا آپ نے۔ اور اگر پیسے والا نہیں ہے تو اللہ کے چننے کا بھی اعتبار نہیں ہے۔ یہ مال قوم کا ہے۔ نبی نے سمجھایا اگر مال نہیں ہے تو گھبرانے کی بات نہیں ہے "زادہ بسطہ فی العلم"



والجسم اللہ نے جسم کی طاقت بھی دی ہے اور علم کی وسعت بھی دی ہے۔ اب کیا کمی ہے۔ بالآخر وہ وقت آ گیا جب کسی قیمت پر کچھ افراد تیار بھی ہو گئے جہاد کرنے کے واسطے اور جناب طاوت اس لشکر کو لیکر چلے "فلما فصل طاوت بالجند طاوت لشکر کو لیکر چلے۔ جب لیکر چلے تو وہی صورت حال جو بعزیر موسیٰ کی تھی جب موسیٰ ساتھیوں کو لیکر چلے تو آگے دریا آ گیا۔ ادھر جب طاوت ساتھیوں کو لیکر چلے تو سامنے دریا آ گیا۔ اب ظاہر ہے کہ چلتے چلتے، گرمی کا زمانہ شاید رہا ہو گا لوگ پیاس سے بے دم۔ اب پہنچے دریا کے کنارے۔ ظاہر ہے کہ یہ وہ وقت ہوتا ہے جہاں آدمی پانی پر نوٹ پڑے۔ اسلئے کہ پیاس سے آدمی کو پانی مل جائے تو اور کیا چاہئے۔ جیسے ہی پانی کے قریب پہنچے ویسے ہی جناب طاوت نے آواز دی "ان اللہ بئیکم بنہر" ساتھیو ذرا ہوشیار رہنا۔ یہ دریا پانی کا دریا نہیں ہے۔ یہ امتحانی دریا ہے۔ یہ آزمائش کا دریا ہے۔ یہاں تمہارا امتحان ہونے والا ہے۔ "فمن شرب من فلیس منی" اگر کسی نے پانی پی لیا تو پھر اسکا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے کتنا عظیم امتحان ہے اگر پانی پی لیا تو "فلیس منی" مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ "ومن لم یطعم" اور جو نہ پئے گا وہی میرا ہو گا "الامن اغترف غرقتہ یدہ" ہاں ایک چلو پانی کوئی لے لے تو کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ لیکن اگر پانی پی لیا تو مجھ سے نہیں ہو گا یہ امتحانی دریا ہے۔ یہ آزمائش کی منزل ہے۔ اب قرآن مجید نے پھر ساتھیوں کا ذکر کیا کہ اتنی وضاحت کے بعد جو ہو گئے تو مجھ سے رشتہ نوٹ جانے گا اللہ والوں سے رابطہ ختم ہو جائے گا۔ نہیں ہوں گے تو میرے کلمے جاؤ گے مگر اس کے بعد بھی "فشریوا" سب نے پانی پی لیا یعنی بھائیو پانی پی لو نبی والے رہیں چاہے نہ رہیں۔ اپنا پیٹ بھر لو۔ چاہے اللہ والے رہیں چاہے نہ رہیں۔ بتائیے جب اتنے نالائق افراد ہوں تو ان کا ذکر قرآن کیسے محفوظ نہ کرے اسلئے کہ اگر یہ تذکرے محفوظ نہ ہوں گے تو نیک کردار کیسے پہچانے جائیں گے۔

یہ ایک تذکرہ۔ بس بات آخری مرحلہ پر لے آیا یہ تو پرانے تذکرے ہیں جو قرآن مجید نے محفوظ کئے ہیں۔

آیت مذکورہ جو خود قرآنی دور کا ذکر ہے "اذ تصعدون ولا تلون علی احد" اسے نبی والوں تم بھی ذرا اپنے کو پہچان لو۔ جب تم بلند یوں پر پہاڑ کی طرف جا رہے تھے اور مڑ کر بھی کسی کو دیکھتے نہیں تھے "والرسل یدعونکم فی اخرکم" اور پیغمبر بھی آواز دے رہا تھا۔ ارے آؤ، آؤ پلٹ آؤ، چلے آؤ اور کوئی مڑ کر دیکھنے کیلئے تیار نہیں تھا۔ تو اصحاب نوح کا حال دیکھا آپ نے۔ اصحاب ابراہیم کی کیفیت دیکھی اصحاب موسیٰ کا ذکر قرآن نے بیان کیا۔ اصحاب طاوت کا ذکر بیان کیا۔

جہاں سے یہ لفظ انصار چلا ہے۔ قرآن میں۔ جب جناب عیسیٰ منزل تبلیغ میں آئے تو جناب عیسیٰ نے کہا یہ اکیلے تنہا ایک آدمی کے بس کا کام نہیں ہے۔ اس کے لیے اعوان و انصار و مددگار چاہئیں۔ تو جناب عیسیٰ نے آواز دی "من انصاری لی اللہ" اللہ کی راہ میں کون میرا مددگار بنے گا۔ کون میرا ساتھ دے گا "قال الحواریون نحن انصار اللہ" تو حواریین نے جو جناب عیسیٰ کے ساتھ تھے۔ ان حواریوں نے کہا "نحن انصار اللہ" ہم اللہ کے انصار ہیں۔ یعنی آپ کے انصار ہونا تو بہت چھوٹی بات ہے اللہ کے مددگار، انصار اللہ۔ دین خدا مقصد الہی کے ہم مددگار ہیں۔ اس کے بعد تو حواریین نے کیا کیا۔ میں نہ کہوں گا وہ آپ پڑھیں گے۔ تفاسیر احادیث اور تواریح نہیں۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ یعنی اب تک لفظ اصحاب استعمال ہوتا تھا۔ اصحاب موسیٰ، اصحاب انبیاء، لیکن جناب عیسیٰ کا دور آیا تو اصحاب عیسیٰ نے اپنا نام بدل لیا۔ انصار۔ اسلئے کہ عیسیٰ نے یہ نہیں کہا کہ میرے اصحاب کہاں ہیں۔ جناب عیسیٰ نے کہا "من انصاری لی اللہ" اللہ کی راہ میں ہمارے انصار کون بنیں گے۔ تو حواریین نے کہا "نحن انصار اللہ" ہم ہیں انصار۔ تو اب تک اصحاب کا ذکر پڑھ رہے تھے قرآن میں۔ اب انصار کا لفظ آیا تو اسکا حال بھی دیکھ لیا۔ حواریین نے



اپنے کو انصار قرار دیا۔

میں نہیں کہتا کہ عیسیٰ کے مصائب میں حواریین کا کتنا ہاتھ تھا۔ اتنا جانتا ہوں کہ عیسائیوں کے عقیدے کی بنیاد پر عیسیٰ سولی پر چڑھ گئے۔ انصار تماشا دیکھتے رہے۔ نہیں اگر میری بات ضایع ہو گئی تو اتنی دیر کر ریاضت کا کوئی ماحصل نہ ہوگا۔

عیسائیوں کے عقیدہ میں جناب عیسیٰ زندہ ہیں یا سولی پر گئے؟

یقیناً سولی پر گئے ہیں۔ اسی لیے قرآن نے تردید کی ہے "ما قلوہ وما صلبوہ" جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ غلط کہتے ہیں۔ نہ قتل کیا ہے ان کو، نہ سولی پر لٹکایا ہے۔ لیکن عیسائیوں کا عقیدہ یہی ہے کہ انھیں سولی پر لٹکا دیا گیا تو جب یہ سولی پر لٹکائے جا رہے تھے تو یہ حضرات انصار کہاں تھے؟ یہ خالی اصحاب نہیں ہیں۔ اگر خالی اصحاب ہوتے تو کہتے ہم فقط ساتھی ہیں۔ اصحاب کو تو یہ کہنے کا حق تھا کہ ہم فقط ساتھی ہیں۔ ساتھ تھے۔ اب آپ ہی جا رہے ہیں تو ہم بھی جا رہے ہیں۔ جو احد میں ہوا جب شیطان نے کہا۔ وہ گئے "قد قتل محمد"۔ وہ گئے۔ لوگوں نے سوچا کہ ہم تو ساتھی تھے۔ وہ اُدھر گئے ہم ادھر۔ حساب برابر ہے جب وہ گئے تو کس کے ساتھ؟ لیکن جو انصار ہیں۔ انصار یعنی ساتھ دینے والے، نصرت کرنے والے، مدد کرنے والے تو انھوں نے تو اپنے کو انصار قرار دیا ہے تو جب ان کو سولی پر چڑھایا جا رہا تھا تو یہ انصار کہاں تھے؟ یہ کیا کر رہے تھے؟

غور کیا آپ نے۔ تو ہم نے تاریخ اصحاب بھی قرآن میں دیکھی اور تاریخ انصار بھی دیکھی ہے۔ اب پانچ لفظوں میں سب سمیٹ دیتا ہوں۔ متوجہ رہیں گے آپ۔ اس کے بعد جب آپ قرآن مجید پڑھیں گے تو آپ کو میری ان ریاضتوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوگا۔ سارے تذکروں کو سمیٹ دینا چاہتا ہوں۔

پہچانے جو کردار اصحاب قرآن اب تک بیان کر رہا تھا اسکی ایک پہچان یہ ہے

کہ لشکر دشمن اگر سامنے آجائے تو لڑ جائیں گے۔ ہائے ہم تو پکڑے گئے۔

یہ ایک تذکرہ ہے۔ دوسرا تذکرہ۔ جب مال دینا آجائے تو مال لٹانا کیسا حسرت مال پیدا ہو جائے۔ تیسرا تذکرہ جب پانی سامنے آجائے تو چھٹا کیسا، دریا پر ٹوٹ پڑیں۔

چوتھا تذکرہ نبی میدان میں رہ جائے وہ پہاڑ پر چلے جائیں۔

پانچواں تذکرہ کہ نبی کو سولی پر لٹکا دیا گیا اور انصار تماشا دیکھتے رہ گئے۔

جب قرآن میں اصحاب و انصار کی اس تاریخ کو پڑھا یا تب اس جملے کے معنی سمجھ میں آئے۔ "خدا کی قسم جیسے اصحاب مجھے ملے ویسے اصحاب کسی کو نہ ملے" یہ نہ لشکروں سے ڈرنے والے، نہ مال دینا پر مرنے والے، نہ دریا دیکھ کے پانی پینے والے، نہ مصیبتوں میں چھوڑ دینے والے اور نہ میدان میں اکیلے کھنے والے۔

لیکن عزیزو! بس میں نے بات کو یہیں پر تمام کر دیا۔ اب مزید کوئی تذکرہ کروں گا تو وقت کو طول ہو جائے گا ورنہ باتیں بہت ہیں جو شاید آئندہ میں گزارش کر سکوں۔

ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ یہ آپ نے دیکھا کہ وہ موٹی کے اصحاب تھے جو دولت قارون کو دیکھ کر حسرت مال پیدا کر رہے تھے۔ یہ حسینؑ کے اصحاب تھے کہ جو کچھ گھر میں ہے سب لٹا دیا جائے۔

وہ موٹی کے ساتھ والے تھے جنکو یہ پریشانی تھی کہ لشکر فرعون آجائے گا تو کیا ہوگا۔ یہ حسینؑ کے ساتھی ہیں کہ لشکروں پر لشکر آرہے ہیں فوجوں پر فوجیں آرہی ہیں دشمنوں کے ساتھ دشمن چلے آرہے ہیں۔ مگر کسی کو نہ خوف ہے نہ دہشت ہے، نہ ہراس ہے۔ کوئی مڑ کے دیکھتا بھی نہیں ہے کہ کون آرہا ہے اور ان کی حقیقت کیا ہے ایک ایک اکیلا اپنے کو سارے لشکر سے مقابلہ کرنے کیلئے



کافی سمجھتا ہے۔

یہاں عالم یہ ہے کہ دریا سامنے ہے مگر زدر یا پر قبضہ کرنا ہے زدر یا سے پانی لینا ہے۔ نہ کوئی پرواہ ہے۔ کتنی ہی تشنگی کیوں نہ ہو کتنی ہی پیاس کیوں نہ ہو۔ اگر آج ہمارا امتحان پیاس ہی سے ہونے والا ہے تو اس امتحان محبت میں بھی کامیاب ہی رہیں گے اور جب تک زندہ رہ جائیں گے مولہ پر آغ نہ آنے پائے گی۔ مگر عزیزو! بس ایک لفظ کہنا ہے ان تمام تذکروں سے اس پورے کردار سے ہمیں سبق لینا ہے اسلئے کہ وہ بھی حسین والے تھے ہم بھی حسین والے ہیں۔ یہ اور بات ہے ہم وہ حسین والے ہیں جو حسین پر قربان ہو جائیں وہ وہ حسین والے تھے جن پر دنیا قربان ہو جائے۔

بڑا سخت مرحلہ ہوتا ہے کسی کی راہ میں جان قربان کر دینا یہ آسان کام نہیں ہے۔ اگر انسان سمجھتا ہے کہ اصحاب حسینؑ نے کیا کارنامہ انجام دیا ہے اور کیسے قربانی کیلئے تیار ہو گئے ہیں۔

ہمارے سامنے تو اگر چار پیسے کا ذکر آجائے تو بعض لوگ پریشان ہو جاتے ہیں۔ سب کچھ کر سکتے ہیں مگر پیسہ خرچ کرنا ذرا مشکل کام ہوتا ہے۔ اسکی راہ میں خرچ کرنا مشکل ہوتا ہے جس سے لیتے ہیں۔

سن ہی رہے ہیں آپ روزانہ کہ یہ فرش عزا آپ ہی کے تعاون سے بچھا ہے۔ آپ ہی کے تعاون سے سمجھتا ہے۔

ظاہر ہے یہ بار بار کس کو بتانا ہے۔ کون نہیں جانتا ہے مگر یہ تذکرہ اسلئے دوہرایا جاتا ہے کہ بہر حال ہر آدمی جانتا ہے کہ باتیں جو ضروری اور اہم ہوتی ہیں ان کو اگر بار بار نہ دوہرایا جائے تو کام بنتا نہیں ہے۔ یہی کام میں بھی دس سال سے کر رہا ہوں کہ جب باتوں کو ضروری سمجھتا ہوں۔ ان کو برابر ہر سال

دوہراتا رہتا ہوں۔ اسلئے کہ بغیر تکرار کے کام بننے والا نہیں ہے۔ خدا جانے کون سا جملہ کس کس پر اثر کر جائے اور کون انسان ہے جو اس راہ پر آجائے جو راہ حسینؑ بن علیؑ ہے۔ تو عزیزان محترم! آپ کو خود اپنی عاقبت بنانا ہے۔ مجھے کیا کہنا ہے آپ سے۔ حسینؑ تو دونوں کے ہیں۔ میرے جیسے ویسے آپ کے۔ ہر آدمی کو اس امر کا احساس ہے اور ہونا چاہئے کہ آج ہمارے سامنے ادنیٰ مال کی قربانی ہے تو اس کے لیے تیار ہیں۔ کل اگر جان کی قربانی کا وقت آجائے گا تو جان بھی قربان کر دیں گے۔ کہیں سے تو قربانی کا مظاہرہ ہونا چاہئے کہیں سے تو جذبہ قربانی کا اظہار ہونا چاہئے اور ظاہر ہے کہ جب اصحاب کا یہ عالم ہے کہ جب مسلم بن عوسجہ کے سرہانے سے حسینؑ پلٹ کے چلے۔ دیکھا خیمہ گاہ سے ایک بچہ آرہا ہے۔ حبیب ساتھ ہیں۔ فرمایا حبیب ذرا اس بچہ کو روکو۔ حبیب نے بڑھ کر روکا۔ مولا کی خدمت میں لیکر آئے۔ کہا بیٹا کہا جا رہے ہو۔ کہا آقا میدان میں جا رہا ہوں۔ خیر تو ہے بیٹا کیا ارادہ ہے۔ کہا مولا آپ کے قدموں پر یہ سر قربان کرنے جا رہا ہوں۔ کہا بیٹا اپنا تعارف کر او گے۔ کہا مولا آپ تو جانتے ہیں میں مسلم بن عوسجہ کا بیٹا ہوں۔ کہا مگر بیٹا شاید تمہیں یہ نہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے باپ کے سرہانے سے آرہا ہوں۔ تمہارا باپ راہ خدا میں قربان ہو گیا ہے۔ اے لال تمہاری ماں کیلئے تمہارے باپ کا غم بہت کافی ہے۔ اب ماں کے دل کو نیاز ختم کیوں دینا چاہتے ہو۔ بس یہ سننا تھا کہ بچہ تڑپ گیا۔ کہا مولا آپ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ ارے مجھے کس نے سجا یا ہے۔ یہ تنھی سی تلوار کمر سے کس نے لگائی ہے۔ مجھے کس نے تیار کر کے بھیجا ہے۔ میری ماں ہی نے مجھے آمادہ کر کے اور مجھے سجا کر بھیجا ہے۔ ابھی حسینؑ کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ بس پردہ سے آواز آئی۔ مولا ایک بیوہ کا ہدیہ رد نہ کیئے گا۔

کیئے گا۔



اے عزا دارو جب ساتھ آجانے والوں میں تیرہ برس کے بچے کا یہ جذبہ ہے تو جو بھائی کی نشانی ہو جو بھائی کی یادگار ہو۔ جو بنی ہاشم کے گھرانے کا انسان ہو۔ اسکا عالم کیا ہوگا اب تعجب نہ کیجئے گا کہ تیرہ برس کی عمر میں قاسم کے جذبات کیا ہیں؟

ہم نے کر بلا میں تیرہ برس کے انصار و اصحاب میں مددگار دیکھے ہیں تو یہ تو حسینؑ کی یادگار ہے۔ یہ تو حسینؑ کی گود کا پالا ہوا ہے۔ یہ تو عباسؑ علمدار کی گود کا کھلایا ہوا ہے۔ اسکا جذبہ کیا ہوگا اسکا عالم کیا ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ ہم نے جو پرانی تاریخ پڑھی تو اگر موت سامنے آجائے تو لوگ گھبرا گئے کہ لشکر فرعون آ گیا اور کر بلا کی تاریخ پڑھی تو عاشور کی رات، اصحاب کا خیمہ، حسینؑ بن علیؑ کی تقریر، بس یہ زندگی کی آخری رات ہے۔ کل قرمانی کا دن ہے۔ اے میرے ساتھیو، میرے شہسوارو، میرے جاں بازو کل تم سب کو راہ خدا میں قربان ہو جانا ہے۔ حبیبؑ، مسلمؑ، زبیرؑ، بریرؑ، عباسؑ جتنے غلام، جتنے آزاد ہیں سبکو راہ خدا میں قربان ہو جانا ہے اور تم ہی نہیں میرا عباسؑ میرا علیؑ اکبرؑ، میرے عونؑ و محمدؑ۔ بنی ہاشم کے جوان میری گود کے پالے سب قربان ہو جائیں گے۔ قربانیوں کا ذکر کر کے حسینؑ بن علیؑ خاموش ہو گئے۔

ایک کم سن شہزادہ محفل سے اٹھا اور خیمہ کے ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ کے زار و قطار رونا شروع کیا۔

بس عزا دارو! آپ متوجہ ہیں میرے بچو اور میرے بزرگو! جو تم تو جانتے ہو کہ تیرہ برس کی عمر کے جذبات کیا ہوتے ہیں اور میرے بزرگو! آپ جانتے ہیں کہ جسکا بیٹا تیرہ برس کا ہوتا ہے اس ماں اس باپ کا جذبہ کیا ہوتا ہے اور خصوصیت کے ساتھ میری بہنیں اس مسئلہ پر غور کریں کہ خدا نکرہ جب کسی خاتون کا

شوہر دنیا میں نہیں رہ جاتا تو اس کے واسطے شوہر کی یادگار، شوہر کی نشانی ہی زندگی کا واحد سہارا بن جاتی ہے اور اگر ایسے بیٹے کے مرنے کا نام آجائے تو ماں کا عالم کیا ہوگا۔

مگر کر بلا میں عجب دنیا دیکھی۔ بچہ خیمہ کے گوشہ میں بیٹھا ہوا زار و قطار رو رہا ہے۔ روتے روتے ایک خیال آیا کہ بابا نے میرے بازو پر ایک تعویذ باندھا تھا اور فرمایا تھا کہ بیٹا جب کوئی سخت وقت آہڑے جب کوئی مشکل کا وقت آجائے تو اس تعویذ کو کھولنا اور اسے دیکھ لینا، ابھی تک تو بچہ سر جھکانے ہوئے رو رہا تھا۔ ہائے میرا مقدر۔ سب کی قسمت میں شرف شہادت ہے۔ سب مولا پر قربان ہو جائیں گے مگر یہ میرا مقدر ہے۔ کم سن تھا تو باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ چچا کا سایہ نصیب ہوا تو یہ خیال تھا کہ جب قربانی کا وقت آئے گا تو چچا پر قربان ہو جاؤں گا مگر کہیں دور دور میرا نام نہ آیا۔ کہیں دور دور میرا تذکرہ نہ آیا۔ مگر جیسے ہی تعویذ کو کھولا دیکھا کہ باپ نے لکھا ہے "بہی قاسم اور ک عمک الحسین" اے بیٹا قاسم اگر تمہارے چچا حسینؑ پر کوئی وقت پڑ جائے۔ تو بیٹا اپنے چچا کی مدد کرنا۔ بیٹا چچا کا خیال رکھنا۔ بس عزیزو! یہ دیکھنا تھا کہ قاسم اٹھے اور دوڑ کے آئے چچا کی خدمت میں۔ اب آنکھوں میں آنسو نہیں ہیں۔ اب لبوں پر تبسم ہے۔ اب دل میں ایک نیا اطمینان ہے۔ آئے چچا کے سامنے۔ کہا بیٹا خیر تو ہے کیسے آئے۔

کہا آقا جب آپ نے محضر شہادت سنایا تھا اور میرا نام نہیں لیا تو میں یہ سوچ رہا تھا کہ میرا کیسا مقدر ہے کہ میری قسمت میں آپ پر قربان ہونا بھی نہیں ہے۔ میں رو رہا تھا کہ بابا کی وصیت یاد آئی۔ اب جو یہ تعویذ میں نے کھولا تو یہ مضمون میں نے دیکھا ہے۔ آپ کی خدمت میں لایا ہوں۔ ذرا آپ بھی ملاحظہ کر لیں۔



حسینؑ نے دیکھا۔ کہا بیٹا تعویذ لیکر آئے ہو یا اپنی موت کا پروانہ لیکر آئے ہو؟ یہ کیا تحریر لیکر آئے ہو۔ اے بیٹا میں نے ذکر نہیں کیا تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ تمہارا نام محضر شہادت میں نہیں ہے۔ اچھا بیٹا تو اب بتائے دیتا ہوں کل وہ قربانی کا دن ہے جب تم کو بھی قربان ہونا ہے اور تمہارے چھوٹے بھیا علیؑ اصغر کو بھی قربان ہونا ہے۔

علیؑ اصغر کا نام سننا تھا کہ شہزادہ ایک مرتبہ تڑپ گیا۔ اے چچا! حل یصلون الی الخیام کیا اشقیاء خیمہ میں گھس آئیں گے۔ حسینؑ نے قاسم کو یہ کہہ کر سمجھا دیا۔ نہیں بیٹا۔ میں اصغر کو اپنے ہاتھوں پر لیکر جاؤں گا۔ مگر جی چاہتا ہے آواز دوں قاسم غصہ کے ہنگام آو۔ اجر کم علی اللہ۔

بس آخری مرحلہ اور تذکرہ تمام ہو رہا ہے۔ رات تمام ہوئی۔ عاشور کی صبح آئی۔ وقت گذرتا رہا۔ اصحاب کی قربانیاں تمام ہوئیں۔ اب جو دل کے ٹکڑوں اور بنی ہاشم کے شیروں کی قربانی کا وقت آیا تو وہ موقع آ گیا جب ماں نے کہا بیٹا جاؤ۔ چچا کی خدمت میں۔ اجازت لو، میدان میں جاؤ اور جا کے قربان ہو جاؤ۔ دیکھو شہزادی بیٹھی ہوئی ہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے بچے قربان ہو جائیں اور تم رہ جاؤ۔ تو میں شہزادی کے سامنے کیسے جاؤں گی۔ میں شہزادی کو کیا منہ دکھاؤں گی۔

قاسم آئے اور مولا کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ہاتھ جوڑے۔ آقا چچا۔ مرنے کی اجازت دیدیجئے۔ اب مجھے میدان میں جانے دیجئے۔ حسینؑ نے سر سے پر تک دیکھا۔ جان برادر، میرے بھیا کی نشانی ارے مجھ سے مرنے کی رضا لینے کیلئے آئے ہو، میرے لال کیسے تمہیں رخصت کر دوں۔ قاسم کا اصرار بڑھتا گیا۔

دو حملے ہیں مقتل میں۔ بس انہی کو سنانا ہے۔ جب تک آپ سوچتے رہیں گے روتے رہیں گے۔ قاسم نے پھر اصرار کیا۔ میں جاٹا ہوں اجازت تو سب کو ملنے والی

ہے مگر جو صورت حال کی نزاکت ہے اسے اہل دل ہی پہچانتے ہیں۔ قاسم کا اصرار بڑھتا گیا۔ حسینؑ خاموش کھڑے رہے ایک مرتبہ قاسم نے ایک نئی تدبیر اختیار کی۔ کربلا کے حالات میں کسی کا یہ طریقہ میں نے نہیں دیکھا سوائے قاسم کے مقتل میں یہ تذکرہ ملتا ہے کہ قاسم نے چچا سے اجازت لینے کیلئے ایک نیاراستہ نکالا۔ جب دیکھا کہ مولا اجازت نہیں دیتے تو پہلے مولا کے ہاتھوں کو پکڑا اور ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ چچا مجھے جانے دیجئے۔

جب حسینؑ خاموش رہے کچھ نہ بولے تو ایک مرتبہ بچے نے اپنا سر قدموں پر رکھ دیا۔ اب سر نہ اٹھاؤں گا جب تک مرنے کی اجازت نہ ملے گی۔ حسینؑ نے قاسم کو کلیجے سے لگایا۔ اتنا رونے کہ ادھر بھتیجا غش میں ہے ادھر چچا غش کے عالم میں ہے۔

ارباب عزائم میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر آپ کے سامنے کوئی آدمی بے ہوش ہو جائے تو ہوش میں لانے کا کیا طریقہ ہوگا۔ مگر ہائے یکسی شہزادی زینب کی۔ ادھر بھائی غش کے عالم میں ادھر بھتیجا غش کے عالم میں ہے۔ شہزادی نے آنسوؤں کا چھڑکاؤ شروع کیا۔ چچا بھتیجے نے آنکھیں کھولیں۔ کہا بھیا اب جانے دو قاسم کو۔ حسینؑ نے قاسم کے سر پر عمامہ باندھا اور عمامہ کے دونوں سرے قاسم کے سینے پر لٹکادئے۔ اگر آپ نے دیکھا ہو اور شریعت کی تعلیمات میں پڑھا ہو تو مستحبات کفن میں یہ ہے کہ مرنے والے کو جہاں اور کفن دیا جائے وہاں مستحب یہ ہے کہ اگر مرنے والا مرد ہے تو سر پر عمامہ باندھا جائے اور خیال رکھا جائے کہ عمامے کے دونوں سرے سینے پر ڈال دیئے جائیں۔ گویا حسینؑ سمجھا رہے ہیں کہ بیٹا میں تجھے کفن تو نہ دے سکوں گا۔ میرے لال آتجھے سجا تو لوں۔ حسینؑ نے قاسم کو تیار کیا۔ بھتیجے کو گھوڑے پر بٹھانا چاہتے تھے۔ اپنے لال کو رخصت



کرنا چاہتے تھے کہ ایک مرتبہ کچھ خیال آیا۔ کہا بیٹا۔ ایک لمحہ کیلئے ذرا نمبر جاؤ۔ قاسم نے کہا چچا کوئی نیا حکم ہے۔ کہا ذرا میرے سامنے آؤ۔ قاسم سامنے آئے۔ حسین نے قاسم کا گریبان چاک کر دیا۔ ہو چھا چچا یہ کیا؟ کہا بیٹا یہ یتیموں کی نشانی ہے۔ جاؤ میرے لال جاؤ۔ قاسم میدان میں آئے جماد تمام ہوا گھوڑے سے گرے۔ حسین کو پکڑا مگر اب جو حسین دوڑ کر چلے اور بھتیجے کے قریب پہنچے تو ادھر کے سوار ادھر۔ ادھر کے سوار ادھر۔ ایک مرتبہ یہ منظر دیکھا۔ منظر دیکھ کر بے قرار ہو گئے۔ قاسم نے آواز دی ارے چچا جلدی آئیے۔ حسین پہنچے دیکھا بیٹا لڑیاں رگڑ رہا ہے۔ اے میرے لال اے میرے قاسم اب میں آیا۔ جب چچا تیرے کام نہ آسکا بیٹا۔

سید علم الذین ظلموا ای متقلب یتقلبون

## مجلس ۸

اے نفس مطمئن پلٹ آ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں۔ تو ہم سے راضی ہے ہم تجھ سے راضی ہیں آ میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ سورۃ مبارکہ فجر کی ان آخری آیات کریمہ کے ذیل میں "کر بلا شناسی" کے عنوان سے جو سلسلہ بیان آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا آج اس کے آٹھویں مرحلہ پر جو باتیں آپ کے سامنے گزارش کرنا ہیں ان کے عرض کرنے سے پہلے یہ یاد دہانی ضروری اور اہم ہے کہ آج اور کل اور برسوں یہ تین موضوعات واقعہ کر بلا کے سلسلہ میں انتہائی اہمیت رکھنے والے موضوعات ہیں۔ اسلئے کہ جتنی غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں یا پیدا کی جا رہی ہیں ان تمام غلط فہمیوں کا اور ان تمام غلط باتوں کا سرچشمہ یہ تین مسائل ہیں جن پر ان تین دنوں میں گفتگو کرنے کا ارادہ ہے لہذا میں آپ تمام حضرات سے گزارش کروں گا کہ آپ ان موضوعات پر پوری سنجیدگی کے ساتھ توجہ فرمائیں اور اس بات کی کوشش کریں کہ میں بات کم کہوں۔ آپ بات زیادہ سمجھیں اسلئے کہ زیادہ بات کہنے کے امکانات زیادہ روشن نہیں ہیں۔

آج جس بات کو آپ کے سامنے گزارش کرنا ہے وہ واقعہ کر بلا کے سلسلہ میں اور امام حسینؑ کے قیام اور اقدام کے بارے میں ان افکار اور ان آراء پر بحث



کرنا ہے کہ جو امام حسینؑ کے سامنے پیش کی گئیں اور جنکو امام حسینؑ نے قبول نہیں فرمایا اور نظر انداز کر دیا۔

اگر آپ تاریخ کو بلا پڑھیں گے اور کتابوں میں واقعہ سے متعلق حقائق کو جمع کریں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ جس وقت فرزند رسولؐ انقلین نے اس قیام کا آغاز کیا ہے یا پہلے مرحلہ پر جب مدینہ الرسولؐ سے چلے ہیں یا دوسرے مرحلہ پر جب حرم خدا کو چھوڑ کر اور حج کو عمرہ سے بدل کر امام حسینؑ نے قدم آگے بڑھایا ہے اس وقت مختلف افراد تھے جنہوں نے امام حسینؑ کے سامنے یہ مسند رکھا کہ آپ نہ جائیں۔

ان افراد میں جو فی الحال یسری نگاہ میں ہیں۔ بارہ افراد وہ تھے جو امام حسینؑ کو یہ مشورہ بر بنائے خلوص اور بر بنائے محبت دے رہے تھے اور اٹھ افراد وہ تھے جنہوں نے امام حسینؑ کو یہ مشورہ تنفیدی نگاہ سے اور گویا امامؑ عالی مقام کو ان کے غلط فیصلے پر تنبیہ کرتے ہوئے مشورہ دیا تھا کہ آپ کو قیام نہیں کرنا چاہئے اور آپ کو ایسے اقدام سے باز رہنا چاہئے۔

وہ افراد کہ جنہوں نے بر بنائے خلوص و محبت امام حسینؑ کے سامنے یہ مسند رکھا ان میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی ہیں۔ گھر والے بھی ہیں اور باہر والے بھی ہیں۔ نبی کے اصحاب بھی ہیں اور نبی کے بعد والے بھی ہیں۔

اور ان تمام افراد کو امام حسینؑ نے جواب الگ الگ دیا ہے۔ یعنی جس کے ظرف میں جتنی صلاحیت تھی اور جو مسند کو جس مقدار میں سمجھ سکتا تھا امام حسینؑ نے اسی مقدار میں اُسے مسند سے آشنا بنایا۔ اسلئے کہ اسلام کی کھلی ہوئی تعلیم ہے کہ "کلموا الناس علی قدر عقولہم" دیکھو لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق گفتگو کرنا۔ ہر آدمی ہر بات سمجھنے کے قابل نہیں ہوتا ہے۔ جو جتنی بات سمجھ کے اسے بات اسی

سطح پر سمجھانی چاہئے۔

اور یہیں سے ایک نکتہ اور بھی آپ محسوس کریں کہ اگرچہ پیغمبرؐ اسلام جو بولتے تھے وہ وحی پروردگار ہے "وما نطق عن الہوی ان ہوالاوی یوٹی" میرا پیغمبرؐ اپنی خواہش سے نہیں بولتا ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جو وحی پروردگار ہوتی ہے تو نبیؐ کا کلام بھی وحی خدا کا نتیجہ ہے اور قرآن مجید کی آیات بھی وحی خدا کا نتیجہ ہیں۔ مگر آیات قرآن کو معجزہ کہا گیا ہے اور نبیؐ کے کلام کو معجزہ نہیں کہا گیا ہے۔

آخر فرق کیا ہوگا کہ وحی اُدھر ہی سے آئی ہے۔ ارشاد الہی کا اشارہ اسی کا ہے تو ایک کلام معجزہ بننے کے لائق ہو گیا اور ایک کلام معجزہ نہ بن سکا۔ اس کے اور جو اسرار ہیں ان میں ایک بنیادی راز یہ بھی ہے کہ جب قرآن کی آیتیں آرہی تھیں تو خدا نبیؐ سے بات کر رہا تھا اور جب نبیؐ کی حدیثیں آرہی تھیں تو نبیؐ عوام سے بات کر رہے تھے۔ اللہ کا مخاطب، پیغمبرؐ تھے اور نبیؐ کے مخاطب امت کے افراد تھے۔ تو خدا اس لہجہ میں بات کرتا ہے جو نبیؐ کے شایان شان ہے اور نبیؐ اس لہجہ میں بات کرتا ہے جو عوام کے شایان شان ہے۔

نبیؐ کے کلام میں، نبیؐ کے افکار میں، نبیؐ کی فصاحت و بلاغت میں کوئی نقص نہیں ہے مگر کبھی کبھی منکلم کے سامنے یہ مجبوری بہر حال پیش آجاتی ہے کہ اگر معمولی سطح کا انسان گفتگو کرنے والا ہو تو اسے بہر حال اسی طرح سمجھانا پڑتا ہے اور اسکی بہترین مثال آپ اپنے گھر میں صبح و شام دیکھتے رہتے ہیں۔ یہی کام آپ کے بزرگوں نے کیا ہے اور یہی کام آپ کرتے ہیں۔

آپ جب اپنے بچے سے بات کرتے ہیں تو جب انتہائی محبت بھرے لہجہ میں بات کرتے ہیں تو لہجہ وہی ہوتا ہے جو صحیح نہیں ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آپ کا بچہ دو برس، تین برس کا ہے تو کوئی فصیح و بلیغ گفتگو تو



نہیں کر سکتا۔ صحیح الفاظ بھی ادا نہیں کر سکتا۔ توجہ آپ اظہار محبت کرتے ہیں تو اپنی فصاحت کو بھول جاتے ہیں، اپنی بلاغت کو بھول جاتے ہیں، اپنے صحیح تلفظ کو بھول جاتے ہیں جیسا تلفظ بچپن میں وہ بچہ کرتا ہے اسی لہجہ میں آپ بھی بات کرتے ہیں اور بچہ ایسا مانوس ہوتا ہے کہ سوچتا ہے بابا مجھ سے محبت کر رہے ہیں اور اماں مجھ سے الفت کا اظہار کر رہی ہیں اور بزرگ مجھ سے محبت کر رہے ہیں ورنہ اگر آپ فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ کریں تو بچہ مانوس نہ ہو سکے گا۔ اجنبیت محسوس کرے گا تو جب کسی ایسے کو جسے بات سمجھانا ہے اجنبیت سے الگ کر کے محبت کے ماحول میں لانا ہوتا ہے تو اسی کے لہجہ میں بات کرنا پڑتی ہے۔ آپ اپنے بچہ کا لہجہ اختیار کرتے ہیں۔ نبی اپنی قوم کا لہجہ اختیار کرتا ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ بچے کو آپ کی محبت پر اعتبار ہو جائے۔ نبی چاہتے ہیں کہ قوم کو ان کی محبت پر اعتبار ہو جائے۔ اب آپ کا بچہ شریف ہوتا ہے تو محبت پر اعتبار کر لیتا ہے اور نہیں کتا ہے کہ بابا غلط بول رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ان کا دماغ کچھ ٹھیک نہیں کام کر رہا ہے ورنہ ان کو تو اپنے لہجہ میں بولنا چاہئے۔ اب اگر کسی کو محبت پر اعتبار نہیں ہوتا تو محبت کی ایسی ناقدری کرتا ہے کہ وہ اظہار محبت کر رہا ہے یہ بے چارہ اسے ہذیان سمجھ رہا ہے۔ بہر حال جتنے افراد بھی امام حسینؑ کے سامنے آئے ہر آدمی نے اپنی اپنی فکر کے مطابق مشورہ دیا اور مشورے بھی الگ الگ ہیں۔ کسی نے خط لکھا۔ کسی نے پیغام بھجوا۔ کسی نے براہ راست گفتگو کی۔ کسی نے مدینہ میں مشورہ دیا۔ کسی نے مکہ میں مشورہ دیا اور جب امام حسینؑ نے نہیں مانا اور تکمیل پلے آئے تو پھر تکمیل تک آئے دوبارہ پھر سمجھانے کیلئے کہ اب بھی شاید اپنی رائے کو آپ بدل دیں اور اب بھی اگر سفر نہ کریں اور عراق کا رخ نہ کریں تو زیادہ مناسب ہوگا۔

۴ کچھ آپ نے سنے ہیں اور جو نہیں سنے ہیں انھیں بھی تمام سننے والے نوٹ کر لیں اور جائیں واقعہ کر بلا پڑھیں تاکہ اندازہ ہو کہ یہ ماجرا کیا ہے، یہ واقعہ کیا ہے، یہ داستان کیا ہے۔ خالی دو لفظوں میں یہ کہہ کر بات کو نہیں اڑایا جاسکتا کہ ایک قوم ہے جو صدیوں سے روتی پلتی آرہی ہے۔ ارے آپ کا بھی تو کوئی سرا ہوگا۔ دو ہی دن روئے ہوتے۔ آپ کے گھر میں بھی تو کوئی مصیبت آئی ہوگی۔ کبھی تو اس کا ذکر کیا ہوتا۔ آپ تو خوشیوں کا ذکر کرتے ہوئے بھی گھبراتے ہیں غم کیا منائیں گے۔

بزرگوں کو یاد کرنے کیلئے جو صلہ چاہئے، کلیجہ چاہئے، احسان شناسی چاہئے۔ احسان فراموش کسی کے احسان کو نہیں یاد کرتے ہیں ایک امام حسینؑ کا احسان کیا؟

گھر والوں میں جن لوگوں نے امام حسینؑ کے سامنے یہ مسئلہ رکھا کہ فرزند رسولؐ آپ کی جان کو خطہ ہے آپ نہ جائیں۔ ان میں خواتین میں جناب ام سلمہؓ ہیں جنہوں نے یہ تذکرہ کیا کہ بیٹا تمہارے جد بزرگوار نے مجھے بتایا ہے کہ عراق تمہارے لیے خطرناک جگہ ہے اور فرمایا ہے کہ میرا ایک فرزند عراق میں شہید ہوگا لہذا عراق کا تم نے کیوں ارادہ کر لیا۔ امام حسینؑ نے کہا تانا بی جان اگر آپ کے مشورے کا مقصد یہ ہے کہ میں نہیں جاتا ہوں اور آپ بتانا چاہتی ہیں تو ایسا کچھ نہیں ہے۔ آپ کو تو خالی بتایا ہے کہ عراق کوئی جگہ ہے اور میرا کوئی فرزند ہے جو عراق میں شہید کیا جائے گا۔ کہئے تو میں وہ جگہ بھی دکھلا دوں، کہئے تو وہ وقت بھی بتا دوں، وہ موقع بھی بتا دوں، وہ منظر بھی آپ کو دکھلا دوں، میں ہوں جو شہید ہونے والا ہوں اور میں ہوں جو قرمانی دینے والا ہوں۔ مگر وہ وقت آ گیا ہے لہذا مجھے جانا پڑے گا۔



گھر والوں میں جن مردوں نے امام حسینؑ کو مشورہ دیا ان میں دو نمایاں شخصیتیں ہیں۔

ایک امام حسینؑ کے بھائی جناب محمد حنفیہؑ کا ذکر آپ سنتے رہتے ہیں۔ ان تفصیلات کا موقع نہیں ہے۔ حالت خود آپ پڑھ لیں گے۔ بس مختصراً۔ جناب محمد حنفیہ امیر المؤمنینؑ کی اولاد میں معصومین کے بعد کوئی معمولی درجہ کے مالک نہیں ہیں۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ تو خیر امام ہیں۔ معصوم ہیں۔ مگر اس کے بعد جو علیؑ کی اولاد ہے ان میں جناب محمد حنفیہؑ کا مرتبہ بہت بلند ہے اور شجاعت و ہمت کے اعتبار سے تو اتنا پہچان لینا کافی ہے کہ جمل کے میدان میں مولائے کائنات نے پرچم اسلام محمد حنفیہؑ ہی کے ہاتھ میں دیا تھا اور محمد حنفیہؑ کی عمر عباسؑ علمدار سے دس سال زیادہ ہے یعنی جمل کے موقع یو یا صفین کے موقع پر اس زمانہ میں عباسؑ علمدار کی عمر دس گیارہ سال کی تھی اور محمد حنفیہؑ کی عمر بیس اکیس برس کی تھی۔ وقوعہ کربلا کے موقع پر جناب عباسؑ کی عمر چوتیس سال کی تھی اور جناب محمد حنفیہؑ کی عمر تقریباً چالیس سال کی تھی۔

محمد حنفیہؑ ایک بڑی ہمت والے، طاقت والے انسان تھے ان کے مشورہ کے بنیاد بزدلی نہیں ہے۔ ان کے مشورہ کے بنیاد یہ نہیں ہے کہ ڈر رہے ہیں کہ ہائے کیا ہوگا۔ اگر کوئی حمد ہو گیا، جنگ ہو گئی، لڑائی ہو گئی تو کیا ہوگا؟ محمد حنفیہؑ ایک صاحب جرأت، صاحب ہمت، صاحب شجاعت انسان ہیں مگر انھوں نے امام حسینؑ کے سامنے یہ مسئلہ رکھا کہ بھائی آپ تو جانتے ہیں کہ عراق والوں نے بابا کے ساتھ وفا نہیں کی۔ آپ جانتے ہیں کہ عراق والوں نے بھائی کے ساتھ وفا نہیں کی۔ لہذا اگر آپ چاہیں تو یہیں رہیں اور اگر آپ کہیں جانا چاہتے ہیں تو تمہیں چلے جائیں۔ کسی اور جگہ چلے جائے۔ مگر عراق نہ جائیں تو بہتر ہے۔

امام حسینؑ نے ان کو بھی سمجھایا۔ بھیا مسند جان بچانے کا نہیں ہے اس وقت دین خدا خطرے میں ہے، اس وقت اسلام خطرے میں ہے، ایمان خطرے میں ہے۔ لہذا وقت آ گیا ہے کہ میں جان قربان کر دوں مگر ایسے موقع پر آپ کو میرے ساتھ نہیں جانا ہے۔ آپ کو اسی مدینہ میں رہنا ہے۔

اب امام حسینؑ نے کیوں محمد حنفیہؑ کو مدینہ میں روکا اس کے اسباب بھی مختلف روایات میں پائے جاتے ہیں۔ کوئی یہ کہتا ہے کہ محمد حنفیہؑ بیمار ہو گئے تھے اور میدان جہاد میں ان کی آنکھیں زخمی ہو چکی تھیں لہذا انھیں روک دیا گیا۔ مگر بعض روایات میں اسکا راز امام حسینؑ کی زبان سے یہ ہے کہ ایک میرا نمائندہ مدینہ میں رہنا چاہئے۔ یہ بڑی قیمتی بات ہے۔

ایک میرا نمائندہ مدینہ میں رہنا چاہئے اور اس بات کو ہم نے پہچانا اور اسی سے محمد حنفیہؑ کی عظمت کو پہچانا اسلئے کہ امام حسینؑ کے سفر کی ایک خصوصیت ہے کہ پیغمبرؐ جب ہجرت کر رہے تھے تو نبی وطن چھوڑ کر مکہ سے جا رہے تھے لیکن جو نبی کے بعد کا صاحب منصب اور دین کا ذمہ دار تھا وہ بہر حال بستر پر موجود تھا۔ ہجرت کی رات جب نبی جا رہے تھے تو جو دین کا ذمہ دار ہونے والا ہے یا ہے وہ بہر حال موجود ہے۔ اسے چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ لیکن امام حسینؑ جب جا رہے تھے تو جتنے دین کے ذمہ دار تھے سب امام حسینؑ کے ساتھ تھے۔ عصمت اور امامت کے اعتبار سے تین اور کمال جلالت کے اعتبار سے دو۔ اس وقت میں جب واقعہ کربلا پیش آیا ہے تو تین امام تھے۔ امام حسینؑ تھے وہ بھی موجود تھے۔ امام زین العابدینؑ وہ بھی موجود تھے۔ امام محمد باقرؑ تین برس کے سہی مگر تھے۔ اور یہ تین برس کی عمر صاحبان عصمت اور صاحبان امامت اور صاحبان منصب کیلئے کوئی معمولی عمر نہیں ہے۔ جسکو اللہ منصب دار بناتا ہے وہ گوارہ



سے اعلان کرتا ہے۔ جسکو اللہ عمدہ دیتا ہے اس کے لیے قرآن کہتا ہے "اعطیناہم الحکم، صیبا" ہم نے بچپن ہی میں انھیں عمدہ دید یا تو اللہ والوں کی شان الگ ہوتی ہے۔ تو تین تھے صاحبان منصب امام معصوم اور سب امام حسینؑ کے ساتھ جا رہے ہیں اور غیر امام میں دو عظیم شخصیتیں ہیں جو بہر حال مذہب کی ذمہ داری سنبھالنے کے قابل ہیں اپنی حدوں میں۔ جناب زینبؑ اور جناب ام کلثومؑ۔ اس کے علاوہ جو شہداء بعد میں راہ خدا میں قربان ہو گئے یا جو مجاہدین امام حسینؑ کے ساتھ تھے وہ سب امام حسینؑ کے ساتھ چلے گئے۔ زمرہوں میں کوئی ایسا رہ گیا، نہ عورتوں میں کوئی ایسا رہ گیا۔ عباسؑ علمدار اگر کچھ ذمہ داری امامت کے علاوہ سنبھالتے وہ بھی ساتھ گئے۔ علی اکبرؑ امامت کے علاوہ ذمہ داری سنبھالتے انھیں بھی ساتھ لے گئے۔ ثانی زہراؑ انھیں بھی ساتھ لے گئے۔ جناب ام کلثومؑ انھیں بھی ساتھ لے گئے۔ وقت کے تین امام تھے وہ بھی ساتھ چلے گئے۔ یعنی مدینہ الرسولؐ شخصیتوں سے بالکل خالی ہو گیا لہذا ضرورت تھی کہ کوئی باکمال انسان جو اتنی دیر تک مدینہ رسولؐ کو سنبھال سکے جب تک ذمہ دار مذہب پلٹ نہ آئے۔

میں واضح لفظوں میں کہہ سکتا ہوں کہ سال بھر تک تقریباً کچھ زیادہ محمد حنیفؑ نے مدینہ میں وہی کام انجام دیا ہے جو دور غیبت کبریٰ میں علماء اسلام انجام دے رہے ہیں۔

گھر والوں میں دوسرے بھائی جناب عبداللہ بن جعفر، جناب جعفر طیار کے فرزند تھے۔

ظاہر ہے کہ وہ بھی امام حسینؑ کے بھائی ہیں اسلئے کہ جعفر طیار اور مولائے کائنات دونوں بھائی ہیں۔ جعفر طیار کے فرزند جناب عبداللہ جو جناب زینب کے شوہر بھی ہیں وہ بھی امام حسینؑ کے گھر والوں میں ایک نمایاں کردار کے مالک

ہیں۔ انھیں بھی امام حسینؑ نے مدینہ میں چھوڑا۔ انھوں نے بھی مشورہ دیا۔ گذارش کی آپ نہ جائیں۔

لیکن جب امام حسینؑ نے فیصلہ کر لیا مجھے جانا ہے۔ یہاں کے حالات اس قابل نہیں ہیں کہ میں مدینہ میں رہ سکوں تو جناب عبداللہ بن جعفر نے اپنے دونوں فرزند جناب عون و محمد کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ جاؤ جا کر ماموں سے گذارش کرو کہ حالات ناسازگار ہیں۔ انھوں نے اس پیغام کو پہنچایا۔ امام حسینؑ نے کہا کہ میں حالات جانتا ہوں۔ مگر اپنا فرض، اپنی ذمہ داری بھی جانتا ہوں۔ اس کے بعد تمہ میں امام حسینؑ کا قیام تھا تو عبداللہ بن جعفر پھر آئے گذارش کرنے کے واسطے کہ مولانا بھی غنیمت ہے مکہ جائے امن ہے۔ حرم خدا ہے۔ یہیں آپ ٹھہر جائیں آگے خطرات ہی خطرات ہیں۔ آپ کو تو معلوم ہے کہ ہمارے خاندان کے ساتھ ان لوگوں نے کیا برتاؤ کیا ہے لہذا ان خطرات کی طرف اگر آپ نہ جائیں تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی زندگی کیلئے بہتر ہے اسلئے کہ آپ نہ رہ جائیں گے تو دنیا میں کیا رہ جائے گا۔ لیکن امام حسینؑ نے کہا۔ نہیں میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں اسلئے کہ میرے لیے یہی تعلیم ہے، میرے واسطے یہی ذمہ داری ہے کہ میں چلا جاؤں اور میں اپنی جان قربان کرنے کیلئے تیار ہو جاؤں۔ جب فیصلہ سنا دیا کہ جانا میرا فریضہ ہے تب جناب عبداللہ بن جعفر طیار نے کہا کہ مولانا اگر یہ طے کر لیا ہے کہ آپ کو جانا ہے اور حکم ہے کہ مجھے نہیں جانا ہے تو میرے دونوں بیٹوں کو ساتھ لیتے جائیے اگر مسئلہ یہی ہے کہ دین پر قربان ہونا ہے تو پھر ان بچوں کو بھی قربان ہونا چاہئے۔ اگر مجھے نہیں لے جا سکتے ہیں تو ان کو لے جائیے۔ بہر حال جو انسان اپنی فکر کے اعتبار سے جو کچھ سمجھتا ہے گذارش کرتا ہے۔

اس کے علاوہ خاندان ہی کی تقریباً ایک فرد جناب عبداللہ بن عباس ہیں۔ انھوں



نے بھی مدینہ میں روکا۔ مکہ میں روکا۔ مشورہ دپتے رہے نہ جائے۔ امام حسینؑ نے انھیں بھی سمجھا دیا۔ خیر آپ کہتے ہیں تو میں اس مسئلہ پر غور کروں گا۔ استخیر اللہ فی ذلک میں اللہ سے طلب خیر کروں گا۔ میں اللہ سے دریافت کروں گا۔ جو پروردگار مجھے حکم دے گا۔ میں اس کے مطابق عمل کروں گا۔ یہ مطمئن ہو گئے کہ شاید امام حسینؑ اب نہیں جائیں گے اسلئے کہ ظاہر ہے کہ اللہ تو وہی ہے کہ جو خیر ہے اور خیر وہی ہے جو میں سمجھ رہا ہوں مگر صبح کو جب یہ خبر ملی کہ امام حسینؑ تیار ہو گئے ہیں جانے کے واسطے۔ تو گھبرا کے آئے فرزند رسولؐ آپ نے کہا تھا کہ میں استخارہ کروں گا۔ یعنی میں اللہ سے طلب خیر کروں گا۔ جس میں اللہ کی نظر میں بھلائی ہوگی وہی کام کروں گا۔ مگر آپ تو یکبارگی تیار ہو گئے۔ کہا ہاں میں نے یہی تو کہا تھا۔ کہ جس میں خیر ہوگا وہی کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ خیر اسی میں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ مصلحت اسلام اسی میں ہے لہذا میں جا رہا ہوں۔

ایک عبد اللہ بن مطیع و عبد اللہ بن جعدہ اور مسور بن خزمہ اور نہ جانے کتنے افراد ہیں جنہوں نے امام حسینؑ کو مشورہ دیا۔ یہ دس ناصحین ہیں مشفقین ہیں۔ محبت کرنے والے ہیں جنہوں نے امام حسینؑ سے گزارش کی کہ آپ نہ جائیں تو بہتر ہے۔ جب امام حسینؑ نکل پڑے تو یہی بات فرزدق نے کہی۔ جب فرزدق سے ملاقات ہوئی اور امام حسینؑ نے کہا بتاد کو فذ کے حالات کیا ہیں؟

تو فرزدق نے کہا کہ بس مختصر یہ ہے کہ "قلوبہم معک و سیوفہم علیک" دل سب کے آپ کے ساتھ ہیں لیکن تلواریں سب کی آپ کے خلاف انھیں گی۔ یعنی جب تک معرکہ سامنے نہ آئے سب مولائی ہیں۔ سب حضور کے چاہنے والے ہیں۔ سب محبت کے دعویدار ہیں اور جب معرکہ سامنے آجائے گا تو تلوار اُدھر سے

انھائیں گے آپ کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ یہ بے ضمیروں کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ یہ دنیا داروں کا اور زر پرستوں کا ایک اصول ہوتا ہے۔ محبت کا دعویٰ ادھر کا کرتے ہیں اور حمایت ادھر کی کرتے ہیں۔ اس وقت موقع نہیں ہے ورنہ میں دوچار مثالیں اسکی بھی گزارش کرتا تو شاید میرے بچے بات کو جلدی سمجھ جاتے اور یہ اندازہ ہو جاتا کہ ایک انداز بے ضمیری کا، ایک انداز نا فہمی کا یا ضمیر فروش کا یہ بھی ہوتا ہے کہ محبت ایک کے ساتھ رہے اور حمایت دوسرے کے ساتھ رہے۔ محبت ادھر ہے تلوار ادھر سے اٹھے گی۔ دیکھے ہیں ایسے منظر تاریخ میں بہت ہیں اور آپ نے بھی دیکھے اور سنے ہوں گے۔

بہر حال یہ مشورے امام حسینؑ کے سامنے آتے رہے مگر امام حسینؑ نے سبکو سمجھایا اور اس کے بعد چلے گئے۔ یہ تو ایک قسم تھی دوسری قسم ان لوگوں کی ہے کہ جو آئے امام حسینؑ پر تنقید اور اعتراض کرنے کیلئے۔ جن میں نمایاں فرد جناب عبد اللہ بن عمر ہیں۔ بڑے باپ کے بیٹے ہیں۔ سمجھدار زیادہ ہیں۔ انہوں نے کہا دیکھئے کام وہ کیجئے جس میں خیر ہو، بھلائی ہو۔ نیکی ہو۔

امام حسینؑ نے کہا یقیناً میں وہی کام کروں گا جس میں خیر ہو، بھلائی ہو، جس میں نیکی ہو اس کے علاوہ اور اس سے ہٹ کر کوئی کام انجام دینے والا نہیں۔ کہا مگر ایک بات سمجھ لیجئے کہ خیر، صلاح، نیکی، بھلائی اسی بات میں ہے کہ آپ بھی اسی راستے پر آجائیں جس پر ساری قوم آگئی ہے۔

فرمایا۔ یعنی۔

کہا مقصد یہ ہے کہ آپ بیزید کی بیعت کر لیجئے۔ سیدھا سیدھا حساب ہے زیادہ بات کو گردش میں رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے صاف بتا دیا۔ مقصد میرا یہ ہے کہ آپ بیعت بیزید کر لیں۔ جس میں ساری امت داخل ہو گئی ہے اسی ملت



میں اسی دائرہ میں آپ بھی داخل ہو جائیں۔ جان بچ جائے گی۔ گھر بچ جائے گا۔ اولاد بچ جائے گی۔ عافیت ملے گی۔ آرام ملے گا۔ انعام ملے گا اور نہ جانے کیا کیا جو ان کو ملا ہو گا وہ سب ملے گا یہ ایک مشورہ ہے۔

دوسرا مشورہ تقریباً اسی سے ملتا جلتا لفظیں بدل کر دوسرے صاحب نے آکے کہا اور انھوں نے مشورہ دیا۔ آپ بیعت یزید کر لیں۔ آپ کیلئے بہترین بات ہے لیکن ایک لفظ کا اضافہ کر دیا انھوں نے تو خالی فائدہ کی بات کی تھی۔ انھوں نے ڈرانے دھمکانے کا ذکر بھی شروع کر دیا۔ آپ بیعت یزید کر لیں یہ بہترین بات ہے اور دیکھئے قوم میں فتنہ نہ پیدا کیئے۔ قوم میں تفرقہ نہ ڈالئے۔ جب اُمت ایک نقطہ پر متفق ہو گئی ہے تو اسی میں آپ بھی رہئے ورنہ اگر آپ اس کے خلاف قدم اٹھائیں گے تو ہمیں یہ سوچنے کا موقع ملے گا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ قوم میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ قوم میں جدا کرنا چاہتے ہیں۔

بہترین اسلام بیعت یزید میں ہے اور جو اس کے خلاف آواز اٹھائے گا گویا قوم میں تفرقہ پیدا کر رہا ہے۔

یہ آواز ایک آدمی کی نہیں۔ آئمہ آدمی لفظیں بدل بدل کے۔ مشکلیں بدل بدل کے یہی کہتے رہے۔ محرک ایک ہی ہے مگر لہجے بدلے ہوئے ہیں۔ انداز بدلے ہوئے ہیں۔ ہر آدمی اپنے اپنے انداز سے سمجھا رہا ہے اور ایک صاحب نے تو دونوں باتوں کو ملا کر یعنی ڈرانے کا لہجہ بھی اور محبت کا لہجہ بھی، فرزند رسولؐ ہم یہ سوچتے ہیں کہ اس دنیا میں آپ سے بلند تر انسان کون ہے؟ آپ محمدؐ کی یادگار، آپ علیؑ کی نشانی، آپ خانوادہ ہاشمی کی جان، آپ عرب کا وقار، آپ کا یہ مرتبہ آپ کا وہ مرتبہ ہے۔ جب آپ نہ رہ جائیں گے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ کچھ نہ رہ جائے گا۔ بس ہم چاہتے ہیں کہ آپ رہیں گویا خاندان رسالت رہے گا، عرب کا افتخار رہے گا، بنی ہاشم

کا وقار رہے گا۔ لہذا آپ کو زندہ رہنا چاہئے۔

امام حسینؑ نے کہا۔ ہاں یہ سب باتیں صحیح ہیں مگر اب فیصلہ ہو چکا ہے لہذا مجھے جانا ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ عرب کا اور بنی ہاشم کا وقار و افتخار رہے گا اگر میں زندہ رہوں گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ وقار و افتخار باقی رہے گا اگر میں قربان ہو جاؤں گا یہ تو اپنی اپنی فکر ہے اور اپنے اپنے سوچنے کا ایک طریقہ ہے۔

یہ افراد کہ جو امام حسینؑ کے سامنے آئے ہیں سب کا الگ الگ تذکرہ نہیں کر سکتا ہوں ورنہ بات کو طول ہو جائے گا لیکن اب ان سارے تذکروں کو سمینے کے بعد جو واقعہ کر بلا کے بعد پڑھے لکھے، ضمیر فروش، اہل قلم پیدا ہوئے اس بیسویں صدی تک انھوں نے ان باتوں کو جمع کر کے وہی نتیجہ نکالا جو بہت سی زبانوں سے آپ سنتے رہتے ہیں۔ جب اتنے سمجھدار لوگ صحابہ، غیر صحابہ، تابعین، خاندان والے، باہر والے، مرد عورت یہ سب سمجھا رہے تھے تو سمجھ جانا چاہئے تھا۔ یہی بات وہ ہے جو آج ہر جگہ اور ہر کارنر سے دوہرائی جا رہی ہے اتنے لوگ سمجھدار پڑھے لکھے جب مشورہ دے رہے تھے تو سمجھ جانا چاہئے تھا۔

سمجھنا کیا چاہئے تھا۔ کیا سمجھنا چاہئے تھا۔ یہ تو سمجھائیے کہ کیا سمجھنا چاہئے تھا اسلئے کہ ظاہر ہے کہ مشورہ دینے والے دو طرح کے ہیں۔ پہلی قسم جو میں نے عرض کی، وہ دس گیارہ آدمی وہ ہیں جو فقط یہ کہتے ہیں کہ آپ عراق نہ جائیے۔ وہاں نہ جائیے۔ وہاں نہ جائیے جہاں خطہ ہے مگر کسی ایک کی زبان پر یہ نہیں آیا کہ یزید کی بیعت کر لیجئے۔ نہ عبد اللہ بن مطیع، نہ عبد اللہ بن جعدہ، نہ عبد اللہ بن عباس، نہ عبد اللہ بن زبیر کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ بیعت کر لیجئے یہی کہتے رہے کہ آپ کی زندگی کی سلامتی اسی میں ہے کہ آپ۔ یہیں رہیں۔ ام سلمہ نے کہا بیٹا عراق نہ جاؤ مگر یہ نہیں کہا کہ یزید کی بیعت کر لو۔ محمد حنفیہ نے کہا۔ بھیا آپ تمکن چلے جائیے۔



کہیں اور چلے جائے۔ مگر یہ نہیں کہا کہ یزید کی بیعت کر لیجئے۔ یہ دوسرا طبقہ تھا جس میں بعض کا نام میں نے لیا اور بعض تاریخوں میں موجود ہیں آپ پڑھ لیجئے گا۔ تو ایک قسم وہ ہے جن کو میں نے مخلص کہا ہے کہ جو جان بچانے کی فکر میں ہیں کہ مولا کی جان بچ جائے۔ نبی کا نواسہ زندہ رہ جائے۔ مگر اس بات کے فیور میں اور اس بات کی حمایت میں نہیں ہیں کہ حسینؑ معاذ اللہ بیعت یزید کر لیں۔ یہ وہ ہیں جو حسینؑ سے محبت کرنے والے ہیں مگر یزید کو برحق سمجھنے والے نہیں ہیں۔ یہ دوسرا طبقہ ہے جو آٹھ آدمیوں کا ہے جن کی رائے یہ ہے کہ بیعت کر لیں۔ اسی میں خیر ہے امت کیلئے، آپ کیلئے، اسی میں بھلائی ہے، عافیت ہے، زندگی ہے، راحت ہے، آرام ہے، انعام ہے، اکرام ہے اور آخرت میں کیا ہے خدا جانتا ہے۔ میں اسلئے بار بار اس لفظ کو دوہرا رہا ہوں کہ کل جو تذکرہ میں آپ کے سامنے عرض کرنے والا ہوں اسکی تمہید آج آپ ذہن میں رکھیں کہ امام حسینؑ جب وطن چھوڑ کے جا رہے تھے یا مکہ سے نکلے یا مدینہ سے نکلے تو دونوں موقعوں پر جتنے مشورہ دینے والے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ کچھ وہ ہیں کہ جنکو امام حسینؑ سے خلوص ہے، محبت ہے، الفت ہے مگر یزید سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ یزید سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ یزید کو ویسے ہی فاسق سمجھتے ہیں جیسے امام حسینؑ سمجھتے ہیں۔ وہ یزید کو اسی طرح سمجھتے ہیں جیسے امام حسینؑ۔ مگر جب ایسے لوگ ایسے نیک کردار افراد کو مشورہ دیتے دیکھا تو کچھ ایسے بھی نااہل تھے جنکو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس موضوع پر مشورہ چل سکتا ہے۔ اس موقع پر کچھ کہنے کی گنجائش ہے لہذا انھوں نے بھی اپنی آواز اس آواز کے ساتھ ملا دی۔ یہ اور بات ہے کہ جب بے جوڑ بات ملانی جائے گی تو ملے گی نہیں۔ اسلئے کہ بے جوڑ بات کا تو خاصہ یہی ہے کہ کیسے ہی ملانا چاہو کیسے ہی جوڑنا چاہو لیکن چونکہ بے جوڑ ہے اہل نظر تو پہچان ہی لیں گے

چاہے بات کو بات سے ملایا جائے۔ چاہے آدمی کو آدمی سے ملایا جائے۔ جب بے جوڑ رابطہ ہوگا تو بہر حال پہچان لیا جائے گا اسکو دنیا میں ہر صاحب نظر محسوس کرنے گا۔ لہذا یہ ایک آواز بھی مخلصین کی جس میں منافقین نے یا دوسرے افراد نے یا یزید پرست لوگوں نے اپنی آواز کو ملا دیا اس کے بعد جو طبقہ اہل قلم کا یا مصنفین کا پیدا ہوا۔ ان میں جو افراد پیدا ہوئے اس جماعت کی حمایت کرنے والے یہ ان محبت کرنے والوں کے حمایتی نہیں ہیں۔ یہ ان تنفید کرنے والوں کے اور اعتراض کرنے والوں کے حمایتی ہیں اور انہی کی آواز کو ساری قوم کی آواز قرار دیتے ہیں۔ اور ان کا کہنا یہ ہے کہ اتنے بڑے بڑے لوگ کہہ رہے تھے تو امام حسینؑ کو بیعت یزید کر لینا چاہئے تھی۔ میں پھر اپنی بات کو دوہرا رہا ہوں۔ کون بڑا آدمی کہہ رہا تھا کہ یزید کی بیعت کر لو۔ یہ صحیح ہے کہ بعض لوگوں نے کہا کہ نہ جائے اور نہ اٹھنے اور قیام نہ کیجئے مگر قیام نہ کرنا الگ ایک بات ہے اور یزید کی بیعت کر لینا الگ ایک بات ہے۔ آج بھی دنیا میں لاکھوں مسلمان پڑے ہوئے ہیں جو باطل نظاموں کو دیکھ رہے ہیں۔ باطل حکومتوں کو دیکھ رہے ہیں۔ کافر حکومتیں، یہودیوں کی حکومتیں، عیسائیوں کی حکومتیں مگر قیام نہیں کرتے ہیں اقدام نہیں کرتے ہیں تو اس کے معنی کیا ہیں کہ یہودیت کو برحق سمجھتے ہیں۔ عیسائیت کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔ یا کفار و مشرکین کو صحیح سمجھتے ہیں۔ صحیح سمجھنا الگ ایک بات ہے اور قیام نہ کرنا الگ ایک بات ہے۔

جنکو اسلام میں بڑی شخصیت کہا جاتا ہے چاہے وہ نبی کے اصحاب بن مسور بن مخرمہ ہوں۔ چاہے بڑی شخصیت عبداللہ بن عباس ہوں۔ چاہے عبداللہ بن جعفر ہوں۔ چاہے محمد حنفیہ ہوں۔ چاہے ام المومنین ام سلمہ ہوں جو اسلام کی بڑی شخصیتیں ہیں۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی امام حسینؑ کو بیعت یزید کا مشورہ نہیں دیا تھا اور



جن لوگوں نے بیعت یزید کرنے کا مشورہ دیا تھا وہ اسلام میں بڑے بڑے کے جانے کے قابل نہیں تھے۔ حد یہ ہے کہ عبداللہ بن زبیر جو انتہائی بزدل آدمی تھے اور رات ہی کے وقت مکہ چھوڑ کر چلے گئے وہ بھی آخر دم تک بیعت یزید کیلئے تیار نہیں ہوئے۔ مقابلہ کیا۔ مصیبتیں اٹھائیں۔ خانہ خدا میں پناہ لی۔ خانہ خدا کو مخفی سے مسمار کیا گیا۔ غلاف کعبہ جلادیا گیا۔ یہ سب کچھ ہو گیا مگر بیعت یزید کیلئے تیار نہیں ہوئے۔ تو بزدلی الگ ہے بیعت الگ ہے۔ مشورہ الگ ہے بیعت الگ ہے۔ لہذا یہ جو آج کہنے والے کہتے ہیں کہ اتنے بڑے بڑے لوگوں نے کہا تو امام حسینؑ کو مان جانا چاہئے تھا۔ اتنے بڑے بڑے لوگوں نے بیعت کی بات نہیں کہی جو بات کسی وہ قیام اور اقدام کے بارے میں کہی۔ اسکا نتیجہ میں آپ کے سامنے فاتمہ گشتگو میں گذارش کروں گا۔ فی الحال اس فرق کو آپ نگاہ میں رکھیں تاکہ کل کی گشتگو میری واضح ہو سکے۔

اب جو مسند مصنفین نے اٹھایا ہے۔ جو اہل قلم، روزانہ کے مضمون نگار، چیتھڑے لکھنے والے اور بانٹنے والے بیان کرتے ہیں ان کے پاس ایک ہی نکتہ ہے کہ جب ساری امت نے بیعت کر لی تو امام حسینؑ کو دیکھنا چاہئے تھا کہ جباریٹی کدھر ہے۔ امام حسینؑ کو دیکھنا چاہئے تھا کہ اکثریت کدھر ہے اسی رخ پر جانا چاہئے تھا جو اکثریت کا راستہ تھا۔ اسی رخ پر جانا چاہئے تھا جو جباریٹی کا راستہ تھا۔

میں ایک عجیب و غریب بات عرض کرنا چاہتا ہوں اور یہ ایک نیا رخ ہے اسے یاد رکھئے گا۔ یہ بے چارے جو امام حسینؑ کو مشورہ دے رہے ہیں کہ امام حسینؑ کو اکثریت کے ساتھ چلنا چاہئے تھا۔ یہ خود اکثریت کے ساتھ نہیں چل رہے ہیں۔ غنہ زو بات یاد رہ جائے گی کبھی بھولنے کا نہیں۔ یہ خود اکثریت کے ساتھ چلیں ورنہ میرا چیلنج ہے چل کے ساری دنیا میں شمار کر لیں اکثریت حسینؑ کے

ساتھ ہے یا یزید کے ساتھ ہے۔

یہ بند کمروں کی کوئی دو ٹنگ نہیں ہے۔ بند کمروں کی کوئی کاؤ ٹنگ نہیں ہے۔ ارے میدان میں آکر شاہراہ عام پر گن کے دیکھ لو۔ سارے دنیا میں جہاں چلے جاؤ بندوں سے جا کے پوچھو۔ ان کی اکثریت حسینؑ کے ساتھ ہے یا یزید کے ساتھ ہے۔ عیسائیوں سے جا کر پوچھو جن کے گھر کا پلاہوا یزید تھا۔ دنیا کے بے دینوں سے، اللذہب افراد سے جہاں چاہیں دنیا میں ان سے جا کر پوچھیں کہ بتاؤ تم حسینؑ بن علیؑ کے چاہنے والے ہو یا یزید کے چاہنے والے ہو۔ جب آپ کو اندازہ ہو جائے اور آپ کو محسوس ہو جائے کہ دنیا میں اکثریت صاحبان ہوش، صاحبان فراست، اور صاحبان کمال کی یزید کے مقابلہ میں حسینؑ کے ساتھ ہے۔ میں اور کسی سے مقابلہ نہیں کر رہا ہوں۔ یزید کے مقابلہ میں آج ساری دنیا کی اکثریت امام حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ ہے۔ تو اگر تم حسینؑ کو مشورہ دے رہے ہو تو اپنے مشورہ پر آج خود ہی عمل کر لو۔ کل جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب تو اکثریت حسینؑ کے قدموں میں ہے یزید کے مقابلہ میں۔ تو آجاؤ حسینؑ کے قدموں میں تاکہ تمہاری اکثریت کی لاج تو رہ جائے۔ شریف ہو تو انہی بات پر قائم رہو۔ چاہے غمروں کی بات مانو چاہے زمانو۔

یہ چارچہ مصنف، دوچار اہل قلم، کتابیں مفت کی چھاپ دینے والے اگر یہ یزید کی حمایت کرنے کیلئے تیار ہو جائیں تو کیا ان کا مقابلہ حسینؑ کے چاہنے والوں سے ہوگا۔ یہ مجالس عزاء، یہ جلسات، یہ ذکر شہادت، یہ جلوسہائے عزاء یہ ساری دنیا میں جہل پھیل، ساری دنیا میں جو آج رونق آپ دیکھ رہے ہیں اس عشرہ محرم میں۔ جا کے شمار کیجئے اس کے بعد ان مسلمانوں سے پوچھئے کہ وہ جن کے ساتھ اکثریت تھی جن کی بیعت سب نے کر لی تھی جبکی بیعت کا مشورہ آج آپ امام حسینؑ کو



دے رہے ہیں اتنا ہی بتا دو کب دینا سے گئے اور تم نے کتنا یاد رکھا ہے ان کو۔ دوسروں کو مشورہ تو بعد میں دیا جائے گا۔ تم نے کتنا یاد رکھا ہے۔ تم نے کتنا غم منایا ہے۔ کتنی خوشی منائی ہے ان کے مرنے پر۔ یہی معلوم ہو جائے۔ فقط قلم چلانا کتاب چھاپ دینا مضمون نگاری کر دینا یہ بہت آسان کام ہے۔ مگر ضمیر کے خلاف بولنے والا کبھی ضمیر کے خلاف اقدام کرنے کی ہمت نہیں کرتا ہے اسلئے کہ ضمیر اندر سے ملامت کرتا رہتا ہے۔

تو میں یہ گزارش کر رہا تھا کہ امام حسینؑ کو مشورہ دیا جا رہا ہے کہ جو اکثریت کر رہی تھی امام حسینؑ کو وہی کرنا چاہئے تھا۔ جان بچ جاتی۔ میرے سننے والے ماشاء اللہ وہ ہیں جو قرآن پڑھنے والے ہیں۔ قرآن حفظ کرنے والے ہیں۔ قرآن دوہرانے والے ہیں۔ ہر طرح کے لوگ ہیں لہذا میں ان کو دعوت نظر دے رہا ہوں جائیں مطالعہ کریں قرآن مجید کا۔ پروردگار عالم نے قرآن مجید میں اکثریت کا ذکر اکثریت کے عنوان سے اسی مقامات پر کیا ہے۔ جہاں اکثریت کا تذکرہ اکثریت کے عنوان سے ہوا ہے اور جب اللہ نے اس اکثریت کو پہنچوایا ہے تو بعض مقامات پر اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں ہے مگر جہاں خدا نے اکثریت کے بارے میں اپنا فیصلہ سنایا ہے وہ فیصلہ ان لفظوں میں ہے "لا یعلمون" اکثریت جاہل ہوتی ہے "بجہلون" اکثریت جاہل ہے "لایومنون" اکثریت بے ایمان ہے "لایشکرون" اکثریت ناشکری ہے۔ سکر خدا کرنے والی نہیں ہے۔ "وما اکثر الناس ولو حرصت بمومنین" اے پیغمبر آپ چاہیں تو بھی اکثریت مومن نہیں ہو سکتی ہے "ان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ" اے پیغمبر آپ نے دنیا میں کہیں اکثریت کا اتباع کر لیا تو یہ آپ کو بھی راستہ سے ہٹا دیں گے۔

توجہ کر رہے ہیں آپ۔ یہ قرآن مجید میں اکثریت کے بارے میں خدا کی فیصلہ

ہے کہیں "لایشکرون" کہیں "لایعقلون" بے عقل ہیں۔ ان کو عقل سے کیا واسطہ ہے۔ کہیں "لایومنون" ایمان لانے والے نہیں۔ کہیں "لایشکرون" شکر خدا کرنے والے نہیں ہیں۔ کہیں "اکثرهم الفاسقون" اکثریت فاسق ہے۔ کہیں "کافرون" کافر ہے۔ کہیں بے ایمان ہے۔

یہ تذکرے ہیں قرآن مجید میں اکثریت کے بارے میں تاکہ مسلمان متوجہ رہے کہ مسلمان مسلمان ہونے کے بعد، قرآن پڑھنے کے بعد اکثریت کو معیار نہ بنائے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اکثریت غلط ہوتی ہے، اکثریت معیار نہیں ہوتی ہے، اکثریت بنیاد نہیں ہوتی ہے، اکثریت حق کی دلیل نہیں ہے۔ یہ تو قرآن مجید کا فیصلہ ہے اور جو میں نے عرض کیا ہے اسی مقامات پر اکثریت کا تذکرہ اکثریت کے عنوان سے کیا گیا ہے۔ ان میں جہاں اکثریت کو بے ایمان کہا گیا ہے، بے عقل کہا گیا ہے، جاہل کہا گیا ہے، لایعلمون کہا گیا ہے کافرون کہا گیا ہے، فاسقون کہا گیا ہے۔ جہاں یہ ساری باتیں کہی گئی ہیں وہ اکیاون مقامات ہیں جہاں اکیاون کو یہ سند دی گئی ہے یعنی اسی کے مقابلہ میں اکیاون یہ ایک اکثریت ہے تو بجائے پیدین انسانوں کی اکثریت کے خدا کی پانہی کی اکثریت کو سمجھ لیا ہوتا کہ جہاں جہاں اکثریت کا ذکر کیا ہے ان میں بھی اکثریت کو لاطلم قرار دیا ہے یا بے عقل قرار دیا ہے یا ناشکر قرار دیا ہے۔ یا بے ایمان قرار دیا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے معنی یہ ہونے کہ اکثریت کو معیار حق وہی بنائے گا جو جاہل ہوگا۔ غیر عاقل ہوگا۔ بے دین ہوگا۔ ناشکر ہوگا۔ بے ایمان ہوگا۔ فاسق ہوگا۔ کافر ہوگا۔

مسلمان اور مومن اکثریت کو معیار حق نہیں بنا سکتا ہے۔

یہ تو میں نے آپ کے سامنے وہ موارد اور وہ مقامات عرض کئے ہیں جہاں

اکثریت کا ذکر ہے ورنہ اکثریت کا تذکرہ بغیر لفظ اکثریت کے بغیر لفظ اکثر کے



بہت ہے جس میں سے ایک تذکرہ جسے سب جانتے ہیں اسلئے سنا رہا ہوں۔ جب سجدہ آدمؑ نہ کرنے پر خدا نے ابلیس سے کہا نکل جا تو مردود ہے تو ملعون ہے۔ نکل جا میری بارگاہ سے تو جب نکالا گیا اور پلنے لگا تو "قال وبعز تک لاغوینم اجمعین الابدک منم اخلصین" اگر مجھے نکال رہا ہے تو تیری عزت و جلال کی قسم۔ میں سب کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔

آپ متوجہ ہیں میں نے کیا کہا۔ قرآن مجید کا تذکرہ ہے۔ اس نے کیا کہا "لاغوینم اجمعین" میں سب کو گمراہ کروں گا "الابدک منم اخلصین" سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔ تو یہ مخلص بندے اگر نکال لئے جائیں گے تو بچے گا کیا۔ اگر چند اللہ کے مخلص بندے نکال لئے جائیں گے تو اقلیت بچے گی یا اکثریت؟ کیا بچے گا۔ اکثریت ہی تو بچے گی۔ یعنی آپ کیا مشورہ دے رہے ہیں۔ پیشرو تو بہت پہلے کہہ چکا ہے کہ میں اکثریت کو گمراہ کر کے رہوں گا تو جو ادھر کی وراثت کا حامل ہو گا وہ اکثریت پر زور دے گا مگر جو وارث آدمؑ بن کر آیا ہے وہ اکثریت کی اطاعت نہیں کر سکتا ہے۔

بلکہ میرا تو یہ لفظ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ حسینؑ نے اس دور کے اکثریت کے فیصلہ کو ٹھکرا کر ہمیں حق دیدیا کہ ہم کہیں "السلام علیک یا وارث آدمؑ صفة اللہ" اے آدم کے وارث تجھ پر سلام۔ آدم کے وارث پر ہمارا سلام۔ اسلئے کہ تم وارث آدمؑ ہو اور تمہیں وارث آدمؑ اسلئے بنا گیا ہے تاکہ تمہارے مقابلہ میں آنے والے پہچان لیے جائیں۔

لہذا حسینؑ بن علیؑ اپنے نانا کے دین کے ذمہ دار ہیں۔ حسینؑ بن علیؑ اپنے باپ کے کردار کے ذمہ دار ہیں۔ حسینؑ بن علیؑ اللہ کی کتاب کے ذمہ دار ہیں۔ لہذا

اس راہ میں جو قربانی دینا پڑے وہ قربانی دے سکتے ہیں۔ اگر لوگ سبکوں کے، دولت کے، جاہ و حشم کے، کرسی اور اقتدار کے خیال میں آکے راہ حق سے منحرف ہو جائیں تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہر آدمی منحرف ہو جائے لہذا اب میں اپنی تقریر کو سمیٹ کے ایک آخری جملہ کہنا چاہتا ہوں باقی تفصیلات آپ خود سوچیں گے اور آپ خود پڑھیں گے۔

تو دو نکتے سامنے آئے۔

ایک مخلصین کا مشورہ۔ ایک تنقید کرنے والوں کا اعتراض جو بر بنائے اکثریت تھا کہ اکثریت نے بیعت یزید کر لی ہے لہذا آپ بھی کر لیجئے۔ تو اکثریت کا حال تو ہم نے قرآن میں پڑھ لیا۔ اکثریت کا حشر تو ہم نے قرآن میں دیکھ لیا۔ اکثریت کو ہم نے تاریخ میں دیکھ لیا۔ اکثریت کو ہم نے نہ کبھی معیار حق بنایا ہے اور نہ بنا سکتے ہیں۔ جس نے اکثریت کو معیار حق سمجھا وہ کبھی راستے پر نہیں آیا۔ وہ یہی سوچتا رہا کہ چالیس آدمی ایک طرف ہیں یہ اکیلے کہہ رہے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ دعوت ذوالعشیرہ میں سنانا کیوں تھا اسی لیے کہ جن چالیس کو بلایا ہے یہ سب تو کہہ رہے ہیں کہ جادو گر ہیں۔ سب کہہ رہے ہیں کہ دیوانہ ہیں۔ سب کہہ رہے ہیں تین سو ساٹھ خدا ہیں یہ اکیلے ہیں جو وعدہ لاشریک کی بات کہتے ہیں تو ہم تو اکثریت کے ساتھ چلیں گے۔ مگر خدا رکھے ایک ایسا بھی اللہ کا بندہ تھا جس نے پہلے ہی دن یہ راستہ بتا دیا کہ حق کے ساتھ چلو اکثریت کے ساتھ نہیں۔ جب سب اکثریت کے پکر میں آکے جادو گر کہہ رہے تھے تو وہ اکیلا کہہ رہا تھا انا یا رسول اللہ۔

اور آج بھی ساری دنیا میں اگر حساب لگایا جائے تو مسلمانوں کے مقابلہ میں اتنی قسمیں جو کفار و مشرکین کی پائی جاتی ہیں وہ بھی ہے اکثریت میں ہیں



اگر وہ بھی یہی Claim کرنا شروع کر دیں۔ مسلمانو آؤ مردم شماری کر لو تم زیادہ ہو یا ہم؟ اگر ہم زیادہ ہیں تو تمہارا قانون یہ ہے کہ اکثریت کے ساتھ چلو گے تو کل اگر انھوں نے بیزید کی بیعت نہیں کی تو غلطی کی تھی تم آج کیوں غلطی کر رہے ہو؟ چلے آؤ ہمارے راستہ پر۔ اور ہمارا راستہ کوئی نیا تو نہیں ہے تمہارا ہی تو راستہ ہے۔ تھوڑی دیر کیلئے بہک گئے تھے اب واپس چلے آؤ۔ ہاں میں یہ مزاحاً نہیں کہہ رہا ہوں یہ ایک تاریخی تجربہ ہے۔

آپ تو جانتے ہیں کہ اپنا ملک ہی کفار و مشرکین کا ملک ہے۔ وہاں ایک مرتبہ یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ ایک شخص کھڑا ہوا کہ اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ ہم میں ان میں اتحاد ہو جائے، اتفاق ہو جائے، کوئی جھگڑا نہ رہے تو اس کا ایک آسان طریقہ ہے کہ سب پلٹ آئیں۔ اپنے پرانے مذہب پر۔ سمجھ گئے آپ۔ کتنی سادگی سے ایک ہندو نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ان کے ساتھ متحد رہیں۔ متفق رہیں۔ مگر کوئی راستہ نکالنا پڑے گا۔ کوئی فارمولا۔ اور فارمولا بہت آسان ہے۔ یہ سب پہلے ہماری برادری میں تھے۔ ان کے پیغمبر نے آکے توڑ لیا۔ ان کے پیغمبر نے آکے ان کو ہماری برادری سے الگ کر دیا یہ ادھر چلے گئے تو یہ الگ ہو گئے۔ اسی لیے جھگڑا پیدا ہو گیا اب پلٹ کے چلے آئیں۔ جھگڑا ختم ہو جائے گا۔

جمع میں کوئی ایک سمجھدار نہیں پیدا ہوا جو اسکی بات کو رد کر سکتا۔ حق و باطل تو الگ ایک چیز ہے وہ سب جانتے ہیں۔ ہر مسلمان پہچانتا ہے مگر بات اسنے ایسی کسی کہ بجا رہی ہماری کل بھی تھی اور آج بھی ہے۔ آپ ہم سے الگ ہو گئے تھے واپس چلے آئے۔ جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ اب سب ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے ہیں۔ بڑے بڑے مقررین اور بڑے بڑے مجاہدیں اسلام اور حامیان اسلام اور محافظان اسلام سب پریشان ہیں۔ اب کیا کریں۔ یہاں تک کہ ایک مرد مومن نے

بطور مزاح کہا۔ اے بھائی آپ تو بہت اچھے بولنے والے ہیں۔ خطیب مقرر ماشاء اللہ یہ تو بہترین موقع ہے بولنے کا۔ اس نالائق کا جواب تو دیجئے۔ اس نالائق کی بات کو جواب دیجئے۔ اس نے بڑا خطرناک مسئلہ اٹھایا ہے اگر کہیں لوگ بہک گئے تو بڑی پریشانی ہو جائے گی۔ کہنے لگے ہم سے کیوں کہتے ہیں آپ بھی تو مسلمان ہیں آپ کیوں نہیں جواب دیتے۔ جو ذمہ داری ہم پر ہے وہی ذمہ داری آپ پر بھی ہے۔

انھوں نے کہا غلط کہتے ہیں آپ۔ یہ ذمہ داری صرف آپ کی ہے ہماری نہیں ہے اسلئے کہ آپ بت پرستوں سے ملے ہوئے تھے اور نوٹ کے آگئے ہیں۔ ہمارا رشتہ بت شکن سے ہے ہم کبھی ان کے ساتھ تھے ہی نہیں جو الگ ہونے کا سوال پیدا ہو۔

آپ ہم سے نہیں کہہ سکتے کہ ہم ان سے الگ ہو گئے ہیں ہم ان کے ساتھ تھے ہی نہیں ہماری پوری تاریخ گواہ ہے۔ ہماری تاریخ تو کرم اللہ وجہہ مکرّم کی ہے جو کبھی باطل کے سامنے جھکا ہی نہیں۔ جنھوں نے سر جھکا کے اٹھایا ہو وہ جا کے ملے کریں کہ اب دوبارہ جھکتا ہے یا نہیں۔

تو عزیزو! قرآن مجید نے اسی لیے واضح کر دیا کہ ایمان پہچاننا اور کفر پہچاننا حقائق پہچاننا اور اکثریت کی کوئی اہمیت نہیں ہے حق کے مقابلہ میں۔ اسکی کوئی اہمیت نہیں ہے حقائق کے مقابلہ میں۔

تو جہاں تک اکثریت کا مسئلہ تھا وہ میں نے آپ کے سامنے گزارش کر دیا۔ اب جو آخری جملہ کہنا ہے اور جو واقعہ اہمیت رکھتا ہے۔ اسے سنجیدگی کے ساتھ سنیں اور میں تذکرہ مصائب کو شروع کروں۔

یاد رکھئے گا یہ تو ان کا احترام تھا جو تنقید کرنے والے، ہنسنے والے



اور شور مچانے والے تھے۔ ان کا حال تو قرآن مجید نے واضح کر دیا۔

رہ گئے مخلصین اور محبت کرنے والے جو یہ کہہ رہے تھے۔ حضور نہ جائے۔ بیعت یزید نہیں کرتے نہ کیجئے مگر نہ جائے۔ چاہے وہ ابن عباس ہوں۔ چاہے ابن جعفر ہوں، چاہے محمد حنفیہ ہوں، چاہے ام سلمہ ہوں، چاہے کوئی اور ہو۔ جتنے مشورہ دینے والے ہیں۔ ان کے بارے میں ایک جملہ یاد رکھئے گا کہ واقعہ کربلا میں امام حسینؑ شہید ہو گئے مگر یہ جتنے مخلص مشورہ دینے والے تھے۔ یہ سب زندہ رہے۔ نہیں غور کر رہے ہیں آپ میں کیا کہہ رہا ہوں۔

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ابن عباس زندہ تھے۔ ام سلمہ زندہ تھیں۔ عبداللہ بن جعفر زندہ تھے۔ عبداللہ بن زبیر زندہ تھے۔ عبداللہ بن مطیع زندہ تھے۔ عبداللہ بن جعدہ زندہ تھے۔ محمد حنفیہ زندہ تھے۔ تنہا امام حسینؑ تھے جو شہید ہو گئے تھے۔ باقی سب زندہ تھے۔ تو جب امام حسینؑ شہید ہو گئے تو مشورہ دینے والوں کو کہنا چاہئے تھا کہ ہماری بات نہ ماننے کا یہ انجام ہوا۔ مگر یہ تاریخی حقیقت ہے کہ حسینؑ کے فرزند، حسین کے گھر والے جو زندہ رہ گئے ان کا سر انھا رہا اور جو مشورہ دینے والے تھے وہ خاموش ہو گئے۔ یعنی مشورہ دینے والوں کو غلطی کا احساس ہوا، حسینؑ والوں کو اپنی غلطی کا کوئی خیال بھی نہیں آیا۔

عابد ہمارے نے کہا کہ میرے بابا نے قربانی دیکر اسلام کو زندہ کر دیا۔

سکینہ نے کہا میرے بابا نے قربانی دیکر اسلام کو بچایا۔

ثانی زہرا نے کہا کہ میرے بھیمانے قربانی دیکر، دین خدا کو بچایا۔ ان کا سر افتخار سے انھا رہا۔ وہ اپنے اقدام کو کل بھی صحیح سمجھتے تھے اور آج بھی صحیح سمجھتے رہے ہیں۔ مگر مشورہ دینے والے خاموش ہو گئے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ نگاہ امامت جس مستقبل کو دیکھ رہی تھی۔ اس مستقبل

کو ان افراد نے اپنی جلالت قدر کے باوجود نہیں دیکھا۔ اسلئے کہ امامت کی نگاہ اور ہوتی ہے اور امت کی نگاہ اور ہوتی ہے۔

امت جہاں تک دیکھ سکتی ہے اس اعتبار سے گفتگو کرتی ہے اور امامت جہاں تک دیکھ سکتی ہے اس اعتبار سے قدم اٹھاتی ہے اور امامت کی وسعت نظر ہی سے ہم نے امام حسینؑ کے اصحاب کی حالت کو پہچانا ہے " واللہ انی لا اعلم اصحابا باوئی من اصحابی " خدا کی قسم میرے علم میں میرے اصحاب سے زیادہ وفادار اصحاب نہیں ہیں۔ " ولا اہل بیت ابر و اوفی من اہلبیتتی " اور نہ کسی کے گھر والے میرے گھر والوں سے زیادہ وفادار اور نیک کردار ہیں۔ تو میرے اصحاب سے زیادہ وفادار اصحاب نہیں اور میرے گھر والوں سے زیادہ نیک کردار گھر والے نہیں۔ اور ان سب کے سردار کا نام ہے عباسؑ علمدار۔

عباسؑ وفاداروں کا سردار، عباسؑ نیک کرداروں کا سردار، یہی وجہ ہے کہ ایک عباسؑ کا کردار ہے جس پر کتنی نگاہیں جمی ہوئی ہیں۔

مولائے کائنات کی نگاہ عباسؑ پر۔ بھیا عقیل کسی بہادر خاندان کی خاتون بتاؤ جس سے میں عقد کروں اور بہادر بچے پیدا ہوں جو کربلا میں میرے حسینؑ کے کام آئیں۔

اب جو عباسؑ دنیا میں آئے تو علیؑ عباسؑ کو اس نگاہ سے دیکھ رہے ہیں کہ یہ کربلا میں میرے حسینؑ کا فدیہ بننے والا ہے۔ اسی لیے جب آخری وقت آیا تھا تو مولائے کائنات نے سب کا ہاتھ امام حسنؑ کے ہاتھ میں دیا تھا۔ زینبؑ میں جا رہا ہوں۔ ام کلثومؑ میں جا رہا ہوں۔ محمد حنفیہ میں جا رہا ہوں۔ اس گھر کا ذمہ دار یہ میرا لال حسنؑ ہے۔ اور جب ام النہین سامنے آئیں۔ تو کہا بیٹا حسنؑ ذرا حسینؑ کو قریب



آنے دو۔ ایک ہاتھ سے حسینؑ کا ہاتھ تھاما، ایک ہاتھ سے عباسؑ کا ہاتھ پکڑا۔ عباسؑ کا ہاتھ حسینؑ کے ہاتھ میں دیکر آواز دی بیٹا۔ میں نے سبکو حسنؑ کے حوالے کیا ہے اور تجھے حسینؑ کے حوالے کر کے جا رہا ہوں۔ میں کہہ رہا ہوں نہ ہوں گا مگر جب میرا حسینؑ نرغہ اعداء میں گھر جائے تو عباسؑ میرے حسینؑ پر قربان ہو جاتا۔

علیؑ کی نگاہیں عباسؑ پر ہیں۔ ام البنینؑ کی نگاہیں عباسؑ پر ہیں۔ اسی لیے روایت کا فقہ ہے کہ جب لانا ہوا قافلہ قید (شام سے چھٹ کے مدینہ آیا اور بشیر نے آکر یہ اعلان کرنا شروع کیا کہ کہہ بلایا میں حسینؑ مارے گئے اور حسینؑ کے اہل حرم واپس آئے ہیں۔ اور یہ خبر ام البنینؑ کے کانوں تک پہنچی تو تڑپ کے بچھ کا رخ کیا آواز دی والی آپ کو تو عباسؑ کی وفا پر بڑا ناز تھا۔ آپ اپنے لال کی وفا کا ذکر بار بار کیا کرتے تھے۔ ارے زہراؑ کا لال مارا گیا۔ میرا حسینؑ شہید ہو گیا۔ یہ سننا تھا کہ ایک مرتبہ بشیر نے تڑپ کے کہا۔ ارے بی بی یہ نہ کہئے۔ جب تک عباسؑ زندہ رہے حسینؑ پر آج نہیں آنے پائی۔

تو علیؑ کی نگاہ عباسؑ پر۔ ام البنینؑ کی نگاہ عباسؑ پر۔

بس تین منزلیں اور مجلس تمام۔

ام کلثومؑ کی نگاہ عباسؑ پر۔ عاشور کی رات جب مولا ایک خیمہ سے دوسرے خیمہ میں اپنے علمدار کو ساتھ لئے ہوئے جا رہے تھے اور چھوٹی بہن کے خیمہ میں پہنچے تو کیا دیکھا کہ ایک گوشہ میں بیٹھی ہوئی زار و قطار رو رہی ہیں۔

بہن خیر تو ہے یہ رو کیوں رہی ہو؟ یہ آنسو بہانے کا راز کیا ہے؟

کہا بھیا آپ کو تو معلوم ہے کہ کل قربانی کا دن ہے۔ ام لیلیٰ علیؑ اکبر کو قربان کر دیں گی۔ شہزادی عونؑ و محمدؑ کو قربان کر دیں گی۔ جناب ام فروہ قاسم کو قربان کر دیں گی۔ مگر ہائے میرا مقدر میں تو صاحب اولاد بھی نہیں کہ آپ پر کسی کو

قربان کر سکوں۔

یہ سننا تھا کہ عباسؑ آگے بڑھے۔ بی بی یہ نہ کہئے گا۔ یہ غلام حاضر ہے۔ میں آپ کی طرف سے مولا پر قربان ہو جاؤں گا۔

ام کلثومؑ کی نگاہ عباسؑ علمدار پر۔

بس آخری منزل آگئی۔

عنزہ و بنی ہاشم کی قربانیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ وہ وقت آیا جب عباسؑ مولا کے سامنے دست ادب جوڑ کر کھڑے ہوئے۔ آقا اب مجھے بھی اجازت دیدیجئے۔ مولا اب مجھے بھی اجازت دیدیجئے۔

حسینؑ نے فرمایا۔ عباسؑ کیسے جانے دوں؟ انت حامل لوائی؟ تم میرے علمدار ہو۔ تم میرے لشکر کے سردار ہو۔ اے بھیا جب تک سردار زندہ رہتا ہے لشکر کی اس بندھی رہتی ہے۔ لشکر کے حوصلے بلند رہتے ہیں۔ بھیا تمھیں کیسے جانے دوں۔

یہ سننا تھا کہ عباسؑ نے داہنے دیکھا۔ بائیں دیکھا۔ مولا وہ لشکر کہاں ہے جس کا میں علمدار ہوں؟ وہ لشکر کہاں ہے جس کا مجھے سردار بنا یا گیا ہے؟ بس یہ سننا تھا کہ

فرزند رسولؐ نے کہا بھیا اگر جانا چاہتے ہو تو جاؤ مگر چھوٹے کیلئے پانی کا انتظام کرو۔ دیکھو خیمہ سے برابر آوازیں آرہی ہیں۔ العطش العطش۔ ہائے پیاس ہائے پیاس۔ چھوٹے کیلئے پانی کا انتظام کرو۔

آنے در خیمہ پر۔ آواز دی۔ سکینہ بچی نے چچا کی آواز سنی۔ دوڑ کر در خیمہ تک آئی۔ چچا مجھے یاد فرمایا ہے۔

کہا ہاں۔ میں نے مولا سے میدان کی اجازت مانگی۔ آقا فرماتے ہیں کہ جاؤ چھوٹے کیلئے پانی کا انتظام کرو۔ سکینہ لاؤ مشکینہ لاؤ۔ بیٹی جاؤ مشکینہ لاؤ۔ اب میں جاتا ہوں چھوٹے کیلئے پانی کا انتظام کرنے کیلئے۔ سکینہ دوڑ کر گئیں۔ مشکینہ لا کے چچا کے



حوالے کیا۔ بچے سکینز کے ساتھ دوڑے پلے آرہے ہیں۔ ارے سکینز کا پچا جانے گا تو پانی ضرور لائے گا۔ عباسؑ جائیں گے تو پانی ضرور آنے گا۔ مشکینہ لیکر پلے۔ یہاں تک کہ میدان میں آئے۔ فوجوں کو بھگا گیا۔ فرات تک پہنچے۔ گھوڑا فرات میں ڈال دیا۔ مشکینہ کو بھرا۔ چلو میں پانی لیکر آواز دی ظالمو پچا نو پانی میرے قبضہ میں ہے۔ یہ کہہ کر پانی پھینک دیا مگر میں پانی پی نہیں سکتا کہ میری سکینز پیاسی ہے۔ فرات سے پلٹ کے پلے۔ جب تھوڑی دیر گزری تب شہزادی زینبؑ نے پوچھا اے بھیا میرا شیر کہاں ہے؟ بھیا میرا عباسؑ کہاں ہے۔ کہا زینبؑ عباسؑ گئے۔ اب پلٹ کے نہ آئیں گے۔ بس یہ سننا تھا کہ زینبؑ نے پیساخہ کہا تو میرے بابا نے سچ کہا تھا۔ کہا بہن یہ تم نے کیا یاد کیا۔ کہا بابا میرے بازوؤں کو بوسے دے رہے تھے اور کہتے جاتے تھے زینبؑ تیرے بازوؤں میں رسیاں باندھی جائیں گی اب مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ وقت آ گیا ہے۔

یہ تو زینبؑ کا عالم تھا۔ اب پلٹ کے حسینؑ جو پلے پہرچم ہاتھ میں لئے ہوئے آرہے ہیں۔ ہجوں نے دیکھا سکینز آگے بڑھے چچا کا استقبال کرنے کیلئے۔ اب جو خیمہ کا پردہ اٹھایا۔ دیکھا علم آیا علمدار نہیں آیا۔ اے چچا تم کہاں رہ گئے۔ حسین نے کہا بیٹی۔ اب چچا کا انتظار نہ کرنا۔ تیرا چچا فرات کے کنارے شانے کنا کر سو گیا۔

سید علم الذین ظلموا ای مقرب نیقلمون

## مجلس ۹

اے نفس مطمئن پلٹ آ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں۔ تو ہم سے راضی ہے ہم تجھ سے راضی ہیں آمیرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

سورہ مبارکہ فجر کی ان آخری آیات کر۔ سمر کے ذیل میں "کر بلا شناسی" کے عنوان سے جو سلسلہ معروضات آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا وہ اب تقریباً آخری مرحلہ تک پہنچ رہا ہے۔

کل میں نے آپ کے سامنے عرض کیا تھا کہ واقعہ کر بلا سے متعلق یہ تین موضوعات اہمیت کے مالک ہیں۔

ایک موضوع کے بارے میں کل میں نے آپ کے سامنے کچھ باتیں گزارش کی ہیں۔

ایک موضوع کے بارے میں آج گزارش کرنا ہے او ایک کے بارے میں کل گزارش کر کے بات کو مکمل کر دینا ہے۔

اگرچہ آغازِ مجلس میں بہر حال غیر معمولی تاخیر ہو گئی اور یقیناً اس گری میں کچھ نہ کچھ آپ کے ذہنوں میں انتشار ضرور پیدا ہو گا لیکن مسئلہ کی اہمیت اور سنجیدگی کا تقاضا یہ ہے کہ آپ پوری توجہ کے ساتھ سماعت فرمائیں اور اس موقع کو غنیمت سمجھیں کہ شبِ جمعہ بھی ہے۔



اگر پر بعض علاقوں میں جمعہ کے آنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ صبح کی نماز کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور ایک دن تعطیل کا ہے تو کم سے کم طلوع آفتاب تک ضرور سونا چاہئے۔ یخر۔

جو مسئلہ آج ہمارے سامنے زیر بحث ہے۔ وہ سنجیدہ ہونے کے علاوہ انتہائی نازک بھی ہے کہ اس میں طرح طرح کی غلط فہمیوں کے پیدا ہوجانے کا بھی اندیشہ اور خطہ ہر وقت لگا رہتا ہے اسلئے میں پوری احتیاط اور ذمہ داری کے ساتھ اپنی باتیں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں اور آپ سے بھی گزارش ہے کہ اتنا ہی سمجھنے کی کوشش کریں جتنا میں کہنا چاہتا ہوں۔ اس سے زیادہ اپنے پاس سے اضافہ کرنے کی کوشش نہ کریں۔

واقعہ کر بلا کے سلسلہ میں ایک بڑی عام بات ہے جو مختلف حلقوں میں ہر دور میں دوہرائی گئی ہے اور جیسے جیسے واقعہ دنیا میں عام ہوتا جا رہا ہے اور اسکی عظمت کا احساس بڑھتا جا رہا ہے ویسے ہی ویسے اجنبی افراد کو یہ خیال پیدا ہوتا جا رہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس واقعہ کو سننے کے بعد کوئی نگاہ بلا سبب ہماری طرف اٹھ جائے اسلئے ہر آدمی کو اس بات کی فکر ہے کہ واقعہ کا رخ کسی اور طرح موڑ دیا جائے تاکہ کوئی ہماری طرف متوجہ نہ ہونے پائے۔

یہ بیسویں صدی کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ منظر ہم نے روز اول سے دیکھا ہے کہ وقت شہادت تک یزید کو یہی خیال تھا کہ حسینؑ کو قتل کر دیا جائے، ان کے اصحاب و انصار اور اولاد کو تہ تیغ کر دیا جائے۔ ان کی لاش کو پامال کر دیا جائے۔ ان کے اہل حرم کو قہقہا بنایا جائے۔ ان کے گھر والوں کو بازاروں اور درباروں میں لایا جائے اور یہی فتح مبین ہے لیکن جیسے ہی فرزند رسولؐ کی قربانی نے دنیا کو یہ محسوس کرایا کہ کتنا بڑا حادثہ تاریخ اسلام میں پیش آ گیا ہے۔ ویسے ہی چند لمحے نہ گزرنے

پائے تھے کہ یزید یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ اس واقعہ کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کا ذمہ دار ابن مرزا ہے۔

یہ ابن مرزا کی تلاش کیوں ہو رہی ہے؟ یہ ابن مرزا کو ذمہ دار کیوں بنایا جا رہا ہے؟

اسلئے کہ یزید روز اول سارا انتظام اور اہتمام کرنے کے بعد اب یہ پریشانی محسوس کر رہا ہے کہ کہیں دنیا پہچان نہ لے کہ قتل کا ذمہ دار کون ہے۔ اور دنیا کے سمجھدار افراد کا ہمیشہ طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جب بھی جرم میں یہ خطہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگ کچھ ہمارے بارے میں نہ سوچیں تو فوراً دوسرے کا نام لے لیتے ہیں تاکہ ذہن کا رخ ادھر مڑ جائے اور کوئی ذہن ادھر متوجہ نہ ہونے پائے۔

کچھ ایسی ہی پریشانیاں عالم اسلام میں پیدا ہوئیں اور کچھ ایسے ہی حالات عالم اسلام میں پیدا ہوئے جسکی بنا پر پہلے دبے الفاظ میں۔ اس کے بعد کھلے الفاظ میں یہ کہا جانے لگا کہ آپ جانتے ہیں کہ قتل حسینؑ کا ذمہ دار کون ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ امام حسینؑ کے قاتل کون لوگ تھے۔ اگر انھیں پہچانا چاہتے ہیں تو بس یوں پہچان لیجئے جو امام حسینؑ کا غم مناتے ہیں۔ جو امام حسینؑ کے غم میں روتے ہیں یہی ہیں جو قاتل حسینؑ ہیں۔

سنا ہوگا آپ نے۔ پڑھا ہوگا کتابوں میں۔ لٹریچر میں۔ اب یہ بات بار بار دوہرائی جاتی ہے کہ یہی ہیں قاتل کرنے والے۔ جنہوں نے خود ہی قتل کیا ہے اور خود ہی رو رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اسکا جواب تو میرے پاس ہے مگر میں اپنی گفتگو کو غیر سنجیدہ نہیں بنانا چاہتا ہوں اسلئے کہ بزرگوں نے ہمیشہ بچوں کے جھگڑے میں یہ سمجھایا ہے کہ اگر ایک آدمی دیوانہ ہو گیا ہے تو کیا اس کے چچے تم بھی دیوانے



ہو جاؤ گے۔ اگر ایک انسان ایسی باتیں کر کے مسلمانوں کے درمیان تفرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے اور مسلمانوں کو آپس میں لڑوانا چاہتا ہے تو کیا ہر مسلمان اسی کی طرح کا ہو جائے گا۔

کہ یہ کہہ دے کہ واقعات تم نے نقل کیا ہے۔ نہیں جو بات سنجیدہ فکر والے سمجھ سکتے ہیں اور جو بات ہر انسان کیلئے قابل قبول ہے اس کے ذیل میں میں چند باتیں رکھنا چاہتا ہوں آپ کے سامنے۔ آپ اسے خود پہچان لیں گے اور سمجھنے والا خود فیصلہ کر لے گا۔

یہ بات پیدا کہاں سے ہوئی ہے۔ یہ سوال کہاں سے اٹھایا گیا ہے کہ یہی وہ افراد تھے جو امام حسینؑ کے یا ان کے والد محترم کے ماننے والے تھے اور وہی قاتل ہو گئے۔ اس بات میں ایک بنیاد پیدا کی گئی ہے اور وہ بنیاد یہ ہے کہ لشکرِ یزید میں جتنے آنے والے تھے سپاہی۔ تیس ہزار رہے ہوں۔ زیادہ رہے ہوں۔ جتنے افراد بھی تھے ان میں تقریباً سب کے سب کوفہ سے آئے تھے۔ شام کا کوئی سپاہی نہیں تھا اور اگر رہے ہوں گے تو ناقابل ذکر افراد تھے لیکن عموماً جو لشکرِ یزید میں افراد اکٹھا ہوئے تھے فرزند رسول کا خون بہانے کیلئے۔ مورخین یہ کہتے ہیں کہ وہ تقریباً سب کے سب کوفہ والے تھے اور چونکہ سب لائے گئے تھے کوفہ سے۔ یا آئے تھے کوفہ سے۔ لہذا لوگوں نے اب یہ حساب لگایا کہ کوفہ وہ جگہ ہے کہ جہاں بیس سال پہلے امام حسینؑ کے والد محترم کی حکومت تھی۔ ۴۰ ہجری تک کوفہ میں مولائے کائنات کی حکومت تھی۔ اور ۶۱ ہجری کے آغاز میں واقعہ کربلا ہوا۔ تو بیس سال پہلے چونکہ علیؑ وہاں حکومت کر رہے تھے لہذا جتنے کوفہ والے تھے وہ سب علیؑ والے تھے۔ تو ہم کریں گے۔ سلسلہ کی کڑیاں ملا کر بات کہاں سے کہاں لے جانی جا رہی ہے۔ چونکہ بیس سال پہلے وہاں علیؑ کی حکومت تھی لہذا جتنے وہاں تھے سب علیؑ والے تھے

اور وہیں سے لوگ لائے گئے تھے کربلا میں۔ اور انہی لوگوں نے علیؑ کے لال کو قتل کیا ہے لہذا سمجھنا شروع اب بھی یہی کہہ رہا ہے کہ علیؑ کے بیٹے کو قتل کرنے والے علیؑ والے تھے۔ اس عقل کا میرے پاس تو کوئی علاج نہیں ہے لیکن میں جو باتیں آپ کے سامنے رکھوں گا۔ چاہتا ہوں کہ اگر میرے سننے والے حقائق سے بے خبر ہیں تو جہاں جہاں میری آواز پہنچ رہی ہے وہ ان تاریخی حقائق کو پڑھیں اگر واقعات کا فیصلہ یونہی ہوتا ہے کہ چونکہ بیس سال پہلے علیؑ کی حکومت تھی لہذا اسکا مطلب یہ ہے کہ کوفہ میں جتنے تھے سب علیؑ والے تھے اور چونکہ کوفہ میں سب علیؑ والے تھے لہذا جتنے آئے تھے قتل کرنے کے واسطے۔ وہ سب علیؑ والے تھے تو ایک جملہ مجھے بھی کہنے دیجئے کہ اتنا تو یاد رہ گیا کہ بیس سال پہلے کوفہ میں علیؑ کی حکومت تھی لہذا سب علیؑ والے تھے اتنا اور بتادو کہ اسی کوفہ میں عین حالت نماز میں جب علیؑ کو قتل کیا گیا تو یہ قتل کرنے والے کہاں تھے؟

جن کا جن کا ہاتھ علیؑ کے قتل میں ہے۔ چاہے وہ ابنِ لبکم ہو۔ چاہے وہ عورت جو تدبیر کرنے والی ہو۔ چاہے وہ حاکم کا ساتھ دینے والا ہو۔ چاہے وہ تلوار فراہم کرنے والے ہوں۔ یا وہ افراد جو زہر فراہم کرنے والے تھے۔ یہ سب کہاں والے تھے۔ باپ اور بیٹے کے مسئلے میں تو آپ نے طے کر دیا کہ باپ کے چاہنے والے تھے جو قاتل ہو گئے لیکن ابھی تو مسئلہ باپ ہی کا باقی ہے کہ جن کے چاہنے والے آپ نے قرار دیئے ہیں کیا انھیں بھی چاہنے والا کہا جائے گا کہ انھوں نے اپنی محبت میں مولانا کا گلا کاٹ دیا۔ محبت میں تلوار چلا دی۔ محبت میں فرق مبارک کو زخمی کر دیا۔

کیا یہ بھی کوئی صاحبِ عقل سوچ سکتا ہے۔ اس کے معنی کیا ہیں کہ اب دو میں سے ایک بات ماننا پڑے گی یا یہ ماننے کہ کوفہ میں دو طرف کے عناصر تھے۔ دو



طرح کے افراد تھے۔

وہ بھی تھے جو علیؑ کے چاہنے والے تھے۔

اور وہ بھی جو علیؑ کو قتل کرنے والے یا قتل میں سہارا دینے والے اور قتل کی سازش کرنے والے۔ قتل کا انتظام کرنے والے۔ قاتل کو تنوار فراہم کرنے والے۔ قاتل کو زہر فراہم کرنے والے تھے۔ جن کے بارے میں خود ابن بطیم نے کہا ہے کہ میں نے اس تنوار کو جس زہر میں بچھایا ہے اگر اس زہر کو سارے اہل کوفہ پر بانٹ دیا جاتا تو کوئی ایک زندہ نہ رہ سکتا۔ تو بتاؤ یہ زہر کس کارخانے کا تھا۔

کوفہ میں ایسا کوئی کارخانہ یا ایسی کوئی ٹیکنی جہاں ایسا زہر بننا ہو کہ تنوار کو اگر اس زہر میں بچھا دیا جائے یا سارے کوفہ میں اگر اس زہر کو بانٹ دیا جائے تو کوئی ایک زندہ نہ رہ جائے۔

جبکہ کوفہ کسی چھوٹے موٹے محلہ کا نام نہیں تھا۔ کوفہ میلوں تک آباد تھا تو وہ زہر کہاں سے آیا تھا؟ یا تو یہ کہا جائے کہ کوفہ میں دو طرح کے لوگ تھے۔ ایسے بھی تھے جو علیؑ کا کلمہ پڑھنے والے تھے اور ایسے بھی تھے جو علیؑ کو قتل کرنے والے تھے۔ اور اب یہی کوفہ ۴۰ ہجری سے بڑھ کر ۶۱ ہجری تک آگیا تو دونوں قسمیں باقی رہ گئیں۔ جو کل علیؑ کے قتل کی سازش کر رہے تھے وہ آج فرزند علیؑ کے قتل میں شریک ہو گئے اور جو کل علیؑ کا کلمہ پڑھنے والے تھے وہ آج کسی نہ کسی طریقہ سے حسینؑ کی نصرت کیلئے آگئے۔ ہم نے اسی کوفہ میں ان ظالموں کو بھی دیکھا ہے جو لشکر یزید کے سپہ سالار تھے اور اسی کوفہ سے حبیب بن مظاہر کو بھی دیکھا ہے جو کسی نہ کسی طرح سے نصرت حسینؑ کیلئے آگئے۔

اب ذرا ایک قدم اور پیچھے ہٹ کر تاریخ کا جائزہ لیں۔ مولائے کائنات کی

حکومت یقیناً کوفہ میں تھی مگر کتنے دن؟ چار برس کوفہ میں علیؑ کا اقتدار۔ چار برس۔ لیکن اس سے پہلے کیا کوفہ نہیں تھا۔ پڑھئے گا تاریخ میں اور جو پڑھے ہوئے ہیں وہ سمجھیں گے میری بات کو۔ کیا اس سے پہلے کوفہ نہیں تھا۔ کیا علیؑ نے دارالحکومت بنا کے کوفہ بنایا تھا یا کوفہ آباد کیا تھا؟

کوفہ تو اسلام سے پہلے کا شہر ہے لیکن اسلام میں جو کوفہ کی اہمیت پیدا ہوئی ہے۔ جو کوفہ کی عظمت پیدا ہوئی ہے یا کوفہ میں اجتماعیت پیدا ہوئی ہے اور وہ بڑا شہر بن گیا ہے۔ اس کوفہ کو آباد کرنے والا سعد بن ابی وقاص کو قرار دیا جاتا ہے تو کوفہ کو آباد کرنے والا کون؟ سعد بن ابی وقاص اور اس نے کوفہ کو آباد کیا دور خلافت ثانی میں۔ اس کے بعد جب دور خلافت سوم گذر گیا اور حضرت علیؑ کے ہاتھوں میں حکومت آئی تو علیؑ نے دارالحکومت مدینہ سے منتقل کر کے کوفہ بنایا۔ تو کوفہ ایک آباد علاقہ تھا جو آباد کیا گیا تھا اور فوجی طور پر چھادنی بنایا گیا تھا۔ اتنی بڑی آبادی میں چار سال علیؑ کی حکومت بھی رہی تو جو کوفہ میں تھے وہی تو علیؑ کا کلمہ پڑھ رہے تھے۔ جو کوفہ میں آباد تھے وہی تو علیؑ کے ماننے والے ہو گئے تھے۔

یہ تو ساری دنیا کا قاعدہ ہے کہ جو جس شہر یا ملک میں حاکم ہو جائے گا جو حکومت پرست ہوں گے وہ بہر حال اس کا کلمہ پڑھیں گے۔ لیکن ہمیں یہ بھی پتہ لگانا پڑے گا کہ اگر آج علیؑ آگئے ہیں کوفہ میں۔ اور لوگ علیؑ کا کلمہ پڑھ رہے ہیں تو اس کے پہلے ان کا کوئی کلمہ تھا یا نہیں؟ اس کے پہلے یہ کسی کے چاہنے والے، ماننے والے تھے یا یہ زمین سے اُگنے والے اور آسمان سے برسنے والے لوگ تھے۔

وہ اگر پہلے سے آباد تھے تو ان کا کوئی عقیدہ رہا ہوگا۔ کوئی نظریہ رہا ہوگا۔ کوئی ذہنیت رہی ہوگی۔ چار برس علیؑ کی حکومت کی بنیاد پر انھوں نے علیؑ کا کلمہ پڑھا ہے تو ان کے ان بنیادی عقائد و نظریات کو بھی دیکھنا پڑے گا۔ جن عقائد و



نظریات پر پردہ ڈال کر حکومت پرستی کی بنیاد پر علیؑ کے ساتھ آگئے ہیں۔ توجہ کریں آپ۔ میں اور ذرا واضح کرنا چاہتا ہوں۔

اگر علیؑ حاکم ہونے کے بجائے فقط ایک امام، ایک صاحبِ علم و کمال ہونے کی حیثیت سے کوفہ میں آئے ہوتے اور اہل کوفہ علیؑ کا کلمہ پڑھنے لگتے تو ہم کو یہ اندازہ ہوتا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کمال کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جو علم کے پرستار ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو فضائل کے قدردان ہیں۔

مگر علیؑ آئے تو بحیثیتِ حاکم آئے اور بحیثیتِ حاکم آئے تو علیؑ کے قدردان نہیں پیدا ہوئے۔ حکومت کے قدردان پیدا ہوئے۔ نہیں۔ اس جملے کو نہ بھولنے گا۔ جو اکثریت پیدا ہوئی ہے وہ حکومت کی قدردان ہے۔ وہ علیؑ کی قدردان نہیں ہے۔ جس کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ مولائے کائنات نے کوفہ میں قدم رکھنے کے بعد جو پہلی نماز جمعہ پڑھائی ہے اس نماز جمعہ کے پڑھانے کیلئے جب مولائے کائنات مسجد میں داخل ہوئے تو عالم کیا تھا۔ وہی بوسیدہ لباس، وہی بیوند دار چادر۔ علیؑ مسجد میں آ رہے ہیں۔ نماز پڑھانے کیلئے، لوگوں سے کہہ رہے ہیں۔ بھائی ذرا راستہ دیدو میں آگے جانا چاہتا ہوں۔

کہا آپ کو بڑا شوق تھا نماز پڑھنے کا تو پہلے آئے ہوتے۔ ظاہر ہے کہ لوگ پہلے سے آگے جگہ لے چکے ہیں اسلئے کہ نیا خلیفۃ المسلمین، نئے امیر المومنین، نیا حاکم وقت آج نماز پڑھانے والا ہے۔ انھوں نے کسی پیش نماز کے پیچھے پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو۔ کبھی نماز پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو۔ مگر جب یہ معلوم ہو جائے کہ حاکم وقت نماز پڑھانے والا ہے تو یوں بھی جمع ہونے والا ہے۔

آپ کو اگر معلوم ہو جائے کہ آج حاکم وقت کا کلمہ پڑھنے والا ہے۔ تو مرد عورت کوئی بھی ہو سب اکٹھا ہو جائیں گے۔

ہم دو گھنڈے بولتے رہیں نہ آئیں گے لیکن اگر معلوم ہو جائے کہ سربراہ مملکت کا کلمہ پڑھنے والا ہے۔ وزیر اعظم بولنے والے ہیں۔ فلاں صاحب تقریر کرنے والے ہیں۔ تو چاہے تماشائیوں کا مجمع سہی مگر اکٹھا تو ہوجاتا ہے۔

تو حکومت کی پرستاری کا جذبہ ہر دور میں رہا ہے۔ لہذا آج جو مجمع آ رہا ہے۔ سرکاری مجمع ہے اسی لیے کہہ رہا ہے کہ اگر آپ کو نماز پڑھنے کا شوق تھا تو پہلے آئے ہوتے۔ کہا اگر چہ میں دیر سے آیا ہوں مگر رستہ تو دیدو۔ کہا نہیں آگے نہیں جاسکتے۔ آپ پیچھے بیٹھ جائیے ہم اتنی دیر سے جگہ لئے بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ چاہے جتنی دیر سے آئیں آگے بڑھ جائیں؟ یہ نہیں ہو سکتا ہے۔

ارے بھائی راستہ دیدو۔

کہا آپ کو نہیں معلوم ہے کہ آج امیر المومنینؑ پہلے پہل نماز پڑھانے کیلئے آ رہے ہیں۔ ہم ان کے پیچھے نماز پڑھنے کیلئے آئے ہیں جو حاکم اسلامی ہیں۔ جو خلیفۃ المسلمین ہیں۔ جو امیر المومنین ہیں۔ ہم ہرگز جگہ نہیں دے سکتے ہیں۔ ہم ذرہ برابر ہٹنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔

مولائے کائناتؑ نے کہا مگر مشکل یہ ہے کہ جس کے پیچھے تم نماز پڑھنا چاہتے ہو۔ اگر مجھے آگے نہ جانے دو گے تو نماز نہ ہو سکے گی۔

کہا مطلب کیا ہے۔ کیا حاکم آپ کے قبضہ میں ہے کہ آپ آگے نہ جائیں گے تو وہ بھی نہ جائیں گے۔ وہ سمجھے کہ جس طرح ہر حکومت اور حاکم کے ساتھ دوچار ایسے آدمی لگے رہتے ہیں جنکی منہسی میں حاکم ہوتا کہ جہاں کہہ دیا چلے جائیں گے۔ جہاں منع کر دیا نہیں جائیں گے۔

یہ بھی کوئی صاحب ہوں گے جو اتنا رعب و دبدبہ دکھلا رہے ہیں۔ کہ ہم اگر نہ جائیں گے تو نماز نہیں ہوگی۔



کہا آپ کون ہوتے ہیں۔ آپ سے کیا تعلق ہے۔ ان کو آنے دیجئے وہ نماز پڑھائیں گے۔ ہم نماز پڑھیں گے۔ آپ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔  
کہا مشکل یہ ہے کہ جس علیؑ کے پیچھے تم نماز پڑھنے کیلئے بیٹھے ہو وہ میں ہی ہوں۔

کہا ہے کہ کبھی قوم نے دیکھا ہوگا یہ لباس۔ کہاں قوم نے دیکھی ہوگی یہ بیوندار چادر۔ کہاں قوم نے دیکھا ہوگا یہ سادہ لباس۔ کون باور کر سکتا تھا کہ یہ ہے خلیفۃ المسلمین۔ کون سمجھ سکتا تھا کہ یہ ہیں امیر المومنین۔ جو نماز پڑھانے کیلئے آئے ہیں۔ مگر جیسے ہی یہ معلوم ہوا کہ واقعاً یہی علیؑ ہیں جو نماز پڑھانے کیلئے آئے ہیں۔ سارا مجمع کھڑا ہو گیا۔ آئے حضور تشریف لائے۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ سب علیؑ کے پرستار ہیں یا حکومت کے پرستار ہیں۔ علیؑ آئے تو راستہ نہ دیا حاکم آگیا تو سارا مجمع اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب تو آپ کو اندازہ ہوا کہ جو علیؑ کے ساتھ آگئے تھے ان کی اکثریت حکومت والی تھی۔ امامت والی نہیں تھی۔

لہذا جس طرح ہر حکومت کے ساتھ وابستہ رہے۔ اب علیؑ حاکم ہو گئے تو ان کے ساتھ بھی وابستہ ہو گئے۔

یہ ایک منظر تھا جو میں نے آپ کے سامنے عرض کر دیا ہے اس کے بعد وقت نہیں رہ گیا ہے کہ میں ان ساری باتوں کو گزارش کروں کہ کوفہ کیا تھا۔ اسکی آبادی کیا تھی۔ اس کے خصوصیات کیا تھے۔ کوفہ کب آباد ہوا ہے۔

جب کوفہ آباد ہوا ہے تو اس وقت کی صورت حال کیا تھی۔ تاریخ کا بیان ہے کہ کوفہ نے اسقدر اہمیت پیدا کر لی تھی کہ جو بدر کے بدر بین کہے جاتے تھے وہ بھی اور دیگر اصحاب بھی آکر کوفہ میں آباد ہو گئے تھے۔ مختلف قبائل۔ ادھر ادھر سے

منتقل ہو کر کوفہ میں آباد ہو گئے۔ کسی قبیلہ کے بارہ ہزار آدمی۔ کسی قبیلہ کے آٹھ ہزار آدمی۔ کسی قبیلہ کے دس ہزار آدمی مختلف علاقوں سے آکر آبا ہو گئے۔ مختلف قومیں آکر آباد ہو گئیں۔ مختلف زبان والے آکر آباد ہو گئے۔ مختلف عقائد اور نظریات والے آباد ہو گئے۔ حد یہ ہے کہ اسی کوفہ میں اگر آپ عقائد کو دیکھنا چاہیں گے تو کوفہ میں جتنا کاروبار تھا وہ عیسائیوں کے ہاتھ میں تھا۔ کوفہ میں جتنے سازشی کاروبار تھے وہ سب یہودیوں کے ہاتھ میں تھے۔ کوفہ میں سادے مسلمان بھی تھے اور کوفہ میں غار جی بھی آباد تھے۔

ایسا نہیں ہے کہ کوفہ کسی مخلصین کی بستی کا نام ہو۔ میں اسکی دلیل ابھی آپ کے سامنے گزارش کروں گا۔

کوفہ کی یہی کیفیت بنیاد تھی کہ مولائے کائنات بار بار اہل کوفہ کے حرکات پر، ان کے اعمال پر تنقید کرتے رہتے یہاں تک کہ وہ منزل بھی آگئی جب جناب امیرؑ نے خود یہ فرمایا کہ اگر شام کا حاکم مجھ سے درہم و دینار کا سودا کرنا چاہے تو میں تیار ہوں۔

درہم و دینار کے سودے کے معنی کیا ہیں۔ درہم و دینار کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک دینار میں دس درہم۔ اگر حاکم شام درہم و دینار کا سودا کرنا چاہے۔ یعنی ہم سے دس لپے اور اپنی فوج کا ایک دیدے تو ہم اس سودے کیلئے بھی تیار ہیں۔ کیوں؟ اسکا راز خود امیر المومنینؑ نے اپنے خطبہ میں بیان کیا ہے۔ خطبہ نبی بلبلۃ میں موجود ہے جس نے پڑھا ہے وہ جانتا ہے جس نے نہیں پڑھا ہے وہ جا کر دیکھے۔

کسی قوم کے بارے میں کوئی نظریہ قائم کرنے سے پہلے اسکی تاریخ کو اور اس کے حقائق کو پڑھنا ضروری ہے ورنہ اتہام اتہام ہے۔ الزام الزام ہے۔



اسکو نہ حقیقت کہتے ہیں نہ نظریہ کہتے ہیں۔ امیر المومنینؑ نے جس سودے کی بات کی کہ میں دس دیکر ایک لے سکتا ہوں۔ کیوں؟ کیا اسلئے کہ وہ سب متقی ہیں۔ پر ہنگامہ ہیں۔ وہ صاحبِ ایمان ہیں۔ فرمایا تم جانتے ہو کہ میں تمہارا امام برحق ہوں مگر اس کے بعد بھی تم میری اطاعت نہیں کرتے ہو اور وہ جانتے ہیں کہ ان کا راستہ باطل پر ہے مگر پھر بھی اطاعت کرتے ہیں۔

غور کیا آپ نے۔ میں حق پر ہوں تم جانتے ہو۔ مگر میری بات نہیں مانتے ہو۔ میں تم سے جہاد کیلئے کہتا ہوں تو جہاد کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ حکم دیتا ہوں تو عمل نہیں کرتے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ ان کا راستہ باطل پر ہے مگر اس کے بعد بھی اسکی اطاعت کرتے ہیں۔ تو جبراً اطاعت ایک قابلِ قدر جذبہ ہے چاہے کسی قوم میں پیدا ہو جائے۔

یہ کوفہ کی صورت حال ہے جو مولائے کائناتؑ نے بیان کی ہے آپ خود اندازہ کریں کہ جنگو دس دیکر ایک لینے پر علیؑ تیار ہو جائیں کیا ان کو بھی علیؑ والا کہا جائے گا۔ اگر یہ علیؑ والے علیؑ کی نگاہ میں ہوتے تو مولائے کائناتؑ ایک ان میں کا دینے کیلئے تیار نہیں ہو سکتے تھے۔ مگر ان کو اپنے سے الگ کرنا، اپنے سے جدا کرنا۔ اسی لیے چاہتے ہیں کہ مجھے حاکم دیکھ کر میرے ساتھ آگئے ہیں۔ یہ وفادار نہیں ہیں۔ اور جو ایسے بے وفا افراد ہیں ان کو علیؑ کا پھرو، اور علیؑ کا چاہنے والا کسی قیمت پر نہیں کہا جاسکتا ہے۔

یہ کوفہ کی ماضی کی صورت حال ہے جہاں دونوں طرح کے افراد، دونوں طرح کے نظریات اور دونوں طرح کے افکار موجود تھے۔

اس کے بعد جب امام حسینؑ مدینہ سے ہل کر مکہ آئے اور مکہ میں امام حسینؑ نے قیام کیا۔ ۲۸ رجب کو امام حسینؑ نے مدینہ چھوڑا اور ۵ شعبان کو امام حسینؑ مکہ میں آگئے۔

۵ شعبان سے ۸ ذی الحجہ تک پورا شعبان کا مہینہ۔ رمضان کا مہینہ شوال کا مہینہ ذی قعدہ کا مہینہ۔ یہ چار مہینہ امام حسینؑ تک مکہ میں رہے۔ اس چار مہینہ کے دوران جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ فرزند رسولؐ کو اتنا ستایا گیا ہے کہ امام حسینؑ نے وطن چھوڑ دیا ہے اور حرمِ خدا تک آگئے ہیں۔ تو لوگوں نے جو محسوس کیا ہو اور جتنا محسوس کیا ہو کہ امام حسینؑ کیوں انھے ہیں اور امام حسینؑ نے کیوں قیام کیا ہے۔ ایسے افراد بھی تھے جنہوں نے اس موقع کو بہترین موقع جانا کہ جب ظلم اس منزل پر آجائے کہ نبیؐ کے نواسہ کو وطن میں نہ رہنے دے تو ایسے ظالموں کے خلاف آواز اٹھانا بہت آسان ہے۔ نبیؐ کے نواسے کی مظلومیت کا سہارا لیکر۔ لہذا کوفہ میں ایسے افراد بھی پیدا ہوئے جنہوں نے یہ آواز اٹھائی جیسے سلیمان بن صرد، مسیب، صیب بن مظاہر وغیرہ اور ایسے افراد بھی تھے جنہوں نے اپنے مقصد کیلئے امام حسینؑ کی مظلومیت کو سہارا بنانا چاہا۔

چنانچہ اس چار مہینہ کے دوران امام حسینؑ کے پاس کم سے کم بارہ ہزار خطوط کوفہ سے آئے ورنہ انھارہ ہزار خطوط بلکہ اس سے بھی کم عرصہ میں جس کے بعد امام حسینؑ نے جنابِ مسلم کو رخصت کر دیا تھا۔

ان بارہ ہزار خطوط کا تذکرہ تاریخ میں عدد کے اعتبار سے تو ملتا ہے مگر بارہ ہزار خطوط کسی کتاب میں درج نہیں ہیں کہ ان بارہ ہزار خطوط میں کیا لکھا ہوا تھا ہاں یہ سب لکھتے ہیں کہ کم سے کم بارہ ہزار خطوط اس عرصہ میں اہل کوفہ نے فرزندِ رسولؐ اشقین امام حسینؑ کے پاس بھیجے۔ جن بارہ ہزار خطوط میں سات طرح کے مضامین کا تذکرہ تاریخ میں موجود ہے۔ یعنی سات خطوط کے مضامین مختصر یا مفصل موجود ہیں۔

پہلا خط جو امام حسینؑ کے پاس آیا ہے۔ اس خط کا مضمون یہ ہے کہ فرزندِ رسولؐ ہمکو یہ خبر ملی ہے کہ ظالم نے دنیا کو چھوڑ دیا ہے یعنی حاکم شام نے۔ وہ



طاغی و باغی دنیا سے جا چکا ہے اور، یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ کو اتنا ستایا گیا ہے کہ آپ نے وطن چھوڑ دیا ہے اور تکمیر آگے ہیں اب یہی وقت ہے قیام کرنے کا۔ لہذا ہملوگوں نے یہاں اجتماع کیا ہے اور اجتماع کرنے کے بعد یہ طے کیا ہے کہ آپ کو آپ کا حق ملنا چاہئے۔ اگر آپ قیام کریں گے تو ہم سب آخری سانس تک آپ کا ساتھ دینے کیلئے، آپ کی حمایت کرنے کیلئے تیار ہیں۔ ہم اپنے اجتماع کو برقرار رکھنے کیلئے، اپنے اجتماع کو مستحکم بنانے کیلئے ایک امام، ایک قائد، ایک راہنما کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ اگر وہ ہمارے درمیان ہو تو ہمارے قیام میں کوئی مانع نہیں ہے۔ ہم اٹھ کھڑے ہوں گے بس ہمیں ایک ایسا راہنما چاہئے، ایک ایسا قائد چاہئے جو ہمارے اس قیام کی قیادت کر سکے۔

یہ ایک مضمون ہے پہلے خط کا جو امام حسینؑ کے پاس آیا اور یہ درحقیقت آج کی زبان میں وہ حسنؑ ظن ہے جو اس میٹنگ میں پاس ہوا تھا جو پہلا جلسہ ہوا تھا امام حسینؑ کی حمایت میں جس میں جناب صیب بن مظاہر، جناب مسیب، جناب سلیمان بن صد اور ایسے دوسرے پرستاران حق اور محققین حقیقت موجود تھے لہذا یہ خط امام حسینؑ کے نام روانہ کر دیا گیا۔ جس خط کے بعد امام حسینؑ نے جناب مسلم کو کوفہ کی طرف بھیجا ہے۔

دوسرا خط نھیک اسی کے چھے چھے آیا اس کا بھی مضمون تقریباً یہی تھا۔

اس کے علاوہ جتنے خطوط آئے ہیں سب میں یہی ہے کہ جلدی آئیے۔ آئیے فرزند رسولؐ خرے پک گئے ہیں۔ نہریں جاری ہیں۔ ماحول بڑا شاداب ہے۔ حالت بہت اچھے ہیں تشریف لائیے۔ العیاذ باللہ

ہم نے کبھی ایک مدت پہلے یہ تجربہ کیا تھا کہ مخلصین جو بعض ذہنات میں رہنے والے ہوتے ہیں۔ وہ اظہار خلوص و محبت اگر کرنا چاہتے ہیں تو اپنے چاہنے

والوں سے جو شہروں میں آباد ہیں یہ کہتے ہیں کہ اب آم کی فصل تیار ہو گئی ہے یا مثلاً گنے کی فصل تیار ہو گئی ہے اب تشریف لائیے تو یہ جو آم کی فصل میں بلا تے ہیں یہ کاہے کیلئے بلا تے ہیں؟ کوئی مسئلہ پوچھنے کے واسطے بلا تے ہیں یا آم کھانے کے واسطے مثلاً یا جو گنے کی فصل میں بلا تے ہیں۔ وہ گنے کا رس پلانے کے واسطے بلا تے ہیں یا مسئلہ دریافت کرنے کیلئے۔ درحقیقت انہیں معاملات یا دین و مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے ان کا مسئلہ مذہب نہ عقائد نہ معلومات یہ صرف دنیا کے تعلقات کے نبھانے کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔

آئیے ذرا ان دونوں خطوط کا فرق پہچانئے۔

ایک خط آتا ہے کہ ہم کو یہ معلوم ہوا کہ اس باغی طاغی کا انتقال ہو گیا ہے ہم کو یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ کو وطن سے باہر کر دیا گیا ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ آپ کے علاوہ حقدار خلافت اسلامیہ کوئی نہیں ہے۔ آپ اٹھنے کیلئے تیار ہوں۔ ہم جان دینے کیلئے تیار ہیں۔ اسلئے کہ ہمارے اس اجتماع کیلئے ایک قائد چاہئے اور ہم نے اتنا انتظام کر لیا ہے کہ ہم کوفہ کے ماکم کے چھے نماز نہیں پڑھتے ہیں اسلئے کہ یہ نااہل بادشاہ کا نمائندہ ہے۔

یہ ایک مضمون ہے اور دوسرا مضمون خرے پک گئے ہیں، نہریں جاری ہیں۔ ماحول شاداب ہے۔ حالت عمدہ ہیں۔ تشریف لائیے۔

آپ ان دونوں مضامین کے پڑھنے کے بعد خود سوچیں۔ کیا دونوں مضامین ایک ہی طرح کے ذہن کی پیداوار ہو سکتے ہیں۔ نہیں۔ بڑی عجیب و غریب بات ہے۔ اسے آپ پہچان لیں تاکہ میں سلسلہ کو آگے بڑھاؤں۔ تھوڑی زحمت ضرور ہوگی مگر مسئلہ کو حل ہونا ہے تو کیا یہ دونوں مضامین ایک ہی طرح کے ذہن کی پیداوار ہو سکتے ہیں۔ یعنی وہ آدمی جس کو ایک انقلاب کی فکر تھی، وہ آدمی جس کو قیام کی فکر تھی،



وہ آدمی جسکو امام کی فکر تھی وہ آدمی جس نے نماز جماعت میں جانا چھوڑ دیا تھا کہ بیش نماز نااہل ہے، وہ آدمی جو یہ چاہتا ہے کہ اما حسینؑ آجائیں تاکہ ان کے ہاتھوں پر بیعت کر کے قیام کریں اور اسلام کو زندہ کرنے کی تحریک کو آگے بڑھائیں۔

اس آدمی کو یہ فکر ہوگی کہ خرے پک گئے ہیں یا کچے رہ گئے ہیں۔ نہریں جاری ہیں یا ان کا پانی خشک ہو گیا ہے۔

یہ دونوں فکر میں بتا رہی ہیں کہ پہلا خط دیندار ذہن کی ترجمانی کر رہا ہے اور دوسرا خط دینا دیندار ذہن کی ترجمانی کر رہا ہے کہ جہاں خرے چاہئے۔ پانی چاہئے۔ آرام چاہئے۔ نہ امام چاہئے اور نہ ہدایت چاہئے۔ توجہ کی آپ نے یہ تو دو ذہنوں کی پیداوار ہیں۔ اب آئیے دونوں کے دستخط پہچانئے۔ جب پہلا خط آیا تو جن لوگوں نے دستخط کئے ہیں۔ وہ ہیں جناب سلیمان بن صد، صیب بن مظاہر، جناب مسیب اور ایسے ہی دیگر افراد اور جب دوسرا خط آیا تو اس پر دستخط کرنے والے تھے حسین بن نیر، عمر بن حریش اور شبث بن ربعی جیسے افراد جو کہ بلا میں لشکر یزید کے سردار تھے۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ دونوں طرح کے خط لکھنے والے کہ بلا میں آئے اکٹھا ہو گئے۔ سب نہ سہی تو کچھ اس خط والے آگئے۔ کچھ اُس خط والے آگئے اور جو نہیں آسکے انھوں نے واقعہ کر بلا کے بعد تو ابین کی جماعت کے ساتھ قیام کر کے اعلان کر دیا کہ ہم شہادت حسینؑ کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔ یعنی ہم اب بھی حسینؑ کے ساتھ ہیں جیسے کہ پہلے حسینؑ کے ساتھ تھے اور یہ لوگ جو خرے اور نہروں کی بات کر رہے تھے یہ سب لشکر یزید کے سردار اور علمدار دکھائی دے رہے تھے۔ اب دونوں ذہن پہچانیں۔

دیندار ذہن امامت کی بات کر رہا تھا۔ دیندار ذہن خرے اور نہروں کی بات کر رہا تھا۔ جو دیندار تھے وہ حسینؑ کی حمایت میں آئے جو دیندار تھے وہ حسینؑ کی مخالفت میں آئے۔ اب یہ فیصلہ ہر صاحب عقل کر سکتا ہے کہ حسینؑ والا کون تھا اور حسینؑ کا مخالف کون تھا۔ کوڈ نے دونوں طرح کے افراد پیدا کئے۔ فرق یہ ہے کہ جو حسین کو امام ماننے والے تھے وہ حسینؑ پر قربان ہو گئے اور جو حسین کو سبز باغ دکھلانے والے تھے انھوں نے حسینؑ کے قتل کا انتظام کیا۔ اب تو پہچان لیا کہ قاتل کا مذہب کیا ہے اور حمایت کرنے والے کا مذہب کیا ہے۔

یہ میں نے چند تاریخی حقائق آپ کے حوالے کر دیئے تاکہ یہ باتیں آپ کے ذہن عالی میں محفوظ رہیں لیکن اب زیادہ طول دینے کا موقع نہیں ہے اور باتیں بہت سی گذارش کرنا ہیں۔ اب جلدی جلدی دو ایک جملے اور سن لیں۔

واقعہ کر بلا کے بارے میں ساری دینا جانتی ہے کہ امام حسینؑ ان کے اصحاب، ان کے خاندان والے۔ یہ تھے شہید ہونے والے اور جو بھی قتل کا زمرہ دار ہوا اب وہ صورتِ زمین خود طے کریں گے اسلئے یزید کہتا ہے کہ ابن مرجانہ، ابن مرجانہ کہتا ہے کہ یزید۔ جو بھی ہو بالآخر قتل حسینؑ کا زمرہ دار یا یزید یا ابن زیاد ہے یا ابن سعد ہے یا شمر ہے یا خولی ہے یا ستان ہے۔ جو بھی ہے یہ تو ظاہر ہے، لوگ جانتے ہوں گے۔ جو ان سب کو پہچانتے ہیں وہ جانتے ہوں گے۔ اور جو شہید ہونے والے ہیں ان کو بھی دینا پہچانتی ہے۔

امام حسینؑ ہیں۔ ان کے اصحاب و انصار ہیں۔ ان کے خاندان والے ہیں۔ اور ان کی گود کے پابے ہیں۔

اب مجھے ایک بات گذارش کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ بات بڑی نازک ہے لیکن اس کے بغیر بہر حال بات مکمل ہونے والی نہیں ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ علیؑ والے تھے جنھوں نے حسینؑ کو قتل کیا ہے۔ ان



سے آج یہ گزارش کرتا ہوں کہ ان پوری چودہ صدیوں میں کسی ایک علیؑ کا کلمہ پڑھنے والے، علیؑ کے ماننے والے کی ایک کتاب، ایک رسالہ، ایک مضمون، ایک حصہ، ایک جملہ کہیں سے ڈھونڈ کر نکالو کہ کسی نے کبھی یزید کی حمایت کی ہو۔ کبھی ابن زیاد کی حمایت کی ہو۔ کبھی شمر کی حمایت کی ہو۔ کبھی ابن سعد کی حمایت کی ہو۔ کوئی تو ان قاتلوں کی تعریف کرنے والا ہوتا۔ اگر قتل کے ذمہ دار علیؑ والے تھے تو کسی نے تو اپنے بزرگوں کی تعریف کی ہوتی۔ کسی نے تو اپنے بزرگوں کی حمایت کی ہوتی۔

جتنے علیؑ والے چودہ صدیوں میں ہمارے سامنے آئے۔ سب حسینؑ کے چاہنے والے، سب اولاد حسینؑ کے چاہنے والے۔ سب اصحاب حسینؑ کے چاہنے والے۔ ہمارے مضامین، ہماری کتابیں، ہماری مجلسیں ہمارے جلسے، ہمارے جلوس اس بات کا اعلان ہیں کہ ہم حسینؑ والے ہیں۔ ہم نے اس اعلان کی بڑی سنگین قیمت ادا کی ہے مگر اپنے کو حسینؑ والا کہتے تھے۔ کہتے ہیں اور کہتے رہیں گے اسلئے کہ ہم نے یزید والا اپنے کو کبھی نہیں قرار دیا۔ حیرت کی بات ہے کہ جو یزید سے پزار ہے وہ قتل کا ذمہ دار کہا جاتا ہے۔ اور..... اب آگے حد ادب ہے۔ میں کیا کہوں گا جو ہمیشہ یزید سے پزاری کا اعلان کرتے رہے انھیں قتل کا ذمہ دار کہا جائے اور جو کبھی خلافت یزید ثابت کریں۔ کبھی کردار یزید ثابت کریں۔ کبھی عظمت یزید ثابت کریں۔ کبھی ایمان یزید ثابت کریں۔ کبھی کردار یزید ثابت کریں یہ قتل حسینؑ کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

میں صرف بات کو تمام کرتے ہوئے چار جملے، چار لفظیں ہیں جو آپ کے حوالے کرنا چاہتا ہوں اس سے ہر انسان خود بات کو پہچان لے گا۔ میں نہ کسی کو ذمہ دار بنا سکتا ہوں اور نہ کسی کو ذمہ دار ٹھہرانا چاہتا ہوں۔ خود جس کا جی چاہے

اپنی ذمہ داری قبول کر لے۔ مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مگر یہ علامتیں ہیں۔ جن کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ ایک لفظ درمیان میں اپنے بچوں کے واسطے گزارش کرنا چاہتا ہوں اور وہ بھی بہت ہی عجیب و غریب بات ہے کہ اگر آپ کے محلہ میں آپ کوئی قتل ہو جائے۔ خدا نکر وہ کسی آدمی کو کسی نے قتل کر دیا تو پہلا سوال یہ ہوتا ہے کس نے مارا ہے۔ چاہے کسی کو معلوم ہو یا نہ معلوم ہو۔ مرحوم کے بارے میں کوئی کچھ پوچھے یا نہ پوچھے مگر یہ سوال ہر ایک کی زبان پر آتا ہے کہ قاتل کون ہے؟ ہم نے کہا چلئے گھر والوں سے چل کر پوچھتے ہیں۔ گھر والوں کو معلوم ہوگا۔ ہم کیا جانیں۔ ہم تو اس محلہ میں رہتے بھی نہیں ہیں۔

ان کے گھر والوں کو معلوم ہوگا کہ ان کا دشمن کون کون تھا۔ ان کا جھگڑا کس سے کس سے چل رہا تھا اور ان کے والد سے کس سے اختلاف تھا۔ چلئے چل کر پتہ لگائیں۔ وہاں پہنچے۔ دیکھا بڑا مجمع لگا ہوا ہے اسلئے کہ جس نے جس نے خبر سنی۔ سبھی آگئے۔ اور سب اسی تفتیش میں آئے ہیں کہ یہ واقعہ ہوا کیسے؟ قاتل کون ہے؟ سبکو ایک ہی پریشانی ہے۔ اتنے میں ہم نے دیکھا کہ ایک نوجوان روتا چلا آ رہا ہے۔ ایک نوجوان گھر سے روتا ہوا برآمد ہوا اور چار آدمیوں نے جب اسکو روتا دیکھا تو مسکرائے گئے۔ اب جو صاحب ہمارے ساتھ تھے انھوں نے کہا کہ مولانا یہاں تک تو آپ پکڑ لائے۔ یہاں کیا معلوم ہوا۔ یہاں تو کچھ نہیں معلوم ہو رہا ہے۔ کچھ لوگ کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ ایک صاحب کھڑے رو رہے ہیں۔ میں نے کہا اب بھی آپ کو نہ معلوم ہوا۔ یہ جو رو رہے ہیں یہی قاتل ہیں اور یہ جو مسکرا رہے ہیں یہی ہمدرد ہیں۔

انھوں نے کہا۔ مولانا ہم آپ کو سمجھا رہا تھا لکھا سمجھ کے آئے تھے یہ نہیں اندازہ تھا کہ گرمی سے عقل بھی ماری جاتی ہے اور انسان کا یہ حال ہو جاتا ہے۔



میں نے کہا میں نے کیا غلط کہا؟

کہنے لگے عجیب بے عقلی کی بات کر رہے ہیں۔

میں نے کہا ارے خدا نکر وہ کسی کے بارے میں کچھ کہہ تو نہیں سکتا ہوں لیکن اگر کوئی حقیقت کو نہ سمجھے تو اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اگر کسی پر وقت پڑے تو میں آپ سے اتنا پوچھوں گا کہ مسکرا نے والے کو قاتل کہا جاتا ہے یا رونے والے کو قاتل کہا جاتا ہے۔

عزیزانِ محترم! میں نے چار لفظیں گزارش کرنے کا وعدہ کیا ہے انھیں چار منٹ میں آپ سماعت فرمائیں اور میں بات کو آخری منزل تک لے آؤں۔

پہلی بات جو ابھی میں نے آپ کے سامنے گزارش کی ہے کہ کوئی بھی ہمارا آدمی دورِ قدیم سے لیکر آج تک مولائے کائنات کا ماننے والا، آلِ محمد کا ماننے والا، اہلبیت سے محبت کرنے والا کوئی ایک انسان ایسا نہیں ملے گا جس نے کسی صدی میں، کسی دور میں، کسی زمانے میں، کسی ایک قاتل کے بارے میں اپنی احمی رائے کا اظہار کیا ہو۔ ہمیشہ اظہارِ نفرت کیا ہے۔ اظہارِ بیزاری کیا ہے۔ اب تو دنیا کو اندازہ ہو گیا کہ جو آلِ محمد سے ہمیشہ محبت کا اظہار کرتے رہے ان کے مقابلہ میں ایک دوسرا کردار کل بھی تھا اور آج بھی ہے۔ کس کا ہے؟ میں نہیں جانتا لیکن ایک کردار کل بھی تھا اور آج بھی ہے جو قاتلوں سے ہمدردی رکھتا تھا اور رکھتا ہے مگر مقتولین سے ہمدردی کا جذبہ نہیں پیدا ہوتا ہے۔

دوسرا جملہ آپ کو یاد دلاؤں جب برادرانِ یوسفؑ جنابِ یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈال کے چلے آئے اور اپنی دانست میں ان کی زندگی کا غاتمہ کر کے آئے اور آکے بابا کو خبر سنائی کہ ہم نے یوسفؑ کو سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ بھیڑیا آیا اور ان کو کھا گیا۔

آپ کا خیال صحیح تھا۔ آپ نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ ہونے والا ہے۔ تو جنابِ یعقوبؑ نے یہ سنا اور رونا شروع کر دیا۔ اتنا رونے کہ خود قرآن مجید کہتا ہے کہ آنکھیں سفید ہو گئیں۔ تو جو باپ تھا۔ جسکو محبت تھی۔ جس کا فرزند تھا۔ جو اپنے لال کا چاہنے والا تھا۔ وہ اتنا رویا کہ آنکھیں سفید ہو گئیں اور جو کنوئیں میں ڈال کے آئے تھے اب ان کا بھی کردار سنئے۔ خود قرآن مجید کہتا ہے کہ انھوں نے باپ سے کہا کہ اتنا زمانہ گزر گیا۔ بوڑھے ہو گئے۔ بارہ ہجوں کے باپ ہو گئے مگر اب بھی ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں کہ "فی ضلالک التقدم" وہی پرانی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

دونوں کردار آپ کی سمجھ میں آگئے یا نہیں۔

ایک کردار جنابِ یعقوبؑ کا ہے جو اپنے بچے کو رو رہے ہیں۔ ایک کردار برادرانِ یوسفؑ کا ہے جو اس رونے کو گمراہی قرار دے رہے ہیں۔ اب بتاؤ یوسفؑ کا قاتل یعقوبؑ کو کہا جائے یا جو رونے کو گمراہی کہہ رہے ہیں انھیں کہا جائے۔

کم سے کم مسلمان اتنا ایمان تو قرآن پر رکھے۔ سب یہ کہتے ہیں کہ قرآن ہمارے لیے کافی ہے۔ اتنا ادراک اتنا شعور قرآن بھی رکھنا چاہئے۔ اس کے بعد جو واقعہ کر بلا کے بعد چاہنے والے اٹھے ہیں ان کے بیان کو بھی آپ نے دیکھا ہے۔ اب میں یہاں پر ایک جملہ کہہ کر بات کو تمام کرنا چاہتا ہوں۔

شہادتِ حسینؑ کے وقت بھی آپ نے دیکھا۔ کہ دو طرح کے نظریات تھے۔ امام حسینؑ کے ساتھ بھی اور یزید کے ساتھ بھی۔ واقعہ کر بلا ختم ہو گیا ایک جماعت اب انھی کو فہ سے جنابِ سلیمان بن صد، جنابِ خنجر، مالک اشتر۔ یہ اٹھے ظالموں سے، قاتلوں سے، انتقام لینے آئیے تو کسکو مارا۔ ابنِ سعد کو جو قاتلِ حسینؑ



تھا۔ کسکو مارا شمر کو جو قاتل حسینؑ تھا کسکو مارا ابن زیاد کو جو قاتل حسینؑ تھا۔ یعنی یہ جماعت وہ ہے جو حسینؑ کے قاتلوں کو قتل کر رہی ہے۔ جو امام حسینؑ پر ظلم کرنے والوں کو قتل کر رہی ہے۔ اب اس جماعت کے بارے میں بھی دو نظریے ہو گئے کچھ لوگ کہتے ہیں۔ جو کیا بالکل صحیح کیا۔ یہ ظالم اسی قابل تھے کہ انھیں ایسے ہی ان کے کینز کردار تک پہنچایا جائے اور ایسے ہی تہ تیغ کیا جائے۔ کچھ کہتے ہیں کہ مختار جہنمی ہیں۔ مالک اشتر جہنمی ہیں۔ ارے دیکھئے مسلمانوں کو مار ڈالا۔ مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ بھلا ان کی نجات کیسے ہوگی۔ ان کی عاقبت کیسے بنے گی۔ اب آپ کو اندازہ ہوا کہ جب فرزند رسولؐ مارا گیا تھا تو کوئی نہیں کہہ رہا تھا کہ یزید کافر ہے۔ نبیؐ کے نواسے کو مارا ہے۔ ابن سعد کافر ہے۔ نبیؐ کے بیٹے کو مارا ہے۔ ابن زیاد کافر ہے نبیؐ کے لال کو مارا ہے۔ مگر جیسے ہی قاتل مارے گئے سب کو مختار کافر دکھائی دینے لگے۔ اب پہچانا آپ نے کس کا رشتہ نبیؐ کے لال سے ہے اور کس کا رشتہ کافروں سے ہے۔

اسی لیے میں ہمیشہ گزارش کرتا ہوں کہ مسلمان باہمی جھگڑوں میں نہ ہڑیں۔ یہ قاتل ہیں۔ وہ قاتل نہیں ہیں۔ جو قاتل حسینؑ ہے اسکا کوئی تعلق اسلام سے نہیں ہے۔ نہ فرقہ اور جماعت۔ ایسے شخص کو مسلمان نہیں کہا جاسکتا ہے اور پچھلے دور کے مسلمان شاید نہ سمجھے ہوں مگر آج کے مسلمان میں اتنا شعور پیدا ہو گیا ہے کہ جب نبیؐ کے ساتھ سے اختلاف کرنے کے بعد آدمی مسلمان نہیں رہ جاتا ہے تو نبیؐ کے بیٹے کو قتل کرنے کے بعد کیسے مسلمان رہ جائے گا۔ ہم ایسے افراد کو مسلمان نہیں مان سکتے ہیں جو ہم کہیں کہ اس فرقے کے تھے یا اس فرقے کے تھے۔ یہ فرقوں میں لڑوانے والے، یہ فرقوں میں جھگڑا ڈالنے والے وہ ہیں جو غیروں کی سازش پر کام کر رہے ہیں اور یہ اپنی طرف سے نگاہ موڑنے کیلئے مسلمانوں کو

اہلس میں لڑوا رہا ہے۔ ورنہ سچی بات یہ ہے کہ ہم تو ایک بات جانتے ہیں کہ جو قاتل حسینؑ کا ذمہ دار ہو یعنی جو نبیؐ کا خون بہائے اور میں نے غلط نہیں کہا ہے جو منبرؑ نے خود فرمایا ہے کہ اسکا خون میرا خون ہے، اسکا گوشت میرا گوشت ہے۔ جو نبیؐ کا خون بہائے وہ مسلمان کہنے کے قابل نہیں ہے اور بات بہت واضح ہے کل کا میرا فقہو اگر یاد ہو تو خود ہی حساب لگا لیجئے گا مسند حل ہو جائے گا۔ ہم کیوں کہیں کہ مسلمان فرقوں میں بٹ گئے۔ جماعتوں میں بٹ گئے۔ ایک قاتل ایک مقتول۔ ایک طرف ان کے والے ایک طرف ان کے والے۔ ہم تو صاف جانتے ہیں کہ مسلمان صرف ایک تھا اور یہ جو قاتل کر ذمہ دار ہیں یہ مسلمان نہیں تھے۔ کچھ فتح مکہ کی مجبوری کی بنا پر کلمہ پڑھ چکے تھے اور کچھ حالات کی نزاکت سے اسلام کا اعلان کر رہے تھے ورنہ سچی بات یہ ہے کہ مسلمان سب آل رسولؐ کے چاہنے والے اور حسینؑ کے پرستار تھے۔ جو باہر والے آگئے ہیں ان کو ان کی جماعت میں وہاں سے کر دو جو جبری کلمہ پڑھنے والے ہیں انھیں کفر کی طرف پلٹا دو۔ جو عیسائی عورت کا بچہ ہے اسے عیسائیوں کے حوالے کرو۔ جو یہودی عورت کا بچہ ہے اسے یہودی عورت کے حوالے کر دو سارے اختلافات ختم ہو جائیں گے۔

ہم کسی مسلمان کو کسی ایسے مسند کا زجرم بنا سکتے ہیں اور نہ اس پر الزام رکھ سکتے ہیں۔ بھلا کیسے ممکن ہے کہ کوئی نبیؐ کا کلمہ پڑھنے والا ہو اور نبیؐ کی اولاد کا قاتل ہو۔ کیسے ممکن ہے کہ واقعاً کوئی انسان مسلمان ہو اور اس کے بعد رسولؐ کا گھر اجاڑ دے۔ یہ بات تصور نہیں کی جاسکتی ہے۔ یہ باہر والے ہیں جو اپنے عیب پر پردہ ڈالنے کے واسطے چاہتے ہیں کہ مسند کو مسلمانوں کے درمیان رسا جھگڑے میں ڈال دیا جائے کہ قیامت تک لڑتے رہ جائیں۔ کوئی ہمکو مڑ کے دیکھنے بھی نہ پائے۔ ورنہ ہم اس زہر کو بھی پہچانتے ہیں کہ اگر حاکم شام کے دربار میں عیسائی طیبیہ نہ ہوتا تو ابن لمیم کو لہ سا زہر کہاں سے مل سکتا تھا۔



تاریخ کا فقوہ ہے کہ حاکم شام کے دربار میں ایک عیسائی طبیب تھا اور اس کا کام تھا فقط زہر بنانا اور وہ اسی لیے رکھا گیا تھا کہ لوگوں کو زہر کے ذریعہ قتل کر دیا جائے۔ اگر وہ عیسائی طبیب اور ایسا زہر بنانے والا نہ ہوتا تو ابن بطیم کو ایسا زہر کہاں سے مل جاتا اور اگر ایسے افراد نہ ہوتے تو اتنے بڑے بڑے واقعات تاریخ اسلام میں کیسے ہو جاتے۔

یہ باہر والے ہیں۔ کفر والے، شرک والے، عیسائیت والے اور یہودیت والے ہیں جو ہمیشہ اسلام کے دشمن رہے ہیں۔ کوئی اپنے خیبر کا بدر لینا چاہتا ہے۔ کوئی اپنے مہابد کا بدر لینا چاہتا ہے۔ کوئی بدر و احد کا بدر لینا چاہتا ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ کچھ میں ہمت نہیں تھی۔ نہیں کر سکے۔ جس میں ہمت تھی اس نے کہہ دیا کہ کاش میرے بدر کے بزرگ زندہ ہوتے تو خوش ہوتے کہ میں نے بدر لے لیا تو جو بدر کے کافروں کا بدر لینے والا ہو کیا اسے بھی مسلمان سمجھا جاسکتا ہے۔

یہ مسند مسلمانوں کے درمیان کا نہیں ہے۔ یہ مسند اسلام اور کفر کا ہے۔ کفر نے اسلام کا بادہ اوڑھ کے اپنے اوپر نقاب ڈال کے چاہا تھا کہ مسلمانوں میں داخل ہو کے خانوادہ رسالت کو تباہ کر دے اور اسلام کی آواز کو دبا دے۔ یہ کفر کی حرکت تھی اور آج بھی اگر کوئی انسان ایسے افراد کی حمایت کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ پیچھے ہاتھ ہیں کچھ پیچھے طاقتیں ہیں جو ان کے مزے سے کمزور ہی ہیں ورنہ کسی مسلمان کا ضمیر یہ کہنے کیلئے تیار ہو جائے کہ نبی کے نواسے کا خون بہانے والا۔ زہر آکے لال کو قتل کرنے والا۔ سچا مسلمان، واقعی مسلمان اور حقیقی مسلمان ہے۔ یہ کوئی انسان تصور بھی نہیں کر سکتا ہے۔ میں نے یہ باتیں آپ کے سامنے گزارش کر دی ہیں اور اس سے زیادہ طویل گفتگو کرنے کا عادی نہیں ہوں لہذا اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا ہوں ورنہ مسند کو ایک دیہاتی نے علماء سے

اچھا حل کر دیا تھا جب ایک دیہاتی سے کسی آدمی نے کہہ دیا کہ تم کیوں روتے ہو۔ تمہارے ہی باپ دادا نے تو مارا ہے۔ تو اس بے چارہ دیہاتی نے بالکل سادہ انداز سے کہا۔ اچھا وہ جنھوں نے مارا تھا وہ ہمارے باپ دادا تھے۔ کہا بالکل۔ کہا تمہارے تو کوئی نہیں تھے۔ ہمارے باپ، دادا، پردادا کوئی بھی رہے ہوں گے۔ تمہارے تو کوئی نہیں تھے۔ تو اگر ہمارے تھے تو ہمارا جی چاہے گا تعریف کریں گے۔ جی چاہے گا لعنت کریں گے۔ تم سے کیا تعلق ہے۔

لیکن جب لعنت کریں گے تو دیکھیں گے کہ آپ کا حال کیا ہوتا ہے اور جب آپ کا رد عمل سامنے آئے گا تو خود ہی واضح ہو جائے گا کہ کون کس کا والا تھا۔ بس عنہ زمان محترم اس سے زیادہ اب میں گزارش نہیں کر سکتا اسلئے کہ بہر حال میں اپنے بیان کو منزل مصائب تک لے جانا چاہتا ہوں۔ اس فرش عزا کی اہمیت نہ ہم سمجھیں گے نہ آپ سمجھیں گے اسے وہ ماں سمجھتی ہے جسے اسکی حسرت تھی اور جسکی یہ تمنا تھی۔ جس نے اپنے باپ سے پوچھا تھا۔ بابا جب ہم میں سے کوئی نہ رہے گا تو میرے لال کی صف عزا کون بچھائے گا اور پیغمبر نے فرمایا تھا کہ خدا ایک قوم پیدا کرے گا تو یہ ذمہ داری ہم پر آپ پر عائد ہوتی ہے۔ وجود کے اعتبار سے۔ شرکت کے اعتبار سے۔ تعاون کے اعتبار سے۔ ہر اعتبار سے اگر ذرہ برابر ہم نے کوتاہی کی اور خدا نہ کردہ اس وقار عزا میں اور اس عظمت ماتم میں ذرہ برابر کمی ہو گئی تو اسکی مسؤلیت اور اسکی ذمہ داری روز قیامت ہماری اور آپ کی گردن پر رہے گی۔ ہمیں اس دکھیا ماں کو کیا جواب دینا ہے۔

اسکا اہتمام، اسکا انصرام اور اس کے بارے میں ہر طرح کی ذمہ داری کا احساس ہر آدمی کو ہے اور ہونا چاہئے آپ جانتے ہیں اور میرے مزاج سے باخبر ہیں کہ میں ہمیشہ قول کو ان کی ذمہ داریوں سے، ان کے فرائض سے آگاہ کرتا رہتا



ہوں۔ جو حرام باتیں ہیں ان سے روکتا ہوں۔ جو واجب باتیں ہیں ان کی دعوت دیتا ہوں۔ لہذا میں اگر آپ سے پیسہ کی گفتگو کروں گا تو یہ آپ کے فریضہ کی بات ہوگی۔ چنہ کی بات نہیں ہوگی۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس فریضہ عزا کو قائم رکھیں۔ اس وقار کو برقرار رکھیں۔ اس عظمت کو برقرار رکھیں جیسے ممکن ہو۔ آپ کے گھر میں کیا ہوتا ہے اور آپ کے گھر میں کتنا غم منایا جاتا ہے وہ آپ کے گھر کا مسئلہ ہے مگر یہ مسئلہ اجتماعی طور پر ہر آدمی کیلئے اہمیت رکھتا ہے اور سب کا فریضہ ہے جسکی طرف میں آپ کو متوجہ کر رہا ہوں۔

میرے پاس الحمد للہ ہندوستان میں ساڑھے چھ سو اسکول ہیں جن کا پچیس لاکھ روپیہ سال کا خرچ ہے ساڑھے چار سو تنظیم المکاتب کے اسکول پاکستان میں کام کر رہے ہیں جن کا لاکھوں روپیہ سال کا خرچ ہے لیکن آپ بتائیے کبھی میں نے آپ سے پیسے کی اپیل کی ہے۔ آپ تو سال بھر میں منبر کے نیچے آکے بیٹھتے ہیں۔ میں کبھی اس کا قائل نہیں ہوں۔ میں ہر آدمی کو اس کا فریضہ بتاتا ہوں۔ تعلیم دین کے بارے میں آپ کی ایک ذمہ داری ہے جو خمس و زکوٰۃ سے پوری ہوتی ہے۔ فریضہ عزا کے بارے میں آپ کی دوسری ذمہ داری ہے جس میں آپ کو براہ راست حصہ لینا ہے۔ آپ کی ذمہ داری ہے۔ یہ نہیں ہے کہ اگر آپ نے چار پیسہ خرچ کر دیئے تو مجھ پر یا کمیٹی یا انجمن پر کوئی احسان کیا ہے۔ آپ نے اپنے فرض کو ادا کیا ہے اور اگر نہیں کیا ہے تو اپنے فرض سے کوتاہی کی ہے جس کا جواب آپ کو روز قیامت دینا ہوگا۔

اور یہ انتہائی افسوسناک بات ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ پہلی محرم یا اس کے پہلے سے آٹھ ربیع الاول تک ستر مجلسوں کے پروگرام میں کسی صاحب سے پانچ روپے نکل آئے۔ کسی صاحب سے دس روپے نکل آئے۔ پانچ روپے دس

روپے میں تو آدمی کسی کو اپنے گھر میں ایک چائے نہیں پلاتا ہے چہ جائیکہ ستر مجلسوں کا قیام۔ یہ سوال بھی عجیب و غریب پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنے لیے کیا کرتے ہیں اور اپنے دین اپنے مذہب کیلئے کیا کرتے ہیں ہم اپنے لیے کیا کرتے ہیں جن پر کوئی قربان ہونے والا نہیں ہے اور ان کے لیے کیا کرتے ہیں جن پر ہم کو قربان ہونا ہے۔ یعنی اگر ستر مجلسوں کے حساب سے ستر درہم بھی ایک آدمی خرچ کرے تو شاید یہ کچھ کہا جائے اسلئے کہ "وہ کچھ ہی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ کیا حقیقت ہے ایک درہم کی ایک مجلس کے مقابلہ میں اگر اپنے گھر میں غذا انکرہ کسی کا انتقال ہو جائے اور ایک سوم کی مجلس کرنا ہو تو سیکڑوں ہزاروں خرچ کرنے کیلئے آدمی تیار ہو جاتا ہے اور جب اجتماعی کام ہوتا ہے تو اپنے فرض کو اور اپنی ذمہ داری کو نہیں سمجھتا ہے۔ میں پھر گزارش کروں گا کہ یہ کوئی چنہ کی اپیل نہیں ہے۔ یہ فرض کا احساس ہے جو میں ہر آدمی میں پیدا کرانا چاہتا ہوں۔ جس میں پیدا ہو جائے وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھے میں توجہ اسلئے دلار ہوں کہ کل آنے والی رات عاشور کی رات اور فیصلے کی رات ہے۔ بڑے بڑے فیصلے حسینیہ کے بارے میں عاشور کی رات ہوتے ہیں۔ لہذا ہم اور آپ بھی اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں اور یہ سمجھیں کہ یہ ذمہ داری ہم پر ہے چاہے ہمیں کسی سے اتفاق ہو یا اختلاف ہو۔ لیکن فرض کی ذمہ داری ہر مومن پر ہے اور اس کے وقار اور اس کے احترام کو برقرار رکھنا۔ اتنا بڑا کام۔ اتنی آسانی سے نہیں ہو جاتا ہے۔ کتنی ریاضتیں۔ کتنی محنتیں افراد کی شامل رہی ہیں اور کتنا خلوص کتنا ایثار آپ کا شامل رہا ہے جو آج آپ اتنا بڑا اجتماع دیکھ رہے ہیں کہ دیکھنے والوں کو بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اس دیار غربت میں حسینؑ کے چاہنے والے ہیں اور یہ خود ایک بہترین دلیل ہے کہ حسینؑ والا کون ہے۔



ور نہ کس کے گھر میں اس سے اچھی چٹائی نہیں ہے۔

آپ اتنے افراد یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ کیا کوئی ایسا غریب مفلس بھی ہے جس کے گھر میں ایسی ہی چٹائی کبھی ہو۔ اس سے اچھے کارپٹ پر لوگ چلیں بہن کر چلتے ہیں مگر آج یہ فرش عزا۔ حسین بن علیؑ کی طرف منسوب ہو گیا ہے تو نہ کوئی پکڑوں کی صفائی دیکھتا ہے نہ راحت و آرام۔ اپنے گھر میں ایک لمحہ کیلئے الکنز سنی بند ہو جائے تو گھر چھوڑ کے باہر نکل جائیں مگر یہاں ڈیڑھ گھنٹے دو گھنٹے تک گرمی میں، شدت کی گرمی میں سیزن میں ڈوپے جا رہے ہیں مگر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ کون سا جذبہ ہے؟ ہم حسین بن علیؑ کی محبت ہے۔ یہ حسینیت کا ایک جذبہ ہے جو ہر مومن کو یہاں تک کھینچ کر لایا ہے کہ نہ کسی کو فرش کی ٹکڑی ہے نہ کسی کو شامیانے کی ٹکڑی ہے۔ نہ کسی کو ماحول کی ٹکڑی ہے نہ کسی کو آرام کی ٹکڑی ہے اور نہ کسی کو سردی گرمی کا خیال ہے اور ہم کیا گرمی کا خیال کریں۔ یہ گرمی کوئی گرمی ہے۔ ہم کیا ماحول کو دیکھیں۔ رات کی ٹھنڈک میں اور ہلکی ہلکی ہوا کا جھونکا جو آجاتا ہے ایسے ماحول میں اگر ہم بیٹھے ہیں تو یہ کوئی گرمی نہیں ہے۔

گرمی کا حال تو ان سے پوچھئے جنکو تین دن سے پانی نہیں ملا۔ گرمی کا حال کوئی ان سے پوچھے جو خیموں میں زندگی گزار رہے تھے۔ دوسری محرم سے دس محرم تک آٹھ دن تک اس ریگستان میں جنھوں نے زندگیاں گزارى ہوں۔ جنھوں نے ان مصائب کا سامنا کیا ہو۔ وہ جانتے ہیں کہ گرمی کیا ہوتی ہے۔ پیاس کیا ہوتی ہے مصیبت کیا ہوتی ہے۔ ہم تو ان مصائب کا احساس بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ اگر احساس کر لے واقعا تو انسان کا کیا عالم ہوگا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا ہے۔ یہ تو ہلکی سی توجہ پیدا ہو جاتی ہے جو آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں۔ یہ ہلکا سا خیال پیدا ہو جاتا ہے جو آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔

آج میں اپنے کسی جوان سے پوچھوں کہ تم بتاؤ تمھاری عمر جب انھارہ سال کی تھی یا میرے نوجوانو! اگر آج تمھاری عمر انھارہ سال کی ہے تو تم بتاؤ زندگی کے بارے میں تمھارا جذبہ کیا ہے اور میں اپنے بزرگوں سے پوچھتا ہوں کہ تمھارا بیٹا اگر انھارہ سال کا ہے تو تم بتاؤ کہ اپنے بیٹے کے بارے میں تمھارے جذبات کیا ہیں اور میری بہنیں بتائیں کہ انھارہ سال کے بیٹے کے بارے میں ان کے جذبات کیا ہیں اور جب اپنے اپنے حالات پر غور کر لینا تو سوچنا پہلی کے پہلو میں کون سا دل تھا۔ دختر پڑا کے پہلو میں کون سا دل تھا۔ حسین کا کلبہ کیا تھا کہ جب چاہنے والے کام آگئے تو آواز دی "بہنی اکبر تقدم" بیٹے وقت آ گیا بیٹا اب قرآنی کیلئے تیار ہو جاؤ۔

بس آپ متوجہ ہیں میں زیادہ گزارش نہیں کروں گا۔ یہ حسینؑ کے حوصلے اور ہمت کا پہلا مظاہرہ تھا کہ کڑیل جوان کو بلایا اور بلا کر کہا "بہنی تقدم" میرے بیٹے اب تم جاؤ۔ میرے لال اب تم جاؤ باپ کا حکم ملنا تھا کہ اکبرؑ جن کی رگوں میں خون شجاعت جوش مار رہا ہے جو کب سے باپ پر قربان ہونے کیلئے بے چین ہیں فوراً تیار ہو گئے۔ کہا میرے لال مگر یوں نہیں جانا ہوگا۔ پہلے خیمہ میں جاؤ پھوپھی سے اجازت لیکر آؤ۔ سیدانیوں کو سلام کر کے آؤ۔ بیٹیوں سے رخصت ہو کر آؤ اس کے بعد میدان میں جانا۔

بس عزیزو! یہ سننا تھا کہ جوان بیٹا خیمہ کی طرف چلا۔ خیمہ میں آئے۔ آکے پھوپھی کے سامنے دست ادب جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ پھوپھی اماں اچھے مرنے کی اجازت دیدیجئے۔

زینبؑ نے اپنے لال کو سر سے پر تک دیکھا۔ ہاں میرے لال میں نے تمھیں انھارہ سال اسی دن کیلئے پالا تھا کہ تم مجھ سے مرنے کی اجازت لینے کیلئے آؤ گے مگر



میرا بھیا نرغہ اعدا میں گھرا ہے لہذا اکبرؑ میں تمھیں روک نہیں سکتی۔ اگر تم قربان ہو جاؤ اور بھیا تھوڑی دیر بھی بچ جائیں تو میں ایسے کتنے علی اکبرؑ قربان کر سکتی ہوں۔

رخصت کیا سیدانیوں سے رخصت ہوئے۔ سب سے رخصت ہوئے اب خیمہ گاہ سے باہر نکلنا چاہتے ہیں۔ ایک مرتبہ بیبیوں نے کہا۔ علی اکبرؑ ایک لمحہ کیلئے نمبر جاؤ۔ علی اکبرؑ نے کہا بیبیو تمھیں تو معلوم ہے کہ وقت کتنا نازک ہو گیا ہے۔ میرا بابا نرغہ اعدا میں گھرا ہوا ہے۔ چاہنے والے سب راہ خدا میں قربان ہو چکے ہیں۔ جلدی بناؤ کہ مجھے کیوں روکا ہے۔

کہا نمبر و سیدانیوں نے حلقہ بنایا۔ علی اکبرؑ حلقہ کے درمیان ہیں۔ ایک مرتبہ بیبیوں نے پیک زبان ایک جملہ کہا۔ علی اکبرؑ جاتے ہو تو جاؤ۔ مگر "ارحم غربتنا" اے علی اکبرؑ ہماری غربت پر رحم کرنا۔ اے علی اکبرؑ ہماری نیکی کا خیال رکھنا۔ بس یہ سننا تھا کہ ایک مرتبہ شہزادے نے مڑ کر دیکھا۔ اے بیبیو تمھیں اپنی غربت کا خیال ہے۔ میرے بابا کی غربت کا کچھ خیال نہیں ہے۔ مجھے رخصت کرو۔ اے میرا بابا اکیلا ہوا جا رہا ہے۔ چاہنے والے قربان ہو گئے۔ سیدانیوں نے رخصت کیا۔ علی اکبرؑ درخیمہ کے قریب آئے خیمہ کا پردہ اٹھایا۔ باہر نکلنا چاہتے ہیں مگر راوی کہتا ہے کہ جیسے ہی علی اکبرؑ نے خیمہ کا پردہ اٹھا کر باہر نکلنا چاہا۔ کسی نے دامن پکڑ کر کھینچ لیا۔ علی اکبرؑ واپس چلے آئے۔ پھر خیمہ کا پردہ اٹھا۔ پھر جانا چاہتے ہیں۔ پھر کسی نے روک لیا۔ سات مرتبہ خیمہ کا پردہ اٹھا اور گرا اور اب جو اکبرؑ نکلے تو اس شان سے نکلے جیسے بھرے گھر سے جنازہ نکلتا ہے۔

بس مجھے ایک جملہ کہنا ہے جہاں تک سوچ سکو سوچنا۔ مجھے مقتل میں کوئی فقرہ نہیں ملا۔ مجھے روایت میں کوئی لفظ نہیں ملا۔ مگر میں یہ سوچ رہا ہوں کہ پھوپھی نے تو رخصت کر دیا۔ بیبیوں نے تو خدا حافظ کہہ دیا۔ ماں نے تو روکا نہیں۔ یہ کون ہے جو علی اکبرؑ کو بار بار روک رہا ہے۔ نام تو کوئی نہیں ملا مگر ایک خیال یہ کہتا ہے کہ اگر کسی بزرگ نے

روکا ہوتا تو بازو تھما ہوتا۔ یہ کون ہے جو دامن پکڑ کر کھینچ رہا ہے عجب نہیں کہ چھوٹی بہن نے کہا ہو بھیا علی اکبرؑ کہاں جا رہے ہو۔

علی اکبرؑ نے دامن چھڑایا۔ باپ کے سامنے آئے۔ باپ نے بیٹے کو تیار کیا۔ گھوڑے پر بٹھایا۔ جاو میرے لال جاؤ مگر ایک بات کا خیال رکھنا جب تک میرا تمھارا سامنا رہے بیٹا مڑ کے دیکھتے رہنا۔

علی اکبرؑ چلے۔ میدان میں کچھ دور چلے تھے کہ ایک مرتبہ آہٹ محسوس کی۔ پلٹ کے دیکھا۔ دیکھا ضعیف باپ کمر تھامے چلا آ رہا ہے۔ اے بابا آپ نے تو رخصت کر دیا تھا۔ آپ کیوں آئے۔ کہا بیٹا اگر تم بھی صاحب اولاد ہوتے تو تمھیں اندازہ ہوتا کہ جوان کے میدان میں جانے کے بعد ضعیف باپ کا کیا عالم ہوتا ہے۔ علی اکبرؑ نے روک دیا۔ حسین رگ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر مقتل سے آواز آئی "یا ابتاہ علیک منی السلام"۔ بابا میرا آخری سلام لیجئے۔ حسین گرتے پڑتے چلے۔ آواز دی یا علی! یا علی! میں نہیں جانتا کہسے بلار ہے ہیں۔ شاید باپ کو آواز دیتے ہوں کہ بابا۔ جوان کے سرہانے جا رہا ہوں یا علی اکبرؑ کو آواز دے رہے ہوں۔ بیٹا اب کچھ سمجھائی نہیں دے رہا ہے۔ تم آواز دو کہ باپ تمھاری آواز کے سہارے آجائے۔ میں کہوں گا مولا۔ بیٹے کو آواز دینے کے واسطے زکینے آواز کا سارا زور سینے پر پڑتا ہے۔ علی اکبرؑ کے سینے میں بر چھی کا پھل نوٹ کر رہ گیا ہے۔ علی اکبرؑ کس طرح آواز دیں گے۔

حسین گرتے پڑتے بیٹے کے سرہانے پہنچے۔ جسم کے ٹکڑے ٹکڑے۔ سانس رگ رگ کر آرہی ہے۔ ایک مرتبہ علی اکبرؑ نے دم توڑا اور حسین نے مرثیہ شروع کر دیا۔ علی اکبرؑ تمھارے بعد زندگی دنیا پر خاک ہے۔ بیٹا تمھاری مصیبت تمام ہو گئی اور

باپ نرغہ اعدا میں اکیلا رہ گیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون

سيعلم الذين ظلموا اى مبتلب ببتلبون



بعد انسان صاحب اختیار ہے چاہے اللہ کا شکر گزار بندہ بن جائے یا نعمت الہی کا انکار کرنے والا ہو جائے۔

عزائے سید الشہداء کے بارے میں جو مسائل ہمارے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ ان کا مختصر تذکرہ آپ کے سامنے پیش کرنا ہے آپ نے بہت سے تذکرے سنے ہیں اور سنتے رہتے ہیں اور انشاء اللہ سنتے رہیں گے۔

پہلا مسئلہ جس نے بہت سے مسلمانوں کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے وہ ہے مسئلہ بدعت

بدعت کی تعریف عام طور سے یہ کی جاتی ہے کہ ہر وہ چیز جو سرکارِ دو عالم کے بعد ایجاد ہوئی ہے اسے بدعت کہا جاتا ہے اور چونکہ مراسم عزاء سید الشہداء کی مجالس، ماتم اور یہ ساری چیزیں سرکارِ دو عالم کے بعد ایجاد ہوئی ہیں لہذا ان کا شمار بھی بدعت میں ہونا چاہئے اور بدعت ضلالت ہے۔ گمراہی ہے اور بدعت کا آخری انجام ہلاکت اور بربادی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

یہ پہلا خیال ہے جو اکثر لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہو گیا ہے یا پیدا کر دیا گیا ہے اور اسی لیے بہت سے لوگ بدعت کے خوف سے فرس عزاء سے دور رہنا چاہتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بتلائے بدعت ہو جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بتلائے ضلالت ہو جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا انجام خراب ہو جائے۔

لیکن عنہ زور اس مقام پر جو بات مجھے گزارش کرنی ہے وہ یہ ہے کہ خود علماء کرام اس بات کی طرف ہمیشہ متوجہ رہے ہیں کہ نبی کے بعد ہر ایجاد ہونے والی چیز کو بدعت نہیں کہا جاسکتا ہے ورنہ آج جتنی دنیائے اسلام ہے اور عالم اسلام میں جتنے افراد پائے جاتے ہیں سب کا وجود بدعت ہو جائے گا اسلئے کہ کوئی بھی سرکارِ دو عالم کے دور میں نہیں تھا۔ گویا کہ اصل وجود جو گمراہی سے بچا تھا وہ

اسے نفس مطمئن پلٹ آ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں۔ تو ہم سے راضی ہے ہم تجھ سے راضی ہیں آمیرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ سورہ مبارکہ فجر کی ان آخری آیات۔ کرمہ کے ذیل میں جو سلسلہ بیان "کربلا شناسی" کے عنوان سے شروع ہوا تھا آج اسکی آخری کڑی آپ کے سامنے گزارش کرنا ہے۔ اس کے بعد کل دن کی مجلس میں صرف ذکر مقل ہو گا۔ آج ایک اہم مسئلہ کی طرف اپنے تمام سامعین کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ اب تک میری ساری گفتگو کا تعلق خود امام حسینؑ اور ان کے اقدام سے تھا۔ آج کی گفتگو کا تعلق شہادت امام حسینؑ کے بعد ان مراسم عزاء سے ہے جو ہر دور میں قائم ہوتے رہے ہیں اور انشاء اللہ صبح قیامت تک قائم رہیں گے۔

وہ لوگ جنکو عزائے سید الشہداء سے کسی بنیاد پر اتفاق نہیں ہے۔ ان کے سامنے چند مسائل ہیں۔ میری شرعی اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ ناواقف افراد کو واقف بنانے کیلئے یا ذہنی طور پر جن میں قدرے انحراف پایا جاتا ہے انھیں راہِ حق سے آشنا بنانے کیلئے ان اعتراضات کا ایک خلاصہ اور اس کے بارے میں جو وضاحت ہے وہ آپ کے سامنے عرض کر دوں۔ اس کے بعد ہر انسان صاحب اختیار ہے "اناھدیناھ السبیل اماشا کر او اما کفورا" اللہ کا کام بھی راستہ دکھلا دینا ہے۔ اس کے



صرف ان کا تھا جو حضور کے دور میں تھے اور اس کے بعد جتنے پیدا ہوتے رہے ہیں یہ سب بدعتی وجود ہیں تو کیا واقعاً ان سب کے وجود کو بدعت کہہ دیا جائے گا یا ضلالت اور گمراہی قرار دیدیا جائے گا۔

ظاہر ہے کہ ایسا کوئی تصور عالم اسلام میں نہیں ہے لہذا جو صاحبانِ نظر علماء تھے انہوں نے کہا کہ بدعت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہر وہ چیز جو نبی کے بعد پیدا ہوئی ہے اسے بدعت کہہ دیا جائے بلکہ بدعت کے معنی یہ ہیں کہ سرکارِ دو عالم کے دور میں جو چیزیں تھیں ان کا فیصلہ تو خود پیغمبر نے فرمادیا تھا کہ یہ جائز ہے، یہ ناجائز ہے، یہ حلال ہے، یہ حرام ہے، اسکی شریعت میں گنجائش ہے اور اسکی گنجائش نہیں ہے۔ نبی کے بعد جو چیزیں ایجاد ہوئیں ہیں۔ اگر کوئی انسان ان چیزوں کو بغیر شریعت کی اجازت کے شریعت میں داخل کرنا چاہے تو اس دخل اندازی کا نام بدعت ہے اور یہ بہر حال ضلالت ہے، گمراہی ہے غلط ہے اور یقیناً حرام ہے۔ نہ فقط وہ چیز جو نبی کے بعد ایجاد ہوئی ہے بلکہ ہر وہ چیز جس کا مذہب میں دخل نہیں ہے اور اس کو مذہب میں داخل کیا جائے مثلاً نبی نے جائز بتایا آپ اسے حرام کر دینا چاہتے ہیں۔ نبی نے حرام کیا آپ اسے حلال کر دینا چاہتے ہیں۔ شریعت پیغمبر کو بدل دینا چاہتے ہیں۔ قانونِ الہی میں تغیر پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ شریعت میں اپنی طرف سے کوئی ترمیم، کوئی اضافہ کرنا چاہتے ہیں تو یہ عمل بہر حال حرام ہے، ناجائز ہے، گمراہی ہے۔

لیکن میں اس ذیل میں ایک لفظ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ بات بالکل صحیح ہے مگر اس میں نبی کے بعد کی قید کیا ہے کہ حضور کے بعد اگر شریعت میں اضافہ کیا جائے تو حرام ہے۔ حضور کے بعد شریعت تبدیل کی جائے تو حرام ہے۔ سو سال کے بعد یہ کام ہو تو حرام ہے۔ ہزار سال کے بعد یہ کام ہو تو حرام ہے۔ اس میں تو

زمانے کی کوئی قید نہیں ہے اگر نبی کے دور میں بھی یہ کام کیا جائے گا جب بھی حرام ہے رہے گا۔ اگر نبی کے دو سال کے بعد یہ کام ہوگا جب بھی حرام ہی ہوگا۔ دس سال کے بعد ہوگا جب بھی حرام ہی ہوگا۔ ہم تو رزاول سے یہی احتجاج کرتے چلے آئے ہیں کہ ہم نے بڑے سے بڑے آدمی کو بھی یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ حلال محمد کو حرام بنا سکے یا حرام محمد کو حلال بنا سکے۔ اب یہاں پر دو باتیں ہیں۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ دنیا کی مثال نہ دیں۔ دینداری میں اور دین کے معاملات میں جو چیزیں پیدا ہو رہی ہیں۔ ان کو بالکل ویسا ہی ہونا چاہئے جیسا کہ سرکارِ دو عالم کے دور میں ہوتا تھا۔ دنیا میں آپ کچھ بھی کریں۔ داڑھیاں بنائیں۔ مونچھیں بنائیں ڈانک بنائیں۔ کچھ کریں مگر یہ سب دنیا کے معاملات ہیں ان میں آپ کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔ لیکن جو دینی مسائل ہیں ان کو ویسے ہی رکھیں جیسے وہ سرکارِ دو عالم کے دور میں تھے۔ ان میں کوئی تبدیلی نہ ہونے پائے۔ اگرچہ ہمارا تجربہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہم سے مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ دینی معاملات کو ویسے ہی رکھیں جیسے سرکارِ دو عالم کے دور میں تھے۔ آپ کا سارا زور اس بات پر ہے کہ جیسے سرکارِ دو عالم کے دور میں تھے جتنی جلدی ممکن ہو اسے منادیا جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں میں ان کے احرام کا جذبہ پیدا ہو جائے اور بدعت کا خطہ ختم ہو کے شرک کا خطہ پیدا ہو جائے کہ یہ دوسری نبی پریشانی ہے۔

لہذا اب اگر آثار کو باقی رکھنا ہے تو کون سا ایسا اثر مذہب ہے جو حضور کے دور میں ایسا ہی تھا جیسا کہ آج ہے۔ آج کے دور میں جو مسجدیں بنی ہوئی ہیں کیا ایسی ہی حضور کے دور میں تھیں۔ کیا یہ سب سرکارِ دو عالم کی ہدایت کے مطابق



تعمیر کی گئی ہیں۔ یہ تو خالص مذہبی مسئلہ ہے۔ مسجد تو اللہ کا گھر ہے نہ آپ کا گھر ہے نہ میرا گھر ہے۔ اس میں آپ کی اور ہماری تختیوں کا کیا کام ہے۔ ہماری آپ کی ریاستوں کا کیا کام ہے۔ ہمارے آپ کے تذکرے کا کیا کام ہے۔ لیکن چونکہ ہمارا نام آگیا ہے لہذا اسے بدعت نہ کہا جائے البتہ اگر کسی اور کا نام آجائے گا تو وہ بھی بدعت کہا جائے گا۔

عنز و اباب ایک ہے۔ شریعت کے معاملات میں دخل اندازی، شریعت میں تغیر و تبدل، یہ کسی آدمی کے بس کا کام نہیں ہے۔ مگر پہلے شریعت کو پہچانا ہوگا۔ اور شریعت کے پہچاننے کیلئے ایک قانون کو یاد رکھنا ہوگا جو ایک قرآنی قانون ہے اور ایک سرکارِ دو عالم کا بنایا ہوا قانون ہے اور دونوں کے مجموعہ کا نام ہے اسلام۔

یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے کہ اگر شریعت میں جتنی چیزیں جائز ہیں اور جتنی چیزیں حرام کی گئی ہیں ان دونوں کی فہرست اگر بنائیں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ ناجائز چیزیں بہت محدود ہیں اور ان کے مقابلہ میں جو جائز ہیں۔ وہ بیشمار ہیں مثلاً دنیا میں جتنے جانور پائے جاتے ہیں جن کا گوشت حلال کیا گیا ہے۔ ان کے مقابلہ میں وہ کتنے ہیں جن کا گوشت حرام کیا گیا ہے۔

دنیا میں کتنی کھانے پینے کی چیزیں ایسی ہیں جو حلال ہیں اور ان کے مقابلہ میں وہ کتنی ہیں جو حرام ہیں۔

کتنے شہتِ حلال کئے اور ایک شراب کو حرام کیا گیا۔

کتنی چیزیں کھانے کی حلال کی گئیں اور دو چار چیزوں کو حرام قرار دیا گیا تو جنکو شریعت میں حرام قرار دیا گیا ہے وہ بہت محدود ہیں اس پوری کائنات کے مقابلہ میں جنکو حلال اور جائز قرار دیا گیا ہے۔

اسی لیے شریعت نے ایک آسان راستہ نکالا کہ ہم جائز کی فہرست بنائیں گے تو بہت طویل ہوگی۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ فہرست ناجائز کی بنا دیں۔ بس ان سے اپنی جان بچالو تو باقی سب تمہارے لیے حلال ہے۔

اتنی مخلوقات کے درمیان جسکو پاک بنایا۔ صرف کافر نجس ہے۔ اتنے جانوروں کے درمیان ایک کتا اور ایک سور نجس ہے۔ تو چونکہ نجس کی مقدار بہت تھوڑی تھی لہذا اسکو بتا دیا کہ یہ دس گیارہ بارہ چیزیں نجاسات میں ہیں باقی کل دنیا اللہ کی بنا ہوئی ہے اور پاک و پاکیزہ دنیا ہے۔

تو چونکہ تمہارے زیادہ ہیں لہذا نجاستیں گنوا دی گئیں۔ حلال زیادہ ہیں لہذا حرام گنوا دیا گیا۔ تو جو کم تھا اسکو بتا دیا گیا۔ باقی کو چھوڑ دیا گیا۔ اب نبی نے اسکو ایک لفظ میں اعلان کر دیا "کل شیئ لک مطلق" سرکارِ دو عالم کا یہ ارشاد گرامی متفق علیہ ہے "کل شیئ لک مطلق حتی یرد فیہ نبی" یعنی ہر چیز میں تم کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے جب تک ہماری طرف سے ممانعت نہ آجائے۔ جب ہم منع کر دیں گے تو حرام لیکن جب تک ہم منع نہ کریں تمہارے واسطے حلال ہے۔

اس کے معنی کیا ہونے کہ ہم ہر قدم پر یہ دیکھتے رہیں کہ حضور نے کہیں منع تو نہیں کیا ہے۔ اگر حضور نے منع کر دیا ہے تو وہیں پر رک جانا چاہئے اور اگر منع نہیں کیا ہے تو جب حضور نے خود آزاد بنا دیا ہے تو کسی کو بولنے کا حق نہیں ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی انسان کسی چیز کو جائز کہتا ہے تو اس سے دلیل مانگنے کا حق نہیں ہے کہ حضور نے کہا ہے "کل شیئ لک مطلق" جب تک ہم منع نہ کر دیں جائز کہنے کے واسطے دلیل درکار نہیں ہے۔ دلیل تو ناجائز کرنے کیلئے ہے حرام کرنے کیلئے ہے تو جو حرام کہنے والے ہیں ان سے پہلے "تو" نے



منع کب کیا تھا۔ یہ عجب الٹی بات ہے کہ ہم سے پوچھو کہ حضورؐ نے جائز کب کیا تھا۔ توبہ کی آپ نے ہم نے کرتا پانچ ماہ پہنا آپ ہم سے پوچھ رہے ہیں کہ حضورؐ نے کہاں فرمایا ہے کہ کرتا پہنو۔ نہیں اگر آپ مجھے منع کر رہے ہیں تو بتائیے حضورؐ نے کہاں منع کیا ہے۔ ایک صاحب نے کوٹ پیمنٹ بنوایا ان سے نہیں پوچھ سکتے ہیں آپ کہ حضورؐ نے کہاں اجازت دی ہے۔ لوگ کہیں گے جو کہتا ہے کہ ناجائز ہے اس سے پوچھو حضورؐ نے کہاں منع کیا ہے۔ ایک آدمی قالین پر بیٹھا ہے اس سے نہ پوچھو کہ کب حضورؐ نے جائز قرار دیا ہے۔ اُس سے پوچھو جو نہ بیٹھے کہ حضورؐ نے منع کہاں کیا ہے۔ ایک آدمی موٹر میں بیٹھے اس سے نہ پوچھو کہ کب جائز کب کیا گیا ہے۔ جو نہ بیٹھے اس سے پوچھو کہ کب حرام کیا گیا ہے۔ ایک آدمی مانگ پر تقریر کرتا ہے اس سے نہ پوچھو کہ حضورؐ نے جائز کب کیا ہے۔ جو منع کرے اس سے پوچھو حرام کب کیا ہے۔ تو جائز کی دلیل نہیں مانگی جاتی ہے۔ دلیل حرام کی مانگی جاتی ہے چونکہ مسلم کے ذہن میں حرام کہنے کی دلیل نہیں مل رہی تھی لہذا ذہنی افلاس کے شکار افراد نے سوچا کہ جائز کو بتلانے کی دلیل بنا دیا جائے۔ یہ بھول گئے کہ سرکارِ دو عالم کا اعلان مطلق ہے کہ جب تک پابندی ثابت نہ ہو جائے عمل جائز ہے۔

اب پابندی لگانے والوں کو چاہئے کہ حضورؐ کی طرف سے کوئی دلیل لائیں ورنہ ہم نے تو امت کو اتنا جری دیکھا ہے کہ حضورؐ نے جسکو حرام کہا ہے اسکو بھی حلال بنا دیا اور جسکو حرام کہا اسکو بھی حلال بنا دیا۔

خدا نے جو قانون بنایا حالات کا قانون بنایا۔ اسی لیے جب کسی نے کہیں کسی حلال خدا کو حرام سمجھنے کا ارادہ کیا یا لوگوں کو خیال پیدا ہوا کہ شاید انہوں نے حلال خدا کو حرام بنا دیا ہوگا تو پورے درگاہ نے فوراً سوال کر لیا۔ "قل من حرم زینتہ"

اللہ جس زینت کو اللہ نے حلال کیا ہے اسکو حرام کرنے والا کون ہے۔ حد یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم نے بعض مصالِح کی بنا پر بعض چیزوں کے استعمال کو چھوڑ دیا تو حضورؐ نے حلال خدا کو حرام نہیں بنایا مگر پورے درگاہ عالم ارشاد فرماتا ہے "یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک" جو چیز اللہ نے حلال بنائی ہے وہ چیز حرام کیسے ہو جائے گی۔ یعنی اسکا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کسی حلال کو حرام بنا نا چاہتا ہے یا کسی کے بارے میں خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ کہیں اس نے حلال کو حرام تو نہیں بنایا تو خدا ٹوک دیتا ہے کہ یہ حلال ہے حرام نہیں ہے۔ وہ خود کہتا ہے کہ ہم نے حلال بنایا ہے اور ہم نے حرام کو واضح کر دیا ہے۔ جو چیزیں ہم نے حرام بنا دی ہیں وہ حرام ہیں اس کے علاوہ کسی انسان کو ہمارے حلال کو حرام کرنے کا حق نہیں ہے اور جو جس چیز کو حرام کرنا چاہتا ہے اس سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے گا کہ بتاؤ دلیل کیا ہے حرام ہونے کی۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک صاحب نے کہا کہ یہ رونے کا جواز کیا ہے؟ امام حسینؑ پر رونے کا جواز کیا ہے۔ تو میں کل کہہ چکا ہوں کہ آپ مجھ سے کیا پوچھتے ہیں یہ پوچھئے جناب یعقوبؑ سے کہ آپ کو تو معلوم ہے کہ آپ کا بیٹا زندہ ہے۔ آپ کو تو علم ہے کہ بیٹا ابھی زندہ ہے آپ کس لیے رورہے ہیں۔ یوسفؑ تو کہیں قتل نہیں ہوئے ہیں۔ یوسفؑ کی زندگی کا فائزہ تو نہیں ہوا ہے خالی کنویں میں ڈال دیئے گئے ہیں۔ آپ کیوں رورہے ہیں۔

اگر کوئی برا کام تھا تو پورے درگاہ کو روکنا چاہئے تھا نہ کہ سیرت یعقوبؑ کو جز و قرآن بنا دیا جائے۔

معاذ اللہ! اگر کسی مسلمان کے خیال میں یعقوب سے غلطی ہو گئی ہے تو اللہ کو چاہئے تھا کہ اس کا نبی تھا۔ پردہ ڈال دیتا۔ پیغمبر تھا اس بات کو چھپا دیتا مگر خدا



نے اس قانون کو اس سیرت کو قرآن مجید میں محفوظ کر دیا ہے تاکہ مومنین کو اندازہ ہو جائے کہ وہ یوسفؑ جو اسی زندہ ہیں ان کے فراق میں حضرت یعقوبؑ رور ہے ہیں تو یہ کوئی فعل حرام ہے نہ کوئی بدعت ہے اور نہ کوئی ناجائز عمل ہے۔

اس کے بعد جب تاریخ اسلام شروع ہوئی تو اسلام کے دوسرے معرکہ میں پیغمبر کے چچا جناب حمزہؓ کام آئے اور ان کو نبیؐ نے اپنے دور میں سید الشہداء قرار دیا لیکن جب جناب حمزہؓ میدان احد میں شہید ہو گئے اور مدینہ میں خبر آئی تو ہر گھر میں ماتم و کرام برپا ہو گیا۔ پیغمبرؐ نے دیکھا کہ ہر گھر میں مرنے والوں کے رونے والے موجود ہیں۔ ہر گھر میں درثا موجود ہیں جو اپنے اپنے شہیدوں اور اپنے اپنے مرنے والوں کو رور ہے ہیں لیکن حمزہؓ کا رونے والا کوئی نہیں ہے تو سرکارِ دو عالم نے فرمایا "اما عی حمزہ فلا یواکب" ارے سب کے رونے والے ہیں اور میرے چچا کا رونے والا کوئی نہیں ہے۔ جس کے بعد مدینہ میں قانون بن گیا کہ اس وقت تک کوئی عورت اپنے شہید کو نہ رونے گی جب تک کہ حمزہؓ پر آنسو نہ بہائے گی۔ نبی شہید راہ خدا پر رونے کا حکم دیں اور مسلمان اسے بدعت کہے۔ یہ عجیب انداز فکر ہے۔

یہ اسلام کا ایک شہید تھا۔ اس کے بعد سے جعفر طیارؓ راہ خدا میں شہید ہوئے تو پیغمبرؐ اسلام نے پروردگار عالم کے مخصوص عطا کئے ہوئے علم کی بنیاد پر جعفر کو میدان جہاد میں شہید ہوتے ہوئے دیکھا۔ اور مجمع اصحاب میں کہا "علی مثل جعفر فلیک ابواکی" جعفر جیسے شہید اس بات کے حقدار ہیں کہ تمام رونے والے ان پر روئیں۔

دیکھئے حمزہ کے بارے میں پیغمبرؐ نے حمزہؓ کا نام لیکر کہا تھا کہ افسوس کوئی حمزہؓ کا رونے والا نہیں ہے تو یہ ممکن تھا کہ کوئی کہہتا کہ یہ خصوصیت حمزہؓ کی تھی

کہ حمزہؓ شہید ہو جائیں تو رونا جائز ہے۔ کوئی دوسرا مارا جائے تو رونا جائز نہیں ہے لیکن اس کے بعد نبیؐ نے مسئلہ کو اور واضح کر دیا "علی مثل جعفر" جعفر جیسے افراد جو بھی راہ خدا میں شہید ہو جائیں ان پر رونے والوں کو رونا چاہئے یعنی حضورؐ شہید پر رونے کا حکم دیں۔ اور ہم ابھی یہی سوچ رہے ہیں کہ یہ کام جائز بھی ہے یا نہیں۔ یہ تو شہید کا ذکر ہے لیکن جو راہ خدا میں نہیں شہید ہوئے ان کا تذکرہ دیکھیں۔ پیغمبرؐ کے بیٹے ابراہیمؑ تو کہیں شہید نہیں ہوئے۔ جب جناب ابراہیمؑ کا انتقال ہوا تو سرکارِ دو عالم نے رونا شروع کیا۔ پیغمبرؐ کے ایک صحابی آگے بڑھے کہا یا رسول اللہ کیا آپ بھی روتے ہیں؟ یعنی آپ سے تو ہم سنت کی توقع رکھتے تھے۔ آپ بھی بدعت کرنے لگے۔ حضورؐ کیا آپ بھی روتے ہیں۔ پیغمبرؐ نے جواب دیا۔

تاریخوں میں جو واقعہ جناب ابراہیمؑ کی وفات کے سلسلہ میں محفوظ ہے وہاں نبی کے یہ کلمات محفوظ ہیں۔ سرکارِ دو عالم نے فرمایا۔ یہ بات یاد رکھنا "ان القلب یحزن وان العین لتدمع" اگر دل ہے تو رنجیدہ ہوگا۔ اگر آنکھ ہے تو آنسو بہیں گے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے پاس اگر رنج نہیں ہے تو اس کے پہلو میں دل نہیں ہے پتھر ہے اور اگر کسی آدمی کی آنکھ سے آنسو نہیں بہتے ہیں تو یہ آنکھیں آنکھیں کہ جانے کے قابل نہیں ہیں۔ اسی لیے سچ کہا ہے کہنے والے نے کہ دنیا میں سبکو روتے دیکھا ہے صرف اندھے کو روتے نہیں دیکھا ہے اسلئے کہ رونا خود پینا کی علامت ہے۔ اگر پینا فی سلب ہو جائے تو پتھر آنکھوں میں آنسو نہیں دکھائی دیتے ہیں۔

یہ ایک نکتہ ہے جسکی طرف آپ متوجہ رہیں کہ حضورؐ نے خود گر یہ فرمایا



ابراہیمؑ کے مرنے پر۔ اب آئیے نبی کے بعد بلکہ نبیؐ کی زندگی میں جب نبیؐ کا فرزند زہرا کلال حسینؑ پیدا ہوا تو میں اپنی پوری ذمہ داری کے ساتھ گزارش کر رہا ہوں اور دو یا تین کتابوں کا حوالہ دیتا ہوں اور حوالے تو بہت ہیں ایک کتاب حاکم نیشاپوری کی کتاب ہے مستدرک۔ مستدرک کے معنی اگر حضرات نہیں جانتے ہیں تو ان کو معلوم ہو جائے کہ پرانے زمانے میں علماء کا طریقہ تھا اور آج بھی یہ طریقہ ہے کہ اگر کسی ایک کتاب میں، ایک ذخیرے میں، ایک مجموعہ میں ساری باتیں ایک طرح کی نقل کی گئی ہوں اور کچھ باتیں رہ گئی ہوں جو اس وقت نہیں مل سکیں اور بعد والے نے تلاش کر لیا تو پھر اس کتاب میں شامل نہیں کرتا کیونکہ وہ کتاب دوسرے مصنف کی ہے اور اس نئے مجموعے کو بنام مستدرک پیش کرتا ہے یعنی وہ کمی جو اس میں رہ گئی تھی اس کمی کو میں پورا کر رہا ہوں تو اس کتاب کو اس میں ملا دیجئے گا۔ آپ کو تلاش کرنے میں زحمت نہ کرنی ہوگی۔

حاکم نیشاپوری نے ایک کتاب لکھی ہے "مستدرک" موضوع کیا ہے وہ ساری حدیثیں جو جناب محمد بن اسماعیل بخاری اور مسلم بن حجاج دونوں حضرات کے قوانین اور شرائط کی بنیاد پر صحیح تھیں لیکن اتفاق سے ان کی صحیح کتاب میں نہیں درج ہو سکیں۔ حاکم کی نگاہ میں صحیح نہیں۔ میری آپ کی نگاہ میں نہیں۔ بخاری و مسلم کے مقرر کئے ہوئے شرائط کی بنیاد پر جو حدیثیں، روایتیں صحیح تھیں اور اتفاق سے ان کی کتاب میں درج نہ ہو سکیں یا ان کی نظر سے نہ گذری ہوں گی۔ ان ساری روایتوں کو تلاش کیا اور یہ واضح کیا کہ یہ روایت دونوں بزرگوں کے شرائط کی بنا پر صحیح ہے۔ یہ روایت امام بخاری کے شرائط کی بنا پر صحیح ہے۔ یہ روایت امام مسلم کے شرائط کی بنا پر صحیح ہے یعنی اگر ان کے شرائط آپ کی نگاہ میں ہیں تو ان شرائط کی بنیاد پر یہ حدیث یہ روایت صحیح ہے۔ فرق یہ ہے کہ ان کی کتاب میں

نہیں ہے۔ اس کے مستدرک میں ہے لہذا اسکو کہتے ہیں مستدرک۔

اس کے بعد دوسری کتاب محدث کبیر طبرانی کی ہے۔ مجمع الزوائد۔

یہ چند کتابیں ہیں جنکا میں حوالہ دے رہا ہوں تاکہ پڑھنے والے پڑھیں کہ امام حسینؑ کی ولادت کے بعد چند دنوں تک یہ سلسلہ برقرار رہا۔ راویوں کے نام بھی نوٹ کر لیں۔

ایک راوی ہیں ام المومنین جناب ام سلمہ، ایک راوی جناب زینب بنت جحش وغیرہ کی زوجہ۔ ایک راوی ہیں جناب ام الفضل۔ ایک راوی ہیں ام المومنین جناب عائشہ۔ یہ سب راوی ہیں۔ کہ سرکارِ دو عالم اپنے شہزادے حسینؑ کو گود میں لیے ہوئے تھے۔ مختلف روایات کے الفاظ الگ الگ ہیں۔ کسی نے کہا کہ حضور کی گود میں آکر حسینؑ بیٹھ گئے۔ کسی نے کہا کہ نبی کے پہلو میں آکر بیٹھ گئے۔ کسی نے کہا نبی گودی میں لیے ہوئے تھے۔ کسی نے کہا نبی کی پشت پر آکر حسینؑ بیٹھ گئے۔ کسی نے کہا نبی کے سجدے میں حسینؑ آگئے۔ نیلن جب حسینؑ نبی کے پاس آئے تو پیغمبرؐ اپنے لال کو کلیجہ سے لگانے کے بعد رونے لگے۔ جب نبی نے گر یہ کیا تو جتنے راوی ہیں سب نے سوال کیا۔

کبھی ام سلمہ نے پوچھا خدا کے حبیب آپ کیوں رورہے ہیں۔ کہا ام سلمہ میں اپنے حسینؑ سے اظہارِ محبت کر رہا تھا کہ جبریل آگئے۔ کہا خدا کے حبیب جس حسین سے آپ محبت کر رہے ہیں یہ آپ کلال کر بلا میں مارا جائے گا۔ یہ آپ کلال ایک دن شہید ہوگا اسلئے میں رورہا ہوں۔

ام الفضل کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے۔ زینب بنت جحش کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے۔ ام المومنین جناب عائشہ کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے۔ سب نے نبیؐ اکرم سے پوچھا کہ آپ کیوں رورہے ہیں؟ اور سب سے پیغمبرؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جبریل امینؑ نے



آکر خبر دی ہے کہ یہ میرا حسینؑ ایک دن قتل کیا جاتا ہے۔ حسینؑ شہید ہوں  
کیا انتظام قدرت ہے حسین شہید ہوں گے نبی کے بعد۔ حسینؑ شہید ہوں  
گے نبی کی وفات کے پچاس سال کے بعد۔ کتنا آسان تھا کہ حسینؑ پر رونے کو  
بدعت کہہ دیا جاتا۔ اسلئے کہ شہید ہی ہوں گے نبی کے بعد تو رونے والے روئیں  
گے۔ بھی نبیؐ کے بعد اور بڑی آسانی سے کہہ دیا جاتا کہ حسینؑ پر رونا بدعت ہے  
اسلئے کہ نبیؐ کے زمانے میں ایسا کوئی کام نہیں تھا۔ قدرت نے جیریل امین کو بھیج  
کے نبیؐ کے سامنے شہادت حسینؑ کا ذکر کر کے نبیؐ کو سعادتِ گرہ دیکر واضح  
کر دیا کہ بعد کا مسئلہ نہیں ہے۔ شہادت سے پہلے نبیؐ نے غم حسینؑ میں گریہ  
کر کے ماتم حسینؑ اور گریہ بر حسینؑ کو اپنی سنت بنا دیا ہے۔ اب کتنا نااہل ہے  
وہ انسان جو سنتِ پیغمبرؐ پر حرف لے آئے۔

اس کے بعد جب گھر میں روچکے تو حضور باہر تشریف لائے اور اس بزم  
میں آئے جہاں اتنے افراد تھے۔ جناب عمر، جناب حذیفہ، جناب عمار، جناب ابو ذر یہ  
پانچ حضور کے صحابی موجود تھے۔ جب نبیؐ باہر آئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ حضور کا  
چہرہ ادا ہے۔ غم کے آثار نمایاں ہیں جیسے ابھی کہیں سے روکے آرہے ہیں۔  
اصحاب جب نبیؐ کے چہرہ کو ادا دیکھیں گے تو بے چین تو ہو ہی جائیں  
گے۔ اصحاب نے کہا حضور یہ آپ کا چہرہ ادا کیوں ہے۔ آپ کی آنکھوں میں  
آنسوؤں کے آثار کیوں دکھائی دے رہے ہیں۔ کہا تم کو نہیں معلوم۔ ابھی  
جیریل امین آئے تھے اور جیریل نے یہ خبر سنائی ہے کہ ایک دن میرا حسینؑ شہید  
کیا جائے گا۔ بتاؤ جس کالال شہید ہونے والا ہو وہ نہ رونے تو کیا کرے۔ یعنی پہلے  
باتِ پیغمبرؐ نے گھر کے اندر بیان کی۔ جب باہر آئے تو یہی خبر پیغمبرؐ نے باہر  
بیان کی۔ اندر کے مجمع کا نام ہے مجمع ازواج۔ باہر کے مجمع کا نام ہے مجمع اصحاب

اور دونوں جگہ پر ذاکر ہیں پیغمبرؐ خالی سامعین بدل گئے۔ مگر کل کسی سامع نے نہ  
کہا کہ حضورؐ نہ روئیں۔ مگر یہ نہ فرمائیں۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ رسول نے حسینؑ  
پر رونے کو بھی اپنی سنت بنا دیا ہے اور مجمع میں ذکر مصائب کو بھی اپنی سیرت  
قرار دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ دنیا میں عورتوں کا مجمع ازواج سے اچھا نہ ملے گا اور  
مردوں کا مجمع اصحاب سے اچھا نہ ملے گا اور جب اتنے بڑے بڑے مجمع میں مجلس  
حسینؑ ہو جائے تو عام مسلمانوں کے مجمع کی کیا قیمت ہے۔

اب ایک مسئلہ قابلِ توجہ ہے کہ جناب ام سلمہ سے جب نبیؐ نے بیان کیا تو  
ان کو وہ خاک بھی دی جو خاکِ مقتلِ حسینؑ تھی اور جناب زینب بنت جحش کو بھی  
وہ خاک دکھائی جو جیریل نے لاکے دی تھی۔ جناب ام الفضل کو بھی وہ خاک  
دکھائی جو جیریل نے انھیں لاکے دی تھی۔ ابن عباس کو بھی وہ خاک دکھائی جو  
جیریل نے لاکر دی تھی اور ام المومنین عائشہ کے سامنے بھی نبیؐ نے وہ خاک  
دکھائی جو جیریل نے لاکے دی تھی۔ بس اتنا فرق ہے کہ سب میں آخری روایت  
کے علاوہ جس میں اصحاب بھی شامل ہو گئے ہیں ہر روایت میں اس خاک کا ذکر ہے  
"تربتِ حمراء یعنی جیریل نے سرخ مٹی لاکر دی۔ بس آخری روایت میں تربت  
بیضاء۔ سفید مٹی ہے میں نے یہ آپ کو اسلئے سنایا ہے تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ  
روایت پر میری نگاہ ہے اور اس نکتہ کو بھی یاد رکھیں کہ ہر ایک کی روایت میں  
تربتِ حمراء سرخ مٹی کا ذکر ہے اور اس روایت میں سفید مٹی کا ذکر ہے۔ اس میں  
پیغمبرؐ، جیریل اور خدا کی کیا مصلحت ہے۔ کوئی نہیں جانتا ہے کہ ہر جگہ سرخ مٹی کا  
ذکر آیا ہے اور اس روایت میں سفید مٹی کا ذکر ہے ہاں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ  
سرخ اور سفید مٹی میں فرق یہ ہے کہ وہی مٹی خون تازہ سے پہلے سفید ہے اور وہی مٹی  
خون تازہ کے مل جانے کے بعد سرخ ہو جائے گی۔ اب اس میں نبیؐ کی مصلحت کیا



ہے کہ سب کے سامنے وہ منی رکھی ہے جو شہادت کے بعد کی ہے اور ایک روایت میں اس منی کا ذکر آیا ہے جو شہادت سے پہلے کی ہے مگر خاک کر بلا ہے۔ لانے والا کون ہے؟ جبریلؑ ہیں۔ ہماری برادری کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ جبریلؑ فرشتہ معصوم ہے اور معمولی فرشتہ نہیں ہے بلکہ سید الملائکہ ہے۔ اتنا بڑا معصوم فرشتہ کیا بغیر مرضی خدا کے چپکے سے کر بلا کی منی اٹھا کے لے آئیگا اور حضور کو خوش کرنے کیلئے دیدے گا۔

کوئی سوچ بھی نہیں سکتا ہے۔ اگر مرضی پروردگار شامل نہ ہوتی تو جبریلؑ کی مجال تھی جو خاک اٹھا کر لے آتے۔ تو خدا کی مرضی تھی جب ہی ملک معصوم لے آیا اور جب نبیؐ کے سامنے لا کر رکھا تو حضورؐ نے لیکر رکھ لیا یا ایک روایت کی بنا پر اُمّ سلمہ کے حوالے کر دیا۔ حضورؐ نے جبریلؑ سے یہ بھی نہ کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ بلا کہاں ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ میرا حسینؑ کہاں شہید ہوگا بلکہ جو منی لاکے دی اسکو حضورؐ نے لے لیا۔ اصحاب کو دکھایا۔ ازواج کو دکھایا اور اُمّ سلمہ کے حوالے کر دیا کہ اسے شیشے میں رکھو جب تک یہ خاک راکھ ہے سمجھو میرا حسینؑ زندہ ہے اور جب یہ خاک خون ہو جائے تو سمجھو کہ میرا حسینؑ شہید ہو گیا ہے۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس خاک کو شیشے میں بچا کے رکھنے کو کیا کہا جائے کہ اُمّ سلمہ رکھے ہیں اور کب تک رکھے ہیں ابھی میں نے ذکر کیا کہ نبی کے بعد واقعہ کر بلا پچاس سال کے بعد پیش آیا یعنی وہ شیشہ جس میں جناب اُمّ سلمہ نے وہ خاک رکھی تھی وہ اُمّ سلمہ کے پاس پچاس سال تک محفوظ رہا۔ ہائے دس دن اگر تابوت رکھا جائے۔ دس دن اگر ضریح رکھی جائے تو کتنی بڑی پریشانی عالم اسلام میں پیدا ہو جاتی ہے کاش کوئی اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ کو سمجھاتا

کوئی پیغمبرؐ کو مشورہ دیتا کہ حضورؐ اگر گھر میں یہ خاک یونہی شیشہ میں رکھی رہی تو ایک نئی بدعت رائج ہو جائے گی۔ مگر نبی نے رکھو دیا اور اُمّ سلمہ رکھے رہیں اور خاک نے اپنا اثر دکھلادیا کہ اگر خاک خون میں نہ بدلی ہوتی تو شاید کسی کو یقین بھی نہ آتا کہ یہ کہاں کی خاک ہے۔

فرق یہ ہے کہ منی میں صلاحیت تھی تو شہادت حسینؑ کا یہ اثر ہو گیا کہ منی خون بن گئی۔ کتنا گیا گزرا یہ انسان ہے کہ جس پر شہادت حسینؑ کا کوئی اثر نہ ہوا ایسا انسان کیا شرف المخلوقات کے جانے کے قابل ہے جس میں جمادات کے برابر بھی احساس نہیں پایا جاتا ہے۔

یہ سب وہ باتیں ہیں جنکو صرف مجھے یاد دلانا ہے ورنہ آپ میں سے کون ایسا ہے جنکو یہ حقائق نہیں معلوم ہیں۔

اب ایک مسئلہ اور پیدا ہو گیا ہے کہ ٹھیک ہے۔ چلئے۔ اگر امام حسینؑ شہید ہو گئے تو آپ غم منائے مگر شہید ہونے کا شور محرم کے دن تو عاشور محرم کے دن بتنا رونا ہو رو لیجئے۔ ایک دن کی شہادت کا اثر دس دن تک کیوں ہے۔ شہادت تو ایک دن کا واقعہ ہے ایک وقت کا واقعہ ہے یہ ایک دن کے واقعہ کا اثر دس دن پر کیوں کر ہو گیا۔ یہ اسلام میں ایک اضافہ ہے۔

میں کہوں گا کہ یہ اضافہ نہیں ہے۔ اگر کہنا ہے تو کہئے کہ یہ اسلام میں کمی ہے۔ اسکو اضافہ نہیں کہہ سکتے ہیں اسکو کمی کہہ سکتے ہیں اسلئے کہ جب جناب فدہ بچہؑ اور جناب ابوطالبؑ کا انتقال ہجرت پیغمبرؐ سے پہلے ہوا تو ساری تاریخیں متفق ہیں کہ پیغمبرؐ نے اس پورے سال کا نام عام الحزن کہہ لیا۔ عام الحزن کے معنی ہیں رنج کا سال۔ تو کوئی حضورؐ سے پوچھتا کہ حضورؐ سال سے کیا مطلب ہے؟ کیا جناب فدہ بچہؑ کا انتقال ایک سال تک ہوتا رہا۔ کیا فدہ بچہؑ کوئی ایسی بیمار تھیں کہ بستر پر ایک



سال تک لیٹی رہیں۔

خدیجہ کا انتقال تو ایک دن کا واقعہ ہے ایک وقت کا واقعہ ہے۔ حضورؐ کو رونا ہے تو ایک دن بیٹھ جائے اور صبح سے شام تک رو لیجئے۔ کام ختم ہو جائے گا۔ مگر نبی نے ایک وفات خدیجہ کی بنیاد پر پورے سال کو عام الحزن قرار دیدیا اور ابھی مورخوں میں ہمت نہیں ہوئی نام بدلنے کی۔ اب اس کے بعد کچھ زیادہ مل جائے تو شاید رائے بدل جائے۔ لیکن ابھی تک تو اس سال کو عام الحزن ہی کہا جاتا ہے کہ نبی کا رکھا ہوا نام ہے۔ تو مجھے پھر ایک جملہ کہنا پڑے گا کہ وہ خاتون جس نے اسلام کی راہ میں مالی قربانی دی ہے۔ دیکھئے خدیجہ نے جان کی قربانی نہیں دی ہے اگرچہ خدیجہ کے کردار پر ہماری جانیں قربان ہیں۔ زہرا کی مادر گرامی ہیں۔ ان کے کردار کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ہے نہ مردوں میں اور نہ عورتوں میں مگر یہ بات طے شدہ ہے کہ خدیجہ نے اسلام کی راہ میں جان کی قربانی نہیں دی ہے مال کی قربانی دی ہے اب میں ہر منصف انسان سے، ہر انصاف پسند مسلمان سے پوچھتا ہوں کہ جو انسان راہ خدا میں مال قربان کرے وہ جب اس دنیا سے چلا جائے تو نبیؐ اس کے غم میں پورے سال غم مناتے رہیں اور جو انسان فقط انسان نہیں بلکہ نبیؐ کا نواسہ بھی ہے۔ نبیؐ کا نعت دل بھی ہے آہ اگر پورا گھر قربان کر دے تو آپ کو دس دن کے غم میں کوئی نیارخ نظر آ رہا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ سنت پیغمبرؐ کو دنیا نے پہچانا ہی نہیں۔ سیرت پیغمبرؐ کو دنیا نے محسوس ہی نہیں کیا ہے کہ سیرت پیغمبرؐ کیا ہے اور طریقہ پیغمبرؐ کیا ہے، حالانکہ واقعہ پچاس سال کے بعد پیش آنے والا ہے مگر نبی نے ساری مثالیں اور ساری نظریں اپنی حیات میں پیش کر دی ہیں۔ اور جب خود سرکارؐ دو عالم کا انتقال ہوا ہے تو ہم نے خود اصحاب کو بھی ازواج کو بھی۔ دونوں کو حضورؐ کے غم میں سر و سبز پینتے ہوئے دیکھا ہے۔ جائے محدث

دہلوی سے پوچھئے کہ وہ کون اصحاب تھے وہ کون چاہنے والے عاشق تھے کہ جنھوں نے نبی کے مرنے کے بعد حضور کے انتقال پر اپنا سر و سبز پیٹ لیا۔ "مدارج النبوة" حوالہ دے رہا ہوں جائے طبری اور کامل جیسے مورخوں سے پوچھئے کہ ازواج و مخدرات کون تھیں جنھوں نے نبیؐ کے مرنے کے بعد سر و سبز پیٹ لیا۔ آج ہمارا ہاتھ سینہ پر پڑ جائے تو عجیب و غریب بات معلوم ہوتی ہے۔ کل سرکارؐ دو عالم کی رحلت کے بعد چاہنے والے یوں غم منا رہے تھے کہ یہ سیرت اصحاب بھی ہے اور سیرت ازواج بھی ہے۔ اب اگر کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ اسکا کوئی رشتہ نہ پیغمبرؐ سے ہے۔ نہ اصحاب سے ہے۔ نہ ازواج سے ہے۔ اپنے گھر میں کوئی مذہب کسی نے بنایا ہو تو اسکی ذمہ داری کسی آدمی پر نہیں ہے ورنہ یہ ساری تاریخیں، یہ سارے واقعات ہمارے سامنے موجود ہیں۔

بس ایک ہی شہ ہے جو لوگوں کے ذہنوں میں پیدا کر دیا جاتا ہے کہ ایک روایت ہی جس روایت کا فیصلہ اسی دور میں ہو گیا تھا جب ایک صحابی اور ایک زور پیغمبرؐ کے درمیان جھگڑا ہوا اور بات کا آخری فیصلہ ہو گیا کہ ایسی روایتوں کی کوئی بنیاد اسلام میں نہیں ہے۔

روایت یہ ہے کہ جب کوئی زندہ کسی مرنے والے کو روتا ہے تو روتا ہے وہ جو زندہ ہے اور فرشتے بجائے اسکو مارنے کے مرنے والے کو مارتے ہیں۔ "ان الحمیت یعذب بکذا اھل علیہ" یعنی گھر والے اگر روتے ہیں تو میت پر عذاب ہوتا ہے لیکن میں یہاں بھی ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ گویا پیغمبرؐ اپنے بیٹے کے عذاب کا انتظام کر رہے تھے جو ابراہیمؑ پر رورہے تھے اور پھر یہ کون سا قانون عدل ہے کہ جرم کرے زندہ اور سزا ملے مردہ کو اور اگر یہ بات مان لی جائے کہ ایسی کوئی روایت ہے تو روایت میں ایک لفظ ہے۔ "ہد" میں بس اتنی گزارش



کر سکتا ہوں کہ اگر ہم پر کوئی پابندی عائد ہوتی ہے تو بھائی یہ کام آپ کر دیجئے  
اسلئے کہ اگر سارا عذاب گھر والوں کے رونے سے ہوتا ہے تو باہر والوں کے  
رونے سے تو نہیں ہوتا ہے۔ تو آپ تو یہ کام کر ہی سکتے ہیں آپ کو تو کوئی  
پریشانی نہیں ہے لیکن ایسا کوئی قانون عدل و انصاف نہیں ہے۔ ہاں البتہ آج ہی  
میں نے ایک نئی تحقیق سنی ہے جو اتفاقاً اسی موضوع سے متعلق ہے لہذا آخری جملہ  
کہہ کر بات کو یہیں پر تمام کر دینا چاہتا ہوں۔ اس روایت کا فیصلہ تو روز اول  
ہو گیا تھا جب کہ روایت سامنے آئی اور صحابی میں غمگین اور زبردست رسولؐ میں بحث  
ہوگئی کہ اس روایت کی بنیاد کیا ہے اسلئے کہ روایت قوانین الہی کے خلاف ہے اور  
حوالے میں قرآنی آیت بھی آئی کہ قرآن مجید نے فیصلہ کر دیا ہے کہ "لاتزر وازرہ  
زر اخری" کوئی آدمی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ تو اگر یہ رورہا ہے۔ کوئی گناہ  
کر رہا ہے تو اسکا بوجھ مرنے والا کیوں اٹھائے گا۔ اور جو روایت آیت قرآن کے  
خلاف ہو وہ قابل قبول نہیں ہوتی ہے لیکن اس آیت کا ایک نیا مفہوم نکالا گیا ہے  
اور بعض لوگوں نے فرمایا ہے کہ اسکا صحیح مطلب یہ ہے کہ مرنے والے کیلئے کوئی  
کارِ خیر نہیں ہو سکتا ہے۔ سنا آپ نے۔ ایک صاحب نے نئی تحقیق نکالی ہے کہ اس  
آیت کے معنی یہ ہیں کہ مرنے والے کیلئے کوئی کارِ خیر نہیں ہو سکتا ہے اسلئے کہ  
اگر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی کسی مرنے والے کیلئے۔ تو اسکا مطلب یہ ہے  
کہ اسکا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ اسکا عذاب کم ہو گیا۔ آپ سمجھتے ہیں کہ آپ دو رکعت نماز  
پڑھ دیں گے تو اسکا عذاب کم ہو جائے گا۔ اگر ہم مثلاً قرآن خوانی کر دیں گے تو  
عذاب کم ہو جائے گا۔ اگر اسکی طرف سے صدقہ دیدیں گے تو عذاب کم ہو جائے گا۔  
اسکا روزہ ادا کر دیں گے تو عذاب کم ہو جائے گا۔ اس کا حج بدل کر دیں گے تو  
عذاب کم ہو جائے گا۔

وہ فرماتے ہیں کہ یہ بات جو آپ لوگ سوچتے ہیں کہ عذاب کم ہو جائے گا یہ  
آیت کے خلاف ہے حالانکہ عنہ زود آیت کا مضمون یہ ہے کہ کوئی انسان دوسرے  
کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ کارِ خیر کرنے  
والا جو مرنے والے کیلئے کارِ خیر کر رہا ہے اس ایصالِ ثواب اور کارِ خیر کا مضمون کیا  
ہوتا ہے۔ فرض کیجئے کوئی آدمی مر گیا۔ میں ایک متفق علیہ مسند گزارش کر رہا ہوں۔  
تلاوت کے بارے میں جھگڑا پڑ گیا۔ نماز کے بارے میں جھگڑا پڑ گیا۔ مگر حج بدل  
تو ابھی تک اسلام میں زندہ ہے اور رہے گا۔ حج بدل کے معنی کیا ہیں کہ مرنے  
والے کے ذمہ حج تھا۔ زندہ آدمی چلا گیا۔ اس نے حج کر دیا تو اس کے حج کر دینے کا  
نتیجہ یہ نکلا کہ اس کا گناہ ہلکا ہو گیا یا ختم ہو گیا۔ ایسا تو نہیں ہوا کہ خدا نے اسکا گناہ  
اٹھا کے حاجی صاحب کی گردن پر رکھ دیا کہ کیوں گئے تم وہ کمبخت مر گیا تھا  
جہنمی۔ جانے دیتے جہنم میں۔ تم کو بڑا خیال پیدا ہو گیا اسکی نجات کا۔ اب جاؤ اسکو  
نجات دیدیں گے تم کو نجات نہیں دیں گے۔

ہے کوئی مسلمان یہ سوچنے والا۔ ہے کوئی مسلمان یہ قبول کرنے والا کہ  
اس کے حج بدل کر دینے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ جہنم سے بچ جائے گا اور ان کو  
جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ نہیں۔ تو معنی کیا ہوئے۔ معنی یہ ہیں کہ ان کے  
کارِ خیر سے اسکا عذاب ختم ہو جائے گا نہ کہ عذاب منتقل ہو جائے گا۔ تو جو قرآن کی  
آیت نے کہا تھا کہ ایک آدمی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا دوسرے کا بوجھ اُدھر  
نہیں جائے گا یہی ہم بھی کہتے ہیں۔ اس میں کون سی خرابی ہے۔

جسکو قرآن نے منع کیا ہے وہ عذاب کا منتقل ہوتا ہے اور جسکو شریعت نے  
ثابت کیا ہے وہ عذاب کا بر طرف ہوتا ہے۔ جو آدمی منتقل ہونے اور بر طرف ہونے کا  
فرق نہیں جانتا ہے اسے قرآن پڑھنے اور سمجھنے کا حق کیا ہے۔ اگر قرآن پڑھنے کا



شوق ہے تو پہلے قرآن فہمی کا شعور پیدا کیجئے قرآن فہمی کا سلیقہ سیکھئے۔ تاکہ یہ اندازہ تو ہو سکے کہ اسلام نے کسے جائز قرار دیا ہے اور کسے ناجائز قرار دیا ہے۔

بس عزیزان محترم! یہ چند باتیں ضروری تھیں میرے موضوع کے مکمل ہونے کیلئے اسلئے میں نے بطور فہرست ان باتوں کو گزارش کر دیا تاکہ جو لوگ پڑھنا چاہتے ہیں وہ پڑھیں اور مطالعہ کریں اور اس کے بعد دیکھیں کہ غم حسینؑ کوئی ایجاد بندہ نہیں ہے کوئی سرکار کے بعد کی بدعت نہیں ہے بلکہ سرکارِ دو عالم نے خود اپنی زندگی میں اس غم کی بنیاد رکھی ہے۔ جیریل امین نے آکے منقل پڑھ کے سنایا ہے۔ پیغمبرؐ نے آنسو بہائے ہیں۔ اصحاب روئے ہیں۔ ازواج پریشان ہوئی ہیں۔ پیغمبرؐ نے خاک کر بلا کو جیریل سے لیکر ام سلمہ کے پاس محفوظ رکھا ہے اور صحیح ترمذی کی روایت کی بنا پر جناب ام سلمہؓ روز عاشور اس خاک کو دیکھا ہے اور بعض صحابہ کی روایت کی بنا پر جناب ابن عباس نے پیغمبرؐ کو روز عاشور باحال پریشان خواب میں دیکھا ہے اور پوچھا ہے کہ حضور یہ آپ کا کیا عالم ہے تو آپ نے فرمایا ابن عباس تمہیں کیا خبر میں تو گٹ گیا۔

یہ سرکارِ دو عالم کے دور کی باتیں ہیں۔ حضورؐ نے اس غم کی بنیاد کو رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ انقلابات آتے رہے۔ حکومتوں کے تختے اُلٹتے رہے۔ تباہ ہونے والے تباہ ہوتے رہے مگر سلسلہ غم قائم تھا۔ قائم ہے اور قائم رہے گا۔ کسی باطل کی بنیاد ہوتی تو فنا ہو گئی ہوتی۔ نبیؐ کی بنیاد کو کون فنا کر سکتا ہے۔ سرکار کی رکھی ہوئی بنیاد کو کون ہلا سکتا ہے۔ ہر انسان جو صاحب انصاف ہے جو صاحب شرف ہے۔ جو مسلمان ہے جو صاحب ایمان ہے وہ اس غم کی اہمیت کو سمجھتا ہے۔ میں تو بعض اوقات تعجب کرتا ہوں۔ اسی ملک میں دیکھئے کتنی بڑی اہمیت ہے۔ اس ملک میں کام کرنے والے ہیں۔ ان کو اس غم کی اہمیت کا احساس ہے۔ جگہ کا انتظام۔

زرافک کا انتظام۔ ہر طرح کا انتظام۔

راستہ روک دیا جائے حسینؑ کا غم منایا جا رہا ہے۔ آنے والوں پر راستہ سے گذرنے والوں پر پابندی عائد کر دی جائے کسی اور راستے سے جاؤ۔ یہاں نبیؐ کے نواسے کا غم منایا جا رہا ہے۔ جو صاحبان اقتدار ہیں جو مسئولین ہیں۔ جو ذمہ دار ہیں۔ جن کے ہاتھوں میں حکومت ہے ان کو اس غم کی اہمیت کا احساس ہے۔ ان کو نبیؑ کے لال کی عظمت کا خیال ہے۔ ان کو حسینؑ ابن علیؑ کی جلالت کا اندازہ ہے اور دو دو پیسے کے آفیسروں کا یہ حال ہے کہ عاشور کو چھٹی نہیں ملے گی۔ تم تو اپنی ہی حکومت کے غدار ہو۔ حسینؑ سے کیا وفا کرو گے ان باتوں کی اہمیت کو حکومت سمجھتی ہے۔ اگر تم اتنا سہمی نہیں سمجھ سکتے ہو تو تم کس کے کام آئے۔ مذہب کے کام آئے نہ حکام کے کام آئے۔ کسی کے کام نہ آئے۔ دیکھو دنیا والے جو صاحبان شرافت ہیں وہ کیسے جان پیغمبرؐ کو پہچانتے ہیں اور کیوں نہ پہچانیں گے سب کے نبیؐ کا نواسہ ہے سب کے نبیؑ کا لال ہے۔

تو عزیزان محترم! ساری دنیا کو یہ احساس ہے اور میں نے ایک دن آپ کے سامنے عرض کیا تھا کہ ہم سب تو مسلمان ہیں جو غیر معلم ہیں جن کے پاس انسانیت کا درد ہے جو مظلومیت کی قدر و قیمت جانتے ہیں آپ ان قوموں میں جا کے دیکھیں اور جنکو تجربہ نہیں ہے وہ ہندوستان جا کے دیکھ لیں۔ وہاں آپ دیکھیں گے ہندوؤں کی باقاعدہ انجمنیں ہیں جو غم حسینؑ میں روتے ہیں۔ نوم خوانی کرتے ہیں۔ سینز زنی کرتے ہیں۔ سکھوں کی انجمنیں ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر صرف اس بنیاد پر کہ ایک انسان تھا جس نے مظلوموں کی آواز اٹھائی ایک انسان تھا جس نے انسانیت کا خون برداشت نہیں کیا۔ انسانیت کو تباہ نہیں ہونے دیا لہذا جب تک انسانیت زندہ رہے گی حسینؑ بن علیؑ کا احسان



باقی رہے گا۔ جو شعور رکھنے والے ہیں۔ جو ادراک رکھنے والے ہیں۔ جو سمجھنے والے ہیں وہ ان حقائق کو خوب سمجھتے ہیں اور خوب پہچانتے ہیں۔

لیکن بہر حال میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ اگر حالات یا ضرورت کی بنیاد پر کسی آدمی کو کام پر جانا پڑے تو ضرور جائے۔ اسلئے کہ سارے ادارے اور سارے مراکز بند کر دیئے جائیں تو یہ بھی نہیں ہو سکتا ہے عاشورِ محرم یقیناً غم کا دن ہے۔ حزن کا دن ہے۔ الم کا دن ہے رونے کا دن ہے۔ غم منانے کا دن ہے مگر اس کے بعد بھی اگر سارے کام معطل کر دیئے جائیں گے تو کوئی بیمار اگر خدا نخواستہ دم توڑ رہا ہے اور طبیوں کو چھٹی دیدی گئی۔ اسپتالوں کے دروازے بند کر دیئے گئے تو اس غریب کا علاج کون کرے گا۔ اسلئے کچھ کام ایسے ہیں جنکو بہر حال باقی رکھنا پڑتا ہے۔ کچھ کام ایسے ہیں جنکو بہر حال زندہ رکھنا پڑتا ہے۔ لیکن ہمارے یہاں چونکہ روایات میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ یہ دن کمانے کا دن نہیں ہے، یہ دن ذخیرہ کرنے کا دن نہیں ہے۔ لہذا کوئی کام اگر آپ کے ذمہ ہے اخلاقی اعتبار سے یا مذہبی اعتبار سے تو آپ اپنے کام کو انجام دیں مگر اس خیال کے ساتھ کہ جو پیسہ آپ کے ہاتھ میں آئے گا اسکو راہِ حسینؑ میں خرچ کر دیں گے۔ اس کام کو اپنا فریضہ سمجھ کر آپ نے انجام دیا ہے کہ آپ نہ کریں گے تو مریضوں کی زندگی خطہ میں پڑ جائے گی یا دوسرے انسانوں کی زندگی خطرے میں ہیں۔ آج بھی کوئی کمانے کا دن ہے۔ آج بھی کوئی ذخیرہ کرنے کا دن ہے اور ہم کیا ذخیرہ کریں گے۔ آج تو جو اسلام کا ذخیرہ تھا وہ کٹ گیا۔ ہم کیا جمع کریں گے جس دولت کو اسلام نے جمع کر کے رکھا تھا وہ عاشورِ محرم کے دن کربلا کے میدان میں کٹ گئی۔

بس عنہ زمانِ محرم میں اپنے گزارشات کو تمام کر چکا اور اب میں تذکرہ مصائب کرنا چاہتا ہوں۔ چونکہ عاشور کی رات ہے لہذا بہر حال تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ

آپ کے سامنے پیش کیا جائے گا اور اب سے لیکر کل رات تک یہ تذکرہ مسلسل آپ کے سامنے ہوتا رہے گا۔ اس مجلس کے بعد چار بجے اذان صبح سے پہلے پھر مجلس ہوگی۔ اس کے بعد گیارہ بجے انشاء اللہ ذکرِ مقل ہوگا اس کے بعد شام غرباں کی مسلسل مجلسیں ہیں۔ سارے تذکرے آپ کے سامنے آتے رہیں گے مگر میں حسبِ وعدہ اپنی آخری ذمہ داری کو ادا کرتے ہوئے تین چار جملے اپنے تمام سامعین کرام اور اپنے تمام محبت کرنے والوں سے گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ عنہ ذرا یہ غم حسینؑ ایک امانت ہے اور ہر در دگار نے یہ امانت ہمارے حوالے کی ہے لیکن اس حسینؑ نے جسکا غم ہم مناتے ہیں۔ اس شریعت کو، اس دین کو، اس مذہب کو اپنی امانت بنا کے ہمارے حوالے کیا ہے اسکو بچانے کیلئے حسینؑ نے اتنی بڑی قربانی دی ہے لہذا ہم نے اگر غم حسینؑ کو اپنے امکان بھر باقی رکھا ہے۔ اپنے امکان بھر اس میں حصہ لیا ہے تو ہم کو شریعت حسینؑ، دین حسینؑ، مذہب حسینؑ کی بقا میں بھی اسی شان سے حصہ لینا ہوگا جس شان سے ہم نے غم حسینؑ کو اپنے کلیجے سے لگایا ہے۔ میں بار بار گزارش کر چکا ہوں اور آج پھر یاد دلانا چاہتا ہوں جن حضرات کو نہیں معلوم ہے ان کے معلومات میں اضافہ کیلئے اور جن کو معلوم ہے ان کی یاد دہانی کیلئے۔ ہمارے فطری قانون کے اعتبار سے کوئی عمل اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوتا ہے جب تک عمل تقلید کی روشنی میں انجام نہ پائے لہذا اگر مومن تقلید سے نا آشنا ہے تو اسکا فرض ہے کہ تقلید کے معنی دریافت کرے اور زندگی میں جو عمل کرے سارے اعمال و افعال کو جتھدا علم کی تقلید کی روشنی میں انجام دے تاکہ عمل ہو شریعت حسینؑ بن علیؑ پر۔ عمل ہو قانونِ اسلام پر جسکو حسینؑ نے قربانی دیکر بچایا ہے۔ اور باعتبار مایات آپ جانتے ہیں کہ خمس آل محمدؑ کا حق ہے جسکو دنیا نے نہیں دیا ہے جس پر دنیا نے پابندی عائد کر دی ہے۔ یہ حق آلِ محمدؑ ہے بس کے ادا



کرنے والے صرف ہم ہیں۔ آپ ہیں۔ آل محمد کے غلام اور ان کے چاہنے والے ہیں۔ ہر وہ انسان مرد ہو یا عورت جس کا کوئی بھی ذریعہ معاش ہے۔ جس دن سے اسکی آمدنی کا آغاز ہوتا ہے جب وہ دن پھر پلٹ کے اگلے سال آتا ہے اور سال پورا ہو جاتا ہے تو اسکو اپنے مالیات کا حساب کرنا ہوتا ہے اور بیس پر سینٹ نکالنا ہوتا ہے۔ اس میں سے ادھاق سادات آل محمد ہے جو اولاد رسول پر خرچ کیا جاتا ہے۔ ادھاق امام ہے جو راہ امام میں صرف کیا جاتا ہے۔ یعنی مجتہد کے حوالے کر دیا جاتا ہے یا جس کے بارے میں وہ کہتا ہے اس کے حوالے کر دیا جاتا ہے تاکہ راہ مذہب میں ہمارا سرمایہ خرچ ہو اور ہماری عاقبت اور نجات کا سامان ہو سکے۔ یہی ہماری ذمہ داری ہے اور اسی کا احساس ضروری ہے۔ اس کے بعد بہ اعتبار فرائض و واجبات اور باعتبار محرمات دو تین باتیں اور گزارش کرنا ہیں تاکہ جنکو نہیں معلوم ہے ان کو معلوم ہو جائے۔ آپ کو دنیا کے سیلاب میں نہیں بہنا ہے۔ آپ کو ماحول اور معاشرہ کا اتباع نہیں کرنا ہے۔ آپ کو دین خدا کا اتباع کرنا ہے۔ آپ کو مذہب حسین بن علی کا اتباع کرنا ہے۔ دین خدا میں نہ ناج جائز ہے نہ گانا جائز ہے نہ ایسے دیگر خرافات جائز ہیں۔ اگر کسی گھر میں خدا نکر وہ ان جرائم نے ان برائیوں نے کسی راستہ سے گھر بنا لیا ہے تو اگر اس گھر میں حسین بن علی کو مہمان بلانا ہے تو ان محرمات کو گھر سے باہر نکالنا ہوگا۔ یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ اسی گھر کا فی وی ناج گانا بھی نشر کرتا رہے اور اسی گھر میں ماتم حسین کی صدا بھی بلند ہوتی رہے۔ یہ حسینیت سے بے وفائی ہے۔ حسین نے اپنے نام کیلئے جان نہیں دی ہے۔ حسین نے اپنے دین کیلئے جان دی ہے۔ اگر دین ہی پامال ہو گیا تو نام کا فائدہ کیا ہوگا۔ وہ اہل دنیا ہیں جو نام کیلئے مرا کرتے ہیں اللہ والے دین خدا کیلئے جان دیتے ہیں۔ اپنے نام کیلئے جان نہیں دیتے لہذا یہ بات آپ کے ذہن عالی

میں رہے۔ ایسے کام ہمارے گھروں میں ہمارے معاشرہ میں ہرگز نہیں ہونے چاہئے جو حسینیت کے خلاف ہوں۔ جو دین خدا کے خلاف ہوں۔ جو شریعت پیغمبر اسلام کے خلاف ہوں اور میں اپنی بہنوں سے بھی گزارش کروں گا کہ اسلام میں جہاں اور محرمات ہیں وہاں بے پردگی بھی ایک فعل حرام ہے۔ ایک ناجائز عمل ہے خصوصیت کے ساتھ اس نکتہ کو ان حسین والوں کو پہچانا چاہئے جو اس غم میں تمام سال آنسو بہاتے ہیں کہ ظالموں نے سیدانیوں کے کے سروں پر چادریں نہ رہنے دیں۔ اب کوئی مکار، کوئی مذہب کا غدار آپ کو دھوکہ نہ دینے پائے کہ جب سیدانیوں کا پردہ نہ رہ گیا تو آپ کے پردہ کی کیا ضرورت ہے۔ یاد رکھئے کہ سیدانیوں کا پردہ نہ رہ گیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سیدانیوں نے چادر اٹھا کر پھینک دی تھی یا معاذ اللہ بے پردہ ہو گئی تھیں۔ ان کا پردہ نہ رہ گیا اسلئے کہ ظالموں نے پردہ چھین لیا اور اسی لیے زندگی بھر عابد بیمار کہتے رہے کہ شہادت تو ہماری میراث ہے مگر یہ ہماری میراث نہیں کہ ماں بہنوں کے سر کھلے ہوئے ہوں اور ہمیں درباروں اور بازاروں میں لے جایا جائے لہذا بے پردگی ہمارے گھر کی تاریخ نہیں ہے۔ یہ ہمارے گھر کی میراث نہیں ہے۔ یہ ہمارے گھر کا طریقہ نہیں ہے۔ یہ حسین والوں اور زینب والیوں کا طریقہ نہیں ہے لہذا ہماری بہنوں کو متوجہ رہنا چاہئے اور ہمارے بھائیوں کا بھی فرض ہے کہ وہ بہنوں کو متوجہ کریں۔ اپنی ماؤں کو اپنی بیویوں کو اپنے گھر والوں کو متوجہ کریں۔ تم اپنا پردہ سنبھال کے رکھو تاکہ یہ احساس رہے کہ وہ سیدانیاں کس مصیبت سے گذر رہی تھیں جنکا پردہ چھین لیا گیا تھا۔ عزیزو ایک ذمہ داری اور ہے جو مجھے آپ کے سامنے گزارش کرنا ہے۔ ہر سال عرض کرتا ہوں۔ پھر عرض کر رہا ہوں اگر کوئی ناخوش ہوگا تو الحمد للہ ایسے افراد کی ناخوشی کا مجھے کوئی صدمہ نہیں ہے۔ اگر میری بات سے میرا مولا



خوش ہو جائے میرا پروردگار خوش ہو جائے جبکہ یقین ہے کہ کسی بھی حسینؑ والے کے ناخوش ہونے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا ہے اور کسی زینبؑ کی چاہنے والی کے ناخوش ہونے کا سوال نہیں ہے۔ اور کون سا اتنا بڑا کام ہے کون سا اتنا بڑا مسکد ہے اگر آدمی کے سر کے بال چھپ جائیں بدن تو چھپا رہتا ہی ہے کپڑا تو پہنتے ہی ہیں۔ ایک لے دے کے سر کے بال رہ گئے ہیں اگر اتنے سر کے بال چھپ جائیں تو میرا خیال ہے نہ کاروبار دنیا معطل ہو جائے گا اور نہ کوئی قیامت آجائے گی نہ کوئی مصیبت آجائے۔ ہاں اگر کسی نے طے ہی کر دیا ہے کہ مذہب آل محمدؐ کو نہ مانیں گے۔ طریقہ شہزادی کائنات کو نہ مانیں گے۔ سیرت زینبؑ پر عمل نہ کریں گے تو اسکا میرے پاس کوئی علاج نہیں ہے اور جب میں اپنی بہنوں کے بارے میں کہہ رہا ہوں تو میں پھر گزارش کروں گا اپنے بھائیوں سے۔ اگر نہیں یاد ہے آپ کو تو میں یاد دلاؤں۔ اگر آپ کو نہیں معلوم ہے تو میں آپ کے علم میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ جتنے جتھدین قابل تقلید ہیں اور جن کی آپ تقلید کر رہے ہیں یا کریں گے سارے جتھدین کی نگاہ میں داڑھی رکھنا واجبات میں ہے اور اسکا منڈانا ناجائز ہے۔ یہ سنت کہہ کر آپ نال نہیں سکتے ہیں۔ آپ کو تقلید کے قانون کے مطابق زندگی گزارنا ہوگی۔ کریں گے تو اپنی عاقبت بنائیں گے۔ نہیں کریں گے تو روز قیامت خود جواب دہ ہوں گے۔ بس میں اپنی جواب دہی کے واسطے اپنے فریضہ کو ادا کرنا چاہتا ہوں اور آپ کو باخبر کرنا چاہتا ہوں۔ برا لگے تو آپ مجھے معاف فرمادیں گے لیکن مجھے معاف کرنے کے بعد حسینؑ بن علیؑ کو جواب دینے کیلئے تیار رہیں۔ میں نے سیرت حسینؑ میں یہ واقعہ پڑھا ہے اور آپ بھی جا کر کتاب میں دیکھئے گا کہ مسجد سے امام حسینؑ برآمد ہوئے اور سامنے کچھ لوگ نظر آئے اور ان لوگوں نے آواز دی "السلام علیک یا بن رسول اللہ؟" فرزند رسول میرا سلام لیجئے۔ امام حسینؑ نے فرمایا "من اثم؟" تم لوگ کون ہو تو کہا "نحن

شیعہ حکم" ارے ہم آپ کے شیعہ ہیں۔ آپ کے چاہنے والے ہیں۔ فرمایا "مالی لازمی فیکم سیماء الشیعہ" مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں تم میں شیعہ کی علامت نہیں دیکھتا ہوں۔ کیا مطلب تھا حسینؑ بن علیؑ کا اس وقت۔ یہ جن سے کہا وہ سمجھے یا جو سمجھنا چاہتے ہیں وہ سمجھیں گے مگر حسینؑ بن علیؑ پر یہ بات بارہے کہ ان کے چاہنے والے کے چہرہ سے شیعیت کی علامات ظاہر نہ ہوں اس کے چہرہ سے محبت کی نشانیاں ظاہر نہ ہوں۔ یہ یاد دہانی میرا فریضہ ہے جو بہر حال میں گزارش کرنا چاہتا ہوں اور میں پھر دست بستہ معافی چاہتا ہوں کہ اگر کسی کے دل کو تکلیف ہوئی ہے میرے بیان سے تو میں اسکی معافی چاہتا ہوں لیکن اگر حسینؑ بن علیؑ کے قانون سے کسی کو تکلیف ہوئی ہے تو اس سے میں ہرگز معافی مانگنے کیلئے تیار نہیں ہوں اور جس نے اس قانون کی مخالفت کی ہے اسے فرزند رسولؐ سے معافی طلب کرنا ہوگی۔

بس ارباب عزام شب عاشور ہے۔ شب غم ہے۔ شب الم ہے شب ماتم ہے اور آج کی رات سارے تذکروں کے بعد آخری تذکرہ شہادت آپ کے سامنے پیش کرنا ہے جس کے بارے میں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کہوں۔ میں الفاظ ڈھونڈ رہا ہوں کہ میں کیسے آپ کو توجہ دلاؤں۔ میں کیا آپ سے گزارش کروں اسلئے کہ مجھے یاد ہے کہ جب میں نے تذکرہ عباسؑ علمدار کیا تھا تو میں نے آواز دی تھی میرے جوان حسینؑ کے شیر کا ماتم کرو۔ جب میں نے تذکرہ علیؑ اکبر کیا تھا تو میں نے کہا تھا میرے جوان نوآبادہ ہو جاؤ حسینؑ کے کڑیل جوان کا ماتم ہے۔ جب میں ذکر عون و محمد اور ذکر قاسم کر رہا تھا تو میں کہہ رہا تھا میرے بھو ام فروہ کے لال کا ماتم ہے۔ میرے بھو ثانی زہرا کے گود کے پالوں کا ماتم ہے۔ مگر آج تو کوئی مجھے نظر نہیں آتا میں کسکو متوجہ کروں میں کس سے کہوں کہ آج کس کا ماتم کرنا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنی بہنوں کو آواز دوں اے میری



ہنوں اپنی گود کے پھولوں کا حوصلہ بلند کرو۔ اپنی گود کے پھولوں کو سمجھاؤ اگر رات آدھی ہو گئی ہے مگر رباب کے لال پر آنسو بہانے کا وقت آ گیا ہے۔ میرے پھول یہ گودیوں میں سونے کا وقت نہیں ہے رباب کا لال بھولے میں تڑپ رہا ہے۔

آپ متوجہ ہو گئے ہیں ایک لفظ کہوں گا جو ہماری بہنیں اپنے پھولوں کو گودیوں میں لیکر آئی ہیں۔ پھول نے پھولے بچے دودھ پیتے بچے ہیں جب گھر سے مجلس میں جانے کیلئے تیار ہوتی ہیں تو دودھ ساتھ لیکر آتی ہیں اور فرش پر آکر بیٹھتی ہیں تو اگر بچے کو دودھ کی ضرورت ہوتی ہے تو اسے فوراً دودھ دیدیتی ہیں۔ اگر بچے کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو اسے پانی دیدیا جاتا ہے۔ فرشِ عزاء پر آکر بیٹھی ہیں مگر اپنے بچے کی پیاس کا خیال ہے۔ اپنے بچے کی زندگی پر نگاہ ہے۔ اے میری ہنوں جب تمہارا بچہ پیاسا ہوتا ہے تو اسکو پانی پلا دیتی ہو۔ ہائے وہ ماں کیا کرے جو تین دن سے اپنے بچے کو دیکھ رہی ہے۔ مگر کوئی قطرہ آب نہیں ہے۔ اے اصغرؑ کہاں سے لا کر تمہیں پانی پلاؤں۔ اے بیٹا تیری پیاس کا کیا انتظام کروں۔ سنو گے عزیزو کہ رباب کے دل کا کیا عالم ہے میں تو جانتا ہوں نہ سوچ سکتا ہوں البتہ اتنا جانتا ہوں کہ اصغرؑ کی پیاس کو جب ظالموں نے دیکھا تو منہ پھیر کر رو دیئے۔

وہ وقت آیا جب ساری قربانیوں کے بعد حسینؑ بن علیؑ نے آواز دی "ہل من ناصر ینصرنا" مسلسل فضائے کربلا میں استغاثہ کی آواز گونج رہی ہے۔ "ہل من ناصر ینصرنا" ایک آخری آواز جو فضا میں گونجی تو اک مرتبہ خیمہ میں کھرام مچ گیا۔ رونے کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ امامؑ کے کانوں تک آواز پہنچی میدان سے آئے۔ آواز دی بہن زینب۔ یہ رونے کا کیا سبب ہے ابھی تو حسینؑ زندہ ہے خیمہ میں کھرام کیا ہے ابھی تو بھائی زندہ ہے۔ کہا بھیا آپ کی آواز استغاثہ کو سنکر علیؑ نے اپنے پھولوں کو جھولے سے گرادیا ہے۔ بھیا اب اصغرؑ کسی کی گودی میں نہیں جاتے ہیں۔ بس

یہ سننا تھا حسینؑ خیمہ میں داخل ہوئے۔ آئے علیؑ اصغرؑ کے قریب۔ کیا کہا باپ نے اور کیا سمجھا بیٹا۔ نہ کوئی مفضل جانتا ہے نہ کوئی راوی جانتا ہے۔ کیا اشاروں میں باپ نے کہہ دیا اور کیسے بیٹا باپ کے اشاروں کو سمجھا۔ اتنا دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حسینؑ نے ہاتھ بڑھائے۔ اصغرؑ ہمک کے باپ کی گودی میں آگئے۔ بابا میں تو آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ آپ مجھے مفضل میں لیکر چلیں۔ اگر میں چلنے کے قابل ہوتا تو میدان میں آگیا ہوتا۔ بابا مجھے آپ لیکر چلیں۔

حسینؑ نے علیؑ اصغرؑ کو گولا میں لیا۔ لیکر چلے۔ روایات کہتی ہے کہ جب درخیمہ کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ رباب سر جھکائے کھڑی ہیں۔ فرمایا رباب! تم یہاں درخیمہ کے پاس کیوں کھڑی ہو۔ کہا آقا میں دیکھ رہی ہوں کہ صبح سے جو میدان میں گیا وہ پلٹ کے نہیں آیا۔ اب میرا لال جا رہا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ آخری دیدار کر لوں اور اپنے لال کو رخصت کر لوں۔

حسینؑ نے یہ کہہ کر سمجھا دیا کہ رباب اب تک جو بھی میدان میں جا رہا تھا اس کے بارے میں یہ خیال ہو سکتا تھا کہ شاید یہ جنگ کرنے آیا ہے۔ لڑنے آیا ہے۔ مگر تمہارا لال تو لڑنے کیلئے نہیں جا رہا ہے۔ شاید کسی کو رحم آجائے۔ یہ کہہ کر حسینؑ نے خیمہ کا پردہ اٹھایا۔ باہر آئے اور ایک بلندی پر آکر آواز دی۔ اے قوم جفاکار۔ اگر تیرے خیال میں حسینؑ کی کوئی خطا ہے تو چھ مہینہ کا بچہ تو خطا کار نہیں ہوتا ہے میرے لال کو دیکھو۔ اسے پانی نہیں ملا ہے۔ میرا بچہ پیاس سے جان بلب ہے۔ کیا کوئی سیل ہے، کیا کوئی راستہ ہے، کیا کوئی امکان ہے۔

دو جملے تاریخ میں پہلے حسینؑ نے مذہب کا حوالہ دیا "انا نعیم مسلم" ارے کیا تم میں کوئی مسلمان نہیں ہے۔ اسلام نے تو پیاس کی پیاس بھجانے کا حکم دیا ہے۔ اسلام نے تو پھولوں پر رحم کرنے کا قانون بنایا ہے پھر جب کوئی جواب نہ ملا تو



ASSOCIATION KHOJA  
SHIA ITHNA ASHERI  
JAMATE  
MAYOTTE

ایک مرتبہ تڑپ کر حسینؑ کے کہا ارے ظالمو! اگر تم مسلمان نہیں ہو تو کیا تم میں کوئی صاحب اولاد بھی نہیں ہے۔ میرا بچہ پیاس سے تڑپ رہا ہے۔ مگر تمہیں رحم نہیں آتا ہے۔ لو میں اپنے بچے کو خاک پر نٹائے دیتا ہوں کوئی پانی پلانے والا ہے۔ کوئی جواب نہ ملا فرمایا بیٹا یہ میری بات نہیں سمجھتے ہیں۔ یہ میری زبان نہیں سمجھتے ہیں۔ میرے لال اب تم انھیں بتاؤ کہ تم کتنے پیاسے ہو۔ تم انھیں سمجھاؤ کہ تم کتنے پیاسے ہو۔

باپ کا حکم ملا۔ اصغر نے اپنی سوکھی زبان ہونٹوں پر پھرائی۔ یہ منظر وہ تھا جسکو دیکھ کر پوری فوج میں کھرام مچ گیا۔ ابن سعد نے جب یہ منظر دیکھا تو آواز دی حرمہ! قطع کلام! حسینؑ حرمہ نے دوش سے کمان اتاری۔ ترکش سے تیر نکالا۔ تیر چلہ کمان میں جوڑا۔ علی اصغر کے گلے کو نشانہ بنایا۔ بچے کے گلے پر تیر لگا۔ حسینؑ نے اپنے لال کو دیکھا۔ لبوں پر تبسم ہے۔ ارے بابا میں مسکرا کے جا رہا ہوں۔ حسینؑ نے بچے کو سنبھالا۔ لیکر چلے، درخیمہ کی طرف۔ درخیمہ پر پہنچے آواز دی رباب! اپنے لال کو لے جاؤ۔ بس اولاد والو! میں نے مقاتل میں دیکھا ہے کہ اب جو خیمہ میں آواز پہنچی تو ادھر سے رباب چلیں ادھر سے سکینہ چلیں مگر روایت کا انداز کہتا ہے کہ رباب بعد میں آئیں سکینہ پہلے آئیں۔ چچی دوڑ کے آئی بابا علی اصغر کو پانی پلا لائے۔ ارے سکینہ! بھی تو آپ کی چچی ہے۔ رباب درخیمہ پر پہنچی۔ حسینؑ نے عبا کا دامن اٹا۔ ارے میرے لال کیا تجھ جیسے بچے بھی نخر کر دینے جاتے ہیں۔ انا للہ وانا الیرا جعون۔

سید علم الدین ظلمو! ای مقرب مقربون